

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224991

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۳۳.۱۹۳۹ Acc. No. U. 450

Osmania University Libra

Call No

۳۳.۵۱۹۲۹۷

Accession No

۱۰.

Author

۱ - ۲

۷.۴۵۷

Title

۱ - ۲

This book should be returned on or before the date last n

اسلام کے معاشی تصور

مرتبہ

غلام شگیر شیخ ایم اے
پھر از نظام کالج

انڈیا کتب ہاؤس
جید آباد دکن

تعداد طبع

ایک ہزار

۱۹۲۵ء
۵۵۷۷۱۱

۳۰ دسمبر ۱۹۲۵ء

۳۰ دسمبر ۱۹۲۵ء

طبع شد

برقی اعظم جاہی پریس
چند آبادکن

مہرست

نشان	مضمون	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۴
۲	مشعل راہ	۵
۳	حرف مجرا نہ	۶
۴	معاشرتی مسئلہ اس کا اسلامی حل	۹
۵	اسلامی قانون معیشت	۳۳
۶	معاشرتی مسائل کی اہمیت جدیدوں	۵۶
۷	حکومت اسلامی اور معاشرتی نظام	۷۱
۸	اسلامی معیشت و تجارت	۷۶
۹	اسلام و معیار زندگی	۸۵
۱۰	سبیت المال	۸۸
۱۱	اسلامی اصلاح اقتصاد باہانی	۹۳
۱۲	اسلام اور آزادی	۱۰۱
۱۳	ایک سرشت سے	۱۱۵
۱۴	اشتراکی اور اسلامی نظریات	۱۲۵
۱۵	حضرہ خدیجہ کا جہاز سماجی تحفظ کیلئے	۱۳۳
۱۶	اسلام میں ملکیت ذاتی پر پابندی	۱۴۲
۱۷	قطع ید اور اسلامی مصائب	۱۵۸
۱۸	اسلام اور اشتراکیت	۱۶۴
۱۹	چند بنیادی معاشرتی مسائل اور اسلامی حل	۱۷۷
۲۰	آج اور مزدور اسلام میں	۲۱۳
۲۱	بیوجیکسٹیم اور معاشرتی کفالت	۲۲۴
۲۲	غریبوں کے مفاد اور سوسائٹی	۲۴۴

انتساب

ان سعید روحوں اور حساس دلوں کے نام جو خدائے برتر
اور اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح اپنے آپ کو
غریبوں کے مفادات کا عین قرار دیتے ہیں

اور

معیشت و زندگی کے بہتر سے بہتر نظام کی سچی طلب رکھتے ہیں۔
انساں کی ہوس نے جنہیں کھاتھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں یہ تدریج وہ اسرار را
(اقبال)

الفقیر فی اللہ

رشید

قرآن و حدیث میں لگی ایسے مقامات ہیں جہاں خدا نے غریبوں کے مفادات سے ٹکرانے کو
خدا اور سولہ جنائے مترادف قرار دیا ہے غریبوں کے حق کو اپنا حق، مقروضوں کی مدد کو اپنی مدد، انکی بھوک کو
اپنی بھوک، انکی عبادت کو اپنی عبادت قرار دیا ہر مفہوم کے لئے دیکھو مقالہ بیورج اسکیم و اسلامی تحفظ سماج

مشعلِ راہ

(اسلامی نظام معاشیات)

ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دین
 جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآن نہیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن ہر یہ خوف
 ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
 موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
 نے کوئی کُفغفور و خاقاں نے فقیرہ نشین
 کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بتاتا ہے امین
 اس سے بڑھ کر اور کیا فسکرو عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

(اقبال، ارمغانِ حجاز)

حرفِ محرمانہ

جانتا ہے جس پر روشِ فتنہ ایا م۔ ہے
مزدکیت فتنہٴ فسد انہیں، اسلام ہے

مدن کے معاشی، سیاسی، قانونی اور دینی شعبے اپنی محدود عملی تقسیم کے باوجود ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اس باہمی اثر و تاثر کا تجربہ نہایت دور رس علم اور ہمہ گیر فکر کا محتاج ہے اس کی ضمانت صرف علم الہی یعنی اسلام میں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اسلام کا تعلق معاشیات سے پیدا ہوتا ہے اسلام زندگی کا رفیق ہی نہیں بلکہ کاروانِ حیات کا رہنما ہے۔ روشن زندگی کا نگران ہے اور شعبوں کی طرح معاشی زندگی میں بھی شریعتِ اسلام ائینِ مسلم کے ذریعے سے افراد کی معاشی، احتیاجات اور مفادات کے حدود مقرر کرتی ہے تاکہ معاشی جدوجہد مفادِ تضادم سے محفوظ رہے۔ ایک ہم آہنگ سوسائٹی پیدا ہو۔ طبقہ واری فسادات کی جگہ تعاون، اخوت، مساوات اور توازن۔ اقوام جس قدر طاقت، اور سرعت کے ساتھ اسلام میں پورے داخل ہو جائیں، اسی قدر جلد اسلام کے معاشی نظام کی ان نعمتوں سے مالا مال ہوں گی۔ معاشیات آج دنیا کے مسائل کا محور اور مرکز ہے۔ سوشلزم نے اسے دو آتشہ بنا دیا ہے ماحول کا تقاضا ہے کہ اسلام اور اسلامی معاشیات کی بے نظیر خوبیوں کو وضاحت سے دنیا کے آگے پیش کیا جائے یہ اسلامی تعلیم اور تبلیغ کا ایک نیا اور دلکش عنوان بن گیا ہوا موضوع پر

سرمایہ بہت کم ہے۔ گنتی چنی دوچار کتابیں ہیں۔ اسلامی معاشیات کا فن تدوین کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا ہے۔ پھر تقابلی مطالعہ کا میدان ہے۔

مستقل کتابیں تو آسانی سے مل جائیں گی لیکن منتشر مفید اور قیمتی مقالات کا وقت پر یکجا ملنا نہایت مشکل ہے۔ اس تالیف کا مقصد اسی مشکل کو کسی حد تک آسان کرنا ہے۔ مضامین کسی پہلے سے مجوزہ مباحث کے اجزا نہیں ہیں جن کو مختلف اہل علم نے سپرد قلم کیا ہو نہ یہ کسی ایک ہی مصنف کی تصنیف کے مربوط و مرتب ابواب ہیں۔ اس نقطہ سے ان مقالات میں اس نوعیت کی ترتیب نہیں ہو سکتی۔ نہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ مضامین اسلامی معاشیات کے سارے ضروری مباحث پر حاوی ہیں۔ مختلف اوقات میں مختلف مفکرین نے مختلف اجزاء پر بحث کی ہے۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

مجھے اس موضوع سے خاص دلچسپی تھی۔ میں ان کا مطالعہ کرتا رہا جو مضمون پسند آیا اس کی ایک نقل رکھ لی۔ اس تالیف کا مقصد یہ ہے کہ ہم ذوق احباب کے ہا معقول تک ملک کے گوشہ گوشہ میں یہ مجموعہ پہنچ جائے۔ مدیر ادارہ ادب جدید جناب انعام اللہ خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل علاوہ تجارت کے انسانیت کے لئے اسلامی افکار کی اشاعت کی قدیرو قیمت کا بھی احساس رکھتے ہیں۔ یہی جذبہ اسلامی تہذیب کی اشاعت کا محرک ہوا۔ اور اسی ذوق نے اسلام کے معاشی تقورات کو طباعت و اشاعت کے زلیور سے آراستہ کیا۔ وقت کی اہم معاشی تحریک اشتراکیت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلامی معاشیات پر قلم اٹھایا جائے اور اشتراکیت زیر بحث نہ آئے۔ سطحی یا سرسری نظر کے اسلام کو بالکلیت

۱۵۔ استاد مخدوم مولانا سیدنا غلام حسن گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کی اہل اہم کتاب اسلامی معاشیات رسالہ معارف و ریاست میں بالاقساط شائع ہو رہی ہے۔

سرمایہ داری یا اشتراکیت کے ہم معنی قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ فکر اور تجربہ جب ان کی خامیاں نمایاں کرے تو اس وقت کہیں نہامت نہ ہو۔

اصل یہ ہے کہ اسلام بجائے خود ایک مستقل نظام ہے اور یہی اس کی بہترین تعبیر بھی ہے۔ بلاشبہ اسلام میں کئی ایسے پہلو ہیں جو اشتراکیت کے مماثل یا مشابہ ہیں۔ گہری نظر سے دیکھو تو ان مشابہ امور میں بھی دوسرے عناصر کے ربط کے ساتھ اسلامی معیشت کے فضائل محسوس ہونگے۔ ساتھ ہی ساتھ بعض نقاط ایسے بھی ہیں جن میں اسلام اور مسلک اشتراکیت کا فرق صاف نمایاں ملتا ہے۔ مثلاً مارکس اور لینن کا مادی فلسفہ کائنات یا معاشی نظریہ تاریخ و اخلاق وغیرہ!

بعض مقالہ نگاروں نے اسلام اور اشتراکیت کے اس فرق کو بڑی شدت سے نمایاں کیا ہے اس کا مقصد یہ گریز نہیں ہے کہ اسلام اور غریبوں کے مفادات اور مصفاۃ تقسیم دولت کے مقاصد میں واقعی فی نفسہ کوئی تضاد ہے اس کے بالکل برعکس اسلام کے الہیاتی تصورات اور قانونی نکات غریبوں کے مفادات اور ترقی کے بہت بڑے کویل اور مجاہد ہیں قرآن نے ملت اسلامیہ کو سرمایہ پرستی کے خلاف ایک چیلنج بنایا ہے (جو لوگ دولت زر بٹور کر ذخیرہ کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب کا اعلان کر دو قرآن) معاشی انصاف اور سماجی توازن کی تحریک کو رسول اسلام سے بہتر قیادت نہیں مل سکتی انسانیت کی بڑی خدمت ہوگی اگر تعصب دور کر کے حقیقت پسندی اور حق پرستی کے ساتھ اشتراکی اسلام کا اور مسلمان اشتراکیت کا تعلیمی مطالعہ کریں اگر یہ کتاب اس سلسلہ میں کسی کے کام آجائے تو توفیق الہی شکرنا تنها ہی کی مستحق ہے۔ ع اپنا کمال ان کی عنایت کا نام ہے۔

مینا سرکیش

رشید

مَعاشی مسئلہ اور اسکا اسلامی حل

است
مشکلم اسلام حضرت مولانا سید ابوالعلی صابو دودی مدظلہ

معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

اہمیت اور اہمیت :- موجودہ زمانے میں ملکوں اور قوموں کے مادی بحیثیت مجموعی دنیا کے معاشی مسائل کو جو اہمیت دی جا رہی ہے، شاید اس سے پہلے کم از کم نمایاں طور پر ان کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی۔ نمایاں طور پر ”کالافظ میں اس نئے استعمال کو رہا ہوں کہ حقیقت میں انسان کی زندگی میں اس کی معاش جب قدر اہمیت رکھتی ہے اس کے لحاظ سے ہر زمانے میں، افراد، جماعتوں، قوموں، ملکوں اور تمام انسانوں نے اس کی طرف بہر حال توجہ کی ہے، لیکن آج اس توجہ کو جس چیز نے نمایاں کر دیا ہے وہ معاشیات کے نام سے ایک نیا قاعدہ ظلم کا بڑی بڑی کتابوں، بھاری بھر کم اصطلاحوں، اور پُر شکست اداروں کے ساتھ موجود ہونا، اور ساتھ ہی ضروریات زندگی کی پیدائش، فراہمی اور کتب کے طریقوں کا پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے چلے جانا ہے، ان سب سب آج معاشی مسائل پر بحث و گفتگو اور عالمانہ تحقیق کا وہ زور شور ہے کہ ان کے لگے انسانی زندگی کے سارے مسائل و سبب ذکر رہ گئے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جس چیز پر دنیا بھر کی توجہات اس طرح مرکوز ہو گئی ہیں وہ بجائے اُٹھنے اور اُٹھانے کے اور زیادہ آنکھیں بند اور مہمہ بنتی چلی جاتی ہے۔

چیز، وکل :- اصطلاحات کے چکر اور فنی پیچیدگیوں کے ظلمات نے اس مسئلے کو جس قدر اُلجھایا ہے اس پر مزید آنکھیں اس وجہ سے بھی پید ہو گئی ہے کہ انسان کے معاشی مسئلہ کو جو دراصل انسانی زندگی کے عظیم تر مسئلے کا ایک جز تھا، مجموعہ سے الگ کر کے بجائے خود ایک مستقل مسئلے کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا، اور رفتہ رفتہ یہ لے اتنی بڑھی کہ معاش کے مسئلے کو

پوری انسانی زندگی کا مسئلہ سمجھ لیا گیا۔ یہ پہلی غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے جس کی وجہ سے اس گتھی کا سلجھنا محال ہو گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی امراض جگر کا ماہر انسانی جسم کے مجموعی نظام سے الگ کر کے لو اس نظام میں جگر کی جو حیثیت ہے اس کو نظر انداز کر کے جگر کو اس جگہ ہونے کی حیثیت سے دیکھنا شروع کر دے، اور پھر اس دیکھنے میں اتنا مستغرق ہو آخر کار اسے پورا انسانی جسم میں ایک جگہ ہی جگر نظر آنے لگے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اگر انسانی صورت کے سارے مسائل کو صرف ایک جگہ بات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ مسائل کس قدر ناقابل حل ہو جائیں گے اور آدمی بچارے کی جان کس قدر شدید خطر میں مبتلا ہو کر رہے گی۔

اصل حقیقت یہ ہے جو لوگ معاشیات میں مستغرق ہیں وہ انسان کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ معاش تیری زندگی کا اصل مسئلہ ہے اور باقی سارے مسائل مادی جڑ کی شاخیں ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت جو کچھ ہر دہ ہے کہ یہ سب ایک کل کے مختلف پہلو ہیں۔ اُس کل کے اندر ان سب کا ایک خاص مقام ہے اور اس مقام کے لحاظ ہی سے ان کی ماہیت بھی ہے۔ انسان ایک جسم رکھتا ہے جو قوانین طبعی کے ماتحت ہے اس لحاظ سے انسان طبعیات کا موضوع بھی ہے مگر وہ نہ جسم ہی نہیں بلکہ فطرطبعیات سے اُس کے سارے مسائل حل کئے جاسکیں۔ انسان ایک نئی حیات ہستی ہے جس پر حیاتی قوانین جاری ہوتے ہیں اس لحاظ سے وہ علم الحیات کا موضوع ہے مگر وہ نہ لازمی حیات نہیں ہے کہ فطرطبیعیات یا حیوانیات ہی سے اس کی زندگی کا پورا قانون اخذ کیا جاسکے انسان کو زندہ رہنے کیلئے غذا کی، پوشش کی، ملاوڑ مکان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس لحاظ سے معاشیات اس کی زندگی کے ایک اہم شعبہ پر حاوی ہے۔ مگر وہ محض ایک کھانے، پہننے اور گھر بنا کر رہنے والا حیوان نہیں ہے کہ نہ معاشیات ہی پر اس کے پورے فلسفہ حیات کی بنا رکھ دی جائے انسان اپنی نوع کو باقی رکھنے کیلئے نسل پر بھی مجبور ہے جس کے لئے اس کے اندر ایک بڑا مٹھنی میلان پایا جاتا ہے اس لحاظ سے صنعتیات کا

علم بھی اسکی زندگی کے ایک ہم پہلو سے تعلق رکھتا ہے مگر وہ بالکل نسل کشی کا آلہ ہی نہیں ہو کر بس صنفیات ہی کی عینک لگا کر اُسے دیکھا جانے لگے۔ انسان ایک نفس رکھتا ہے جس میں شعور و ادراک کی مختلف قوتیں اور جذبات و خواہشات کی مختلف طاقتیں ہیں، اس لحاظ سے نفسیات اس کے وجود کے ایک بڑے شعبہ پر محیط ہے لیکن وہ از سر تا پا نفس ہی نفس نہیں ہے کہ نفسیات کے علم سے اس کی زندگی کی پوری سکیم بنائی جا سکے انسان ایک تمدن ہستی ہے جو عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہو کر دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہا ہے اس لحاظ سے اس کی زندگی کے بہت سے پہلو عمرانیات کے تحت آتے ہیں لیکن تمدن ہستی ہونا اس کا تمام وجود نہیں ہے کہ محض علومِ عمرانیات کے ماہرین بیٹھ کر اس کے لئے مکمل نظامِ حیات وضع کر سکیں انسان ایک فی عقل ہستی ہے جس کا اندر محسوسات اور معقولات کی طلب بھی پائی جاتی ہے اور وہ عقلی اطمینان چاہتا ہے اس لحاظ سے علومِ عقلیہ اُس کے ایک خاص مطالبہ کو پورا کرتے ہیں مگر وہ پورا کا پورا عقل ہی نہیں ہے کہ محض معقولات کے بل بوتے پر اس کے لئے ایک لائحہ زندگی بنایا جاسکے انسان ایک اخلاقی و روحانی وجود ہے جس میں بھلے اور بُرے کا امتیاز، اور محسوسات و معقولات دونوں سے ماورا حقیقتوں تک پہنچنے کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے اور اس لحاظ سے اخلاقیات و روحانیات اس کے ایک اور اہم مطالبہ کو پورا کرتے ہیں۔ مگر وہ از سر تا پا اخلاق اور روح ہی نہیں ہے کہ مجرد اخلاقیات اور روحانیات سے اس کے لئے پورا نظامِ زندگی بنایا جاسکے۔

کھلی ہوئی بات :- اب یہ ایک کھلی ہوئی بات ہو کر اگر آپ اپنی زندگی کے کسی مسئلے کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آپ خود دین لگا کر صرف اسی ایک مسئلے پر اپنی نظر کو محدود کر کے دیکھیں یا اس خاص شعبہ حیات کے لئے جس سے وہ مسئلہ تعلق رکھتا ہے، ایک قسم کا تعصب لئے ہوئے پورے مجموعہ حیات پر نظر ڈالیں لیکن صحیح فہم و ادراک کیلئے آپ کو پورے مجموعے کے اندر دیکھ کر

اسے دیکھنا ہوگا اور غیر متعصبانہ نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے توازن میں کوئی بگاڑ پائیں اور اس کو درست کرتا چاہیں تو یہ اور بھی زیادہ خطرناک ہوگا کہ آپ کسی ایک مسئلہ زندگی کو کل مسئلہ زندگی قرار دیکر سامنے کا ریتانے کو اسی ایک پتھر سے گے گرد گھمائیں۔ اس حرکت سے تو آپ اور زیادہ عدم توازن پیدا کر دیں گے۔ صحیح طریقہ اصلاح یہ ہے کہ غیر متعصبانہ نگاہ سے پورے نظام زندگی کو اس کے بنیادی فلسفے و سلیکیشنوں کی تفصیلات تک دیکھئے اور تحقیق کیجئے کہ ذہنی کس جگہ اور کس نوعیت کی ہے۔

صحیح حل، شرط اول:۔ انسان کے معاشی مسئلے کو سمجھنے اور صحیح طور پر حل کرنے میں جو مشکل پیش آرہی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس مسئلہ کو بعض لوگ صرف معاشیات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض اس کی اہمیت میں مبالغہ کر کے اسے کل مسئلہ زندگی قرار دے رہے ہیں اور بعض اس سے بھی تجاوز کر کے زندگی کا بنیادی فلسفہ اور اخلاق اور تمدن و معاشرت کا سارا نظام معاشی بنیاد ہی پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

سیدھا اور سادہ طریقہ:۔ اب اگر ہم اصطلاحی اور فنی پیچیدگیوں سے بچ کر ایک سیدھے سادے طریقہ سے دیکھیں تو انسان کا معاشی مسئلہ ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ تمدن کی رفتار ترقی کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح تمام انسانوں کو ان کی ضروریات زندگی ہم پہنچنے کا انتظام ہو۔ اور کس طرح سوسائٹی میں ہر شخص کو اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشوونما دینے اور اپنے کمال لائق یک پہنچنے کے مواقع حاصل رہیں؟

تمدن کی پیدائش کے ساتھ چند چیزیں ناگزیر بنتیں:

ایک یہ کہ انسان کی ضروریات زندگی بڑھیں اور ہر شخص خود اپنی تمام ضروریات فراہم نہ کر سکے

بلکہ اس کی کچھ ضروریات دوسروں سے اور دوسروں کی اس سے متعلق ہوں۔

دوسرے یہ کہ ضروریات زندگی کا مبادلہ عمل میں آئے اور اور رفتہ رفتہ مبادلہ کا ایک

مقرر ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اشیائے ضرورت تیار کرنے کے آلات اور محل و نقل کے وسائل میں اضافہ ہوا اور جتنی نئی چیزیں انسان کے علم میں آئیں ان سب سے فائدہ اٹھاتا چلا جائے۔

چوتھے یہ کہ آدمی کو اس امر کا اطمینان حاصل ہو کہ وہ چیزیں جن کو اُس نے خود اپنی محنت سے حاصل کیا ہے، وہ آلات جن سے وہ کام کرتا ہے، وہ زمین جس پر اس نے گھر بنایا ہے، وہ جگہ جس میں وہ اپنے پیشیہ کا کام کرتا ہے، یہ سب اسی کے قبضے میں رہیں گی اور اس کے بعد ان لوگوں کی طرف منتقل ہوں گی جو دوسروں کی نسبت اس سے قریب تر ہیں۔

اس طرح مختلف پیشوں کا پیدا ہونا، خرید و فروخت اشیاء کی قیمتوں کا تعین اور روپے کا معیار قیمت کی حیثیت سے جاری ہونا، بین الاقوامی لین دین اور درآمد و برآمد تک نوبت پہنچنا اور نئے نئے آلات و وسائل پیدا ہونے کا استعمال میں آنا، حقوق ملکیت اور وراثت کا وجود میں آنا، یہ سب عین مقصدائے فطرت تھا اور ان میں سے بھی کوئی چیز گناہ نہ تھی کہ اب اس سے توبہ کر سکی ضرورت ہو۔

مزید برآں تمدن کے نشوونما کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ:-

(۱) مختلف انسانوں کی قوتوں اور قابلیتوں کے درمیان جو فرق خود فطرت نے لکھا تھا اس کی وجہ سے بعض انسانوں کو اپنی اصل ضرورت سے زیادہ کمانے کا موقع مل جائے اور بعض اپنی ضرورت مطابق، اور بعض اس سے کم کمائیں۔

(۲) وراثت کے ذریعہ سے بھی بعض کو زندگی کا آغاز کرنے کیلئے اچھے وسائل مل جائیں اور بعض کم وسائل کے ساتھ اور بعض بے وسیلہ کارزار حیات میں قدم رکھیں۔

(۳) قدرتی اسباب سے بھی ہر آبادی میں ایسے لوگ موجود رہیں جو کسب معاش کے کام میں حصہ لیتے

اور اسباب زندگی کے مبادلہ میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں مثلاً تھکے ہوئے، بیمار، معذور وغیرہ۔

(۴) بعض انسان خدمت لینے والے اور بعض خدمت انجام دینے والے ہوں اور اس طرح

آزادانہ صنعت و تجارت اور زراعت کے علاوہ نوکری اور مزدوری کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں۔

یہ سب بھی بجائے خود انسانی تمدن کے فطری مظاہر اور قدرتی پہلو ہیں۔ ان صورتوں کا ردنا

ہونا بھی اپنی جگہ کوئی بُرائی یا گناہ نہیں ہے کہ ان کے استیصال کی فکر کی جائے تمدن کی خرابی کو

دوسرے اسباب جو بُرائیاں پیدا ہوئی ہیں ان کے اصل سبب کو نہ پا کر بہت سے لوگ

گھبراٹھے ہیں اور کبھی شخصی ملکیت کو، کبھی روپے کو، کبھی مشین کو، کبھی انسان کی فطری

نامساوات کو، اور کبھی خود تمدن ہی کو کو سنے لگتے ہیں لیکن درحقیقت یہ غلط تشخیص اور

غلط تجویز علاج ہے۔ انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشوونما ہوتا ہے اور اس

نشوونما سے فطرتاً جو صورتیں رونما ہوتی ہیں ان کو روکنے کی ہر کوشش نادانی ہے اور اس کا نتیجہ میں

فلاح کی بجائے تباہی و نقصان کا زیادہ امکان ہے۔ انسان کا اصل معاشی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ

تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے، اس کے قدرتی مظاہر کو کس طرح بدلا جائے بلکہ اصل مسئلہ

یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم و

بے انصافی کو کیسے روکا جائے اور فطرت کا یہ منشا، کہ ہر مخلوق کو اس کا رزق پہنچے،

کیونکر پورا کیا جائے، اور ان رکاوٹوں کو کس طرح دور کیا جائے جن کی بدولت بہت سے

انسانوں کی قوتیں اور قابلیتیں محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ خرابی کے اصل اسباب کیا ہیں اور خرابی کی نوعیت کیا ہے۔

خرابی کا نقطہ آغاز نظام معیشت کی خرابی کا نقطہ آغاز غرضی کا حد اعتدال سے بڑھ جانا ہے

پھر دوسرے ردائل اخلاق اور ایک فاسد نظام سیاست کی مدد سے یہ خیرِ چھٹی

اوپر چلتی ہے یہاں تک کہ پورے معاشی انتظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہر ملا کر پھیلا دیتی ہے۔ ابھی میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ شخصی ملکیت، اور بعض انسانوں کا بعض کی نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا یہ دونوں عین فطرت کے مقتضیات تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اگر انسان کے تمام اخلاقی صفات کو توازن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور اگر خارج میں بھی ایک ایسا نظام سیاست موجود ہوتا جو زور و قوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو ان سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب کے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خود غرضی، تنگ نظری، بلانڈیشی، بخل، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شیطان نے انہیں نیچھایا کہ تمہاری اصلی ضرورت سے زیادہ وسائل معیشت تمہیں ملتے ہیں اور جن پر تمہیں حقوق مالکانہ حاصل ہیں، ان کے صحیح و معقول مصرف صرف دو ہیں: ایک یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کیلئے استعمال کرو اور دین پر سے تو انہیں کے ذریعہ سے انسانوں کے خدا اور ان کا تا بھی بن جاؤ۔

مسائل و محروم کا حق۔ یہ پہلے شیانِ انسانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں نے جماعت کے ان افراد کو حق ماننے سے انکار کر دیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں یا اپنی اصلی ضرورت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بالکل جائز سمجھا کہ ان لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ جہالی میں چھوڑ دیا جائے۔ ان کی تنگ نظری نے یہ نہ دیکھا کہ اس رویہ کی وجہ سے انسانی جماعت کے بہت سے افراد جرائم پیشہ بنتے ہیں، جہالت اور دانستہ اخلاق میں مبتلا ہوتے ہیں جسمانی کمزوری اور امراض کا شکار ہوتے ہیں، ان کی ذہنی اور جسمانی قوتیں نشوونما پانے اور انسانی تمدن و تہذیب کے ارتقا میں اپنا حصہ ادا کرنے سے سہ جاتی ہیں، اور اس سے وہ سوسائٹی بحیثیت مجموعی نقصان اٹھاتی ہے جس کے وہ خود بھی ایک جز ہیں۔ اسی پر یہ نہیں بلکہ ان دولت مندوں نے اپنی اصلی ضروریات پر بے شمار اور

ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو جن کی قابلیتیں تمدن و تہذیب کی بہتر خدمت کیلئے استعمال ہو سکتی تھیں اپنے نفس بھری کی خود ساختہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں استعمال کرنا شروع کیا۔ یہ تو شیطانی سہنائی کے ایک حصے کا نتیجہ تھا۔ دوسری رہنمائی کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلے، یہ اصول کہ اپنی اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت کسی انسان کے قبضہ میں آگئے ہوں ان کو وہ جمیع کرتا جائے اور پھر صرف مزید وسائل معیشت حاصل کر نیکی لئے استعمال کرے۔

زائد ضرورت وسائل معیشت کو مزید وسائل قبضہ میں لانے کے لئے استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان وسائل کو سود پر قرض دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انہیں تجارتی اور صنعتی کاموں میں لگایا جائے۔

یہ دونوں طریقے اپنی نوعیت میں کچھ ایک دوسرے مختلف ضروری ہیں لیکن دونوں کے مشترک عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک وہ قلیل طبقہ جو اپنی ضرورت زیادہ وسائل معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید وسائل کھینچنے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ دوسرا وہ کثیر طبقہ جو اپنی ضرورت کے مطابق، یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا بالکل نہیں رکھتا۔ ان دونوں طبقوں کے مفاد نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ لامحالہ ان کے درمیان کشمکش اور نزاع برپا ہوتی ہے، اور یوں انسان کا معاشی نظام جس کو فطرت نے مبادلہ پر قائم کیا تھا، محاربہ پر قائم ہو کر رہ جاتا ہے۔

محاربہ کا نتیجہ۔ پھر یہ محاربہ جتنا برھتا جاتا ہے، مالدار طبقہ تعداد میں کم اور نادار طبقہ زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس محاربہ کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ جو زیادہ مالدار ہے وہ اپنا مال کم زور سے کم مالدار لوگوں کے وسائل بھی کھینچ لیتا ہے اور اسے نادار طبقہ میں دھکیل دیتا ہے اس طرح زمین کے اسباب معاش روز بروز کم اور کم تر حصہ آبادی کے پاس سمٹتے چلے جاتے ہیں اور روز بروز

زیادہ اور زیادہ حصہ آبادی مفلس یا مالداروں کا دست نگر ہوتا جاتا ہے۔

تصادم کی وسعت :- ابتداً یہ محاربتھوٹے پیمانے پر شروع ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے یہ ملکوں اور قوموں تک پھیلتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر کھینچ لیتی ہے۔ زمین ہی کی صدا لگتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں تک ملک کا عام دستور یہ بد جاتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مال ہو وہ اپنے فاضل مال کو نفع اور کاموں میں لگا دیں اور یہ دولت اشیا ضرورت کی تیاری پر صرف ہو، تو انکی لگائی ہوئی پوری رقم کا فائدہ سمیت وصول ہونا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ جس قدر اشیا ملک میں تیار ہوتی ہیں وہ سب کی سب اس ملک میں خریدنی جائیں مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور حقیقت ہونہیں سکتا کیونکہ ضرورت سے کم مال رکھنے والوں کی قوت خریداری کم ہوتی اس لئے وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود ان چیزوں کو خرید نہیں سکتے، اور ضرورت سے زیادہ مال رکھنے والے اس فکر میں ہوتے ہیں کہ جتنی آبرنی ہو اس میں سے پھر ایک حصہ پلانداز کر کے نفع اور کاموں میں لگائیں، اس لئے وہ اپنا سبب مال خریداری پر صرف نہیں کرتے۔ اس طرح لازمی طور پر تیار کردہ مال کا ایک حصہ فروخت ہوئے بغیر رہ جاتا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مالداروں کی لگائی ہوئی رقم کا ایک حصہ بازیافت ہوئے سے رہ گیا اور یہ رقم ملک کی حرفت کے ذمہ قرض رہا یہ صرف ایک پیکر کا حال ہے اب آپا اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے پیکر ہوں گے ان میں سے ہر ایک میں مالدار طبقہ اپنی حاصل شدہ آمدنی کا ایک حصہ پھر نفع اور کاموں میں لگاتا چلا جائے گا، اور جو قیس بازیافت ہونے سے رہ جاتی ہیں ان کی مقدار ہر حکم میں بڑھتی چلی جائے گی اور ملک کی حرفت پر ایسے قرض کا بار اضافہ مضاعف ہوتا چلا جائے گا جس کو وہ خود ملک کھینچا دے نہیں کر سکتا اس طرح ایک ملک کو دیوالیہ بن کا جو خطرہ لاحق ہوتا ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ جتنا مال ملک میں فروخت ہونے سے رہ جائے اسے بیرونی ممالک میں لے جا کر فروخت کیا جائے یعنی دوسرے ملک تلاش کئے جائیں جن کی طرف یہ ملک اپنے

دیوالیہ پن کی آفت کو مستقل کر سکیں۔

یوں یہ محاربہ ملکی حدود سے گذر کر بین الاقوامی دائرے میں قدم رکھتا ہے اب یہ نظا ہر ہو کہ کوئی ایک ملک ہی ایسا نہیں ہے جو اس شیطانی نظام معیشت پر چل رہا ہو بلکہ دنیا کے اکثر ممالک کا یہی حال ہو کہ وہ اپنے آپ کو دیوالیہ پن سے بچانے کیلئے، یا بالفاظ دیگر اپنے دیوالیہ پن کو کسی اور ملک پر ڈال دینے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ اس طرح بین الاقوامی ساقبت شروع ہو جاتی ہو اور وہ چند صورتیں اختیار کرتی ہے۔

عام آبادی کا حصہ سروساواں ملک بین الاقوامی بازار میں نکال دینا یہ بھیجے کی کوشش کرتا ہو کہ کم سے کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ مال تیار کرے۔ اس غرض سے کارکنوں کے معاوضے کم رکھے جاتے ہیں اور معاشی کاروبار میں ملک کی عام آبادی اتنا کم حصہ پاتی ہو کہ اسکی اصل ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں انجام جنگ، بٹائیہ ہر ملک پر محدود ہیں اور اپنے حلقہ اثر میں دوسرے ملک مال آنے پر بندشیں عائد کرتا ہے، اور خام پیداوار کے جتنے وسائل اس کے زیر اختیار ہیں ان پر بھی پیرہٹیاں تاحی تاکہ دوسرا ملک اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس میں بین الاقوامی کشمکش پیدا ہوتی ہے جس کا انجام جنگ پر ہوتا ہے۔

معاشی لوٹ: مثلاً ایسے ملک جو اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو اپنے سر چیبے جانے سے روک نہیں سکتے ان پر یہ لٹیرے لوٹ بڑھتے ہیں اور صرف اپنے ملک کے بچے کچے مال ہی کو ان میں فروخت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس دولت کو خود اپنے ہاں نفع آور کام پر لگانے کی گنجائش نہیں ہوتی اسے بھی ان ممالک میں لاکر لگاتے ہیں اس طرح آئیر کاران ممالک میں بھی وہی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے جو ابتداً خود روپیہ لگانے والے ملکوں میں ہوا تھا۔

معاشی غلامی: یہ اس عالمگیر محاربہ میں بکروں، اڑھتوں، اد صنعت و تجارت کے ریسو نیکی ایک مٹھی بھر جوہر تامہ دنیا کے معاشی اسباب و وسائل پر اس طرح حاوی ہو گئی ہے کہ ساری

نوع انسانی ان کے مقابلے میں بالکل بے بس ہے اب کسی شخص کے لئے قریب قریب یہ نامکن ہو گیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور اپنے دماغ کی قابلیت سے کوئی آزادانہ کام کر سکے اور خدا کی زمین پر جو اسباب زندگی موجود ہیں ان میں سے خود کو کوئی حصہ حاصل کر سکے۔ چھوٹے تاجر، چھوٹے صنعتکار، چھوٹے زراعت پیشہ کے لئے آج دنیا کے عرصہ حیات میں ہاتھ پاؤں مارنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ سب سب مجبور ہیں کہ معاشی کاروبار کے ان بادشاہوں کے غلام اور لوکاراؤ مزدور بن کر رہیں، اور یہ لوگ کم سے کم سامان زریعت کے معاوضے میں ان کے جسم و دماغ کی ساری قوتیں اور ان کا سارا وقت لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے پوری نوع انسانی بس ایک معاشی حیوان بن کر رہ گئی ہے بہت کم خوش قسمت انسانوں کو اس معاشی کشمکش سے اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے اخلاقی عقلی، روحانی ارتقاء کے لئے بھی کچھ کر سکیں اور پیٹ بھر نئے سے یا لاتر ترقی کسی مقصد کی طرف توجہ کر سکیں اور اپنی شخصیت کے ان عناصر کو بھی نشوونادے سکیں جو تلاش و تلاش کے سوا دوسری پاکیزہ تر اغراض کے لئے فطرت اللہ نے انکے اندر ودیعت کئے تھے۔ درحقیقت اس شیطانی نظام کی بدولت معاشی کشمکش اس قدر سخت ہو جاتی ہے کہ زندگی کے تمام دوسرے شعبے اس سے ماؤن و مضطرب ہو جاتے ہیں۔

انسان کی مزید بے بسی یہ ہے کہ دنیا کے اخلاقی فلسفے، سیاسی نظامات اور قانونی اصول بھی اس شیطانی نظام معیشت سے متاثر ہو گئے۔ رہی سیاسی طاقت تو وہ عملاً بالکل ہی اس شیطانی نظام کے قبضہ میں آچکی ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ اس ظلم سے انسان کو بچائے ظلم کا آئہ کار بنی ہوئی ہے، اور ہر طرف حکومت کی گدیوں پر شیطان کے ایجنٹ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے قوانین بھی اس نظام کے زیر اثر مرتب ہو رہے ہیں۔ ان قوانین نے عملاً افراد کو پوری آزادی دیدی ہے کہ جس طرح چاہیں جماعت کے مفاد کے خلاف اپنے معاشی اغراض کے لئے جدوجہد کریں

روپیہ کمانے کے طریق میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے، ہر دو طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کر کے مالدار بن سکتا ہو، قانون کی نظر میں جائز ہے، شراب بنائے اور بیچے۔ بد اخلاقی کے ادسے قائم کیجئے، شہوانی فلم بنائے فحش مضامین لکھئے، جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں شائع کیجئے، سٹے کا کاروبار پھیلانے۔ سود خوری کے ادارے قائم کیجئے۔ قمار بازی کی نئی نئی صورتیں نکالنے، غرض جو چاہے کیجئے، قانون نہ صرف آپ کو اس کی اجازت دیکے، بلکہ انہی آپ کے حقوق کی حفاظت کرے گا پھر جو دولت اس طریقہ سے سمٹ کر ایک شخص کے پاس جمع ہو جائے قانون یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ سمٹی رہے۔ چنانچہ اولاد ابر کئے ارث ہونے کا طریقہ اور بعض قوانین میں بنتی بنا لیا

طریقہ اور مشترک خاندان کا طریقہ
ان سب کی یہی غرض ہے
کہ خزانے کا ایک سامان جب مرے تو دوسرا سامان میں پڑھادیا جائے، اور اگر یہ قسمتی ہو اس سامان پر کوئی سپولیا نہ چھوڑا ہو تو کہیں اور سے ایک سپولیا حاصل کیا جائے تاکہ دولت کے اس سمانوں میں فرق نہ آنے پائے۔

یہ اسباب ہیں جن سے نوع انسان کیلئے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ خدا کی اس زمین پر شخص کو سامان زیت بہم پہنچے گا انتظام کس طرح کیا جائے اور ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشوونما دینے کے مواقع کیسے ملیں۔

اشتراک کے بعض ناقص پہلو جو اس مسئلے کے حل کی ایک صورت اشتراکیت نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملک بنا دیئے جائیں اور ضروریات زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے سپرد ہو۔ انظار یہ حل بہت حقول نظر آتا ہے لیکن اس کے عملی پہلوؤں پر آپ جس قدر غور کریں گے اسی قدر آپ پر اس کے ناقص کھیلنے چلنے پھرنے

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ وسائل پیدا کرنا سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کا انتظام خواہ نظری طور پر پوری جماعت کے حوالے کر دیا جائے، مگر عملاً یہ کام ایک مختصر سی مہلت انتظامیہ ہی کے سپرد کرنا ہوگا۔ یہ مختصر گروہ ابتداء جماعت ہی کا منتخب گروہ ہے لیکن جب تمام ذرائع معاش اس کے قبضہ میں ہوں گے اور اس کے ہاتھوں سے لوگوں تک پہنچ سکیں گے، تو تمام آبادی اس کی مٹھی میں بے بس ہوگی، اس کی رضا کے خلاف ملک میں کوئی دم تک نہ مار سکے گا، اس کے مقابلے میں کوئی ایسی منظم طاقت اٹھ رہی نہ سکے گی جو اس کو بخوبی یا بآسانی منسوب اقتدار سے ہٹا سکے اس کی نظر کسی سے پھر جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ بندہ عاصی اس سرزمین میں زندگی بسر کرنے کے تمام وسائل سے محروم ہو جائے کیونکہ سارے وسائل پر اس مختصر گروہ کا تسلط ہوگا مزدوری میں اتنا یا زیادہ ہوگا کہ اس کے انتظام سے ناراض ہو تو اسٹرٹک کر دے کیونکہ وہاں بہت سے کارخانہ دار ہوں گے کہ ایک کے در سے اٹھے تو دوسرے کے دروازے پر چڑھا جائے، بلکہ سارے ملک میں کیڑی کارخانہ دار ہوگا، اور وہی حکمران بھی ہوگا، اور اس کے خلاف کسی لئے عام کی ہمدردی بھی حاصل نہ کی جاسکے گی اس طرح یہ صورت جس نتیجہ پر جا کر ختم ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ تمام سرمایہ داروں کو کھاکر ایک بڑا سرمایہ دار، تمام کارخانہ داروں اور زمینداروں کو کھاکر ایک بڑا کارخانہ دار و زمیندار لوگوں پر تسلط ہو جائے، اور وہی بیک وقت زار اور قیصر بھی ہو۔

شخصیت کا نشو و نما:۔ اول تو یہ اقتدار، اور ایسا مطلق اقتدار وہ چیز ہے جس کے نشہ میں بہک کر ظالم و جاہل بننے سے رُک جانا انسان کیلئے بہت مشکل ہے، خصوصاً جبکہ وہ اپنے سے مافوق کسی اقتدار اور اس کے سامنے جوابدہی کا اعتقاد بھی نہ رکھتا ہو تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسے اقتدار مطلق پر قابض ہونے کے بعد بھی یہ مختصر گروہ اپنے سچے ہر نہ ہو گا یا وہ عدل و انصاف ہی کے ساتھ کام کرے گا۔ تب بھی ایسے لیک نظم میں افراد کے لئے اپنی شخصیت کو

نشوونما دینے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ انسانی شخصیت اپنے ارتقاء کے لئے سب سے بڑھ کر جس چیز کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ اسے آزادی حاصل ہو، کچھ وسائل کا اس کے لینے ہاتھ میں ہوں جنہیں وہ اپنے اختیار سے استعمال کر سکے اور ان وسائل پر اپنے رجحان کے مطابق کام کر کے اپنی محنتی قوتوں کو ابھارے اور چمکائے مگر اشتراکی نظام میں اس کا کوئی امکان نہیں اس میں مسائل افراد کے اختیار میں نہیں رہتے بلکہ جماعت کی ہدایت و انتظامیہ کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں، اور وہ ہیئت انتظامیہ جماعتی مفاد کا جو تصور رکھتی ہے اس کے مطابق ان وسائل کو استعمال کرتی ہے افراد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اگر وہ ان وسائل سے استفادہ کرنا چاہیں تو اس نقشہ کے مطابق کام کریں، بلکہ اسی نقشہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے جاتے کیلئے ان منتظمین کے پرکردہ جو انہوں نے جماعتی مفاد کے لئے تجویز کیا ہے۔ یہ چیز عموماً سوسائٹی کے تمام افراد کو چند انسانوں کے قبضہ میں اس طرح دے دی جاتی ہے کہ گویا وہ سیپے ریش مواد ختام ہیں، اور جیسے پیرٹے کے جوتے اور لوسٹہ کے پرکوسے بنائے جاتے ہیں اس طرح وہ چند انسان محض ہیں کہ ان بہت سے انسانوں کے اپنے نقشہ کے مطابق ڈھالیں اور بنائیں۔

اشتراکیت کی بنیادی غلطی اشتراکیت کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ معاش کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ قرار دے کر پوری انسانی زندگی کو اس کے گرد گھماتتی ہے زندگی کے کسی مسئلہ پر بھی اس کی نظر محض تحقیق نظر نہیں ہے بلکہ سارے مسائل کو وہ ایک گہرے معاشی تعصب کی نگاہ سے دیکھتی ہے مابعد الطبیعیات، اخلاق، تاریخ، سائنس، علوم، عمران، غرض ہر چیز اس کے دائرہ میں معاشی نقطہ نظر سے مغلوب متاثر ہے اور اس یک رخ پن کی وجہ زندگی کا پورا توازن بگڑ جاتا ہے۔

فاشزم و پس در حقیقت اشتراکی نظریہ ان کے معاشی مسئلہ کا کوئی صحیح فطری حل نہیں ہے

بلکہ ایک غیر فطری مصنوعی حل ہے اس کے مقابلہ میں دوسرا حل فاشنزم انٹیلی سوشلزم نے پیش کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ وسائل معیشت شخصی تصرف تو باقی رہے مگر جماعتی مفاد کی خاطر اس تصرف کو ریاست کے مضبوط کنٹرول میں رکھا جاوے لیکن عملاً اس کے نتائج بھی انٹر کی نظریہ کے نتائج سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتے اشتراکیت کی طرح یہ نظریہ بھی فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے اور اس کی شخصیت کے آزادانہ نشوونما کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑتا۔ مزید برآں جو ریاست اس شخصی تصرف کو قابو میں رکھتی ہے وہ اتنی ہی مستبد اور جابر و قاہر ہوتی ہے جتنی اشتراکی ریاست ایک بڑے ملک کی تمام حرفت کو اپنے پنجہ اقتدار میں لکھنے اور اپنے دئے ہوئے نقشہ پر کام کرنے کے لئے مجبور کرنا بڑی زبردست قوت قاہرہ چاہتا ہے اور جس ریاست کے ہاتھ میں ایسی قاہرانہ طاقت ہو اس کے ہاتھ میں ملک کی آبادی کا بے بس ہو جانا اور حکمرانوں کا غلام بن کر رہنا بالکل یقینی ہے اسلامی حل : ملین آپ کے سامنے یہ بیان کروں گا کہ اسلام کس طرح اس مسئلہ کو حل کرتا ہے۔

بنیادی اصول : اسلام نے تمام مسائل حیات میں سقاعہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ زندگی کے ہر اصول فطری ہیں اُن کو جو حوں کا توں برقرار رکھا جائے اور فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے وہیں سے اس کو موڑ کر فطرت کے راستے پر ڈال دیا جائے دوسرا ہم قاعدہ جس پر اسلام کی تمام اجتماعی اصلاحات مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ صرف حاجی طور پر نظام تمدن میں چند عناصر بطے جاری کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ سب سے زیادہ زور اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر صرف کیا جائے تاکہ نفس انسانی میں خرابی کی جڑ ہی کٹ جائے۔

اسلامی قاعدہ جس کا نشان آپ کو تمام اسلامی نظام شریعت میں ملے گا۔ یہ ہے کہ حکومت کے ہر اور قانون کے زور سے صرف وہیں کام لیا جائے جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔ ان تین قاعدوں کو ملحوظ رکھ کر اسلام زندگی کے معاشی شعبہ میں ان تمام فطری اصولوں کو تسلیم کرتا ہے جن پر ہمیشہ

انسانی معیشت کی بنیاد قائم رہی ہے، اور صرف ان غلط اصولوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاقی اصلاح اور کم سے کم حکومتی مداخلت کے ذریعہ سے مٹاتا ہے جو شیطانی اثر و نشان اختیار کئے ہیں۔ یہ امر کہ انسان اپنی معاش کے لئے جدوجہد کرنے میں آزاد ہو، یہ بات کہ آدمی اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرے اس پر اسے حقوق مالکانہ حاصل ہوں، اور یہ کہ انسانوں کے درمیان ان کی قابلیتوں اور ان کے حالات کے لحاظ سے فرق و تفاوت ہو، ان سب چیزوں کو اسلام اس حد تک تسلیم کرتا ہے جس حد تک یہ منشاء فطرت کے مطابق ہیں۔ پھر وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو انہیں حد فطرت سے متجاوز اور ظلم و بے انصافی کا موجب نہ بننے دیں۔

پیدائش دولت۔ سب سے پہلے دولت کمانے کے سوال کو لیجئے۔ اسلام انسان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ خدائی زمین میں وہ خود اپنی طبیعت کے رُحمان اور اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق خود اپنی زندگی کا سامان تلاش کرے۔ لیکن وہ اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی معاش حاصل کرنے کے لئے اخلاق کو خراب کرنے والے یا تمدن کے نظام کو بگاڑنے والے ذرائع اختیار کرے۔ وہ کسب معاش کے ذرائع میں حلال اور حرام کی تمیز قائم کرتا ہے، اور نہایت تفصیل کے ساتھ جن چیزوں کو ایک ایک نقصان رساں طریقہ کو حرام کر دیتا ہے، اس کے قانون میں شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں اور فحش اور بد اخلاقی پھیلانے والی چیزیں نہ صرف بجائے خود حرام ہیں بلکہ ان کا بنانا بیچنا، خریدنا، رکھنا سب حرام ہے، وہ زنا، اور رقص و سرود اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع کو بھی جائز ذرائع کسب معاش تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ایسے تمام وسائل معیشت کو بھی ناجائز ٹھہراتا ہے جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے لوگوں کے یا سوسائٹی کے نقصان پر مبنی ہو۔ رشوت، چوری، ہجو، اور سٹہ، دھوکے اور فریب کے کاروبار، اشیاء ضرورت کو

اس غرض سے روکے کھنا کہ قیمتیں گراں ہوں، معاشی وسائل کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا اجارہ قرار دینا کہ دوسروں کے لئے جدوجہد کا دائرہ تنگ ہو، ان سب طریقوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے نیز کاروبار کی ایسی تمام شکلوں کو اس نے چھانٹ چھانٹ کر ناجائز قرار دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع پیدا کرنے والی ہوں یا جنہیں نفع و نقصان بالکل اتفاق پر مبنی ہو۔ یا جن میں فریقین کے درمیان حقوق کا تعین نہ ہو اگر آپ اسلام کے اس تجارتی قانون کا تفصیلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج جن طریقوں سے لوگ کرڈپتی اور رب پتی بنتے ہیں، ان میں سے بیشتر طریقے وہ ہیں جن پر اسلام سخت قانونی تہذیبیں عائد کر دی ہیں۔ وہ جن وسائل کسبِ معاش کو جائز ٹھہراتا ہے ان کے دائرے میں محدود درجہ کام کیا جائے تو اشخاص کے لئے بے اندازہ دولت سمیٹے چلے جانا بہت کم امکان ہے۔

اب دیکھئے جائز ذرائع سے جو کچھ انسان حاصل کرے اُس پر اسلام اس شخص کے حقوقِ ملکیت تسلیم کرتا ہے مگر اس کے استعمال میں سے بالکل آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر متعدد طریقوں سے پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کمائی ہوئی دولت کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا اُس کو خرچ کیا جائے۔ یا اُسے مزید نفع اور کاموں پر لگایا جائے۔ یا اُسے جمع کیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک پر جو پابندیاں اسلام نے عائد کی ہیں ان کی مختصر کیفیت میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

صرف دولت: خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں آپ جوئے میں اپنی دولت نہیں اڑا سکتے آپ شراب نہیں پی سکتے آپ زنا نہیں کر سکتے آپ گانے بجانے اور ناچ رنگ اور

عیاشی کی دوسری صورتوں میں اپنا روپیہ نہیں بہا سکتے آپ لیشمی لباس نہیں پہن سکتے۔ آپ سونے اور جواہرات کے زیورات استعمال نہیں کر سکتے۔ آپ تصویروں سے اپنی دیواروں کو مزین نہیں کر سکتے۔ غرض یہ کہ اسلام نے اُن تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصہ اُس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا ہے۔ وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اُس قسم کی ہیں کہ آدمی پس ایک وسیلہ درجہ کی شستہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرے۔ اور اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہو تو اسے خرچ کرنے کا راستہ اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اسے نیکی اور خیر کی کاموں میں، رفاہ عام میں اور ان لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں اسلام کے نزدیک آئیڈیل یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اسے

اسے اپنی جائز اور معتدل ضرورتوں پر خرچ کر دے، اور بچہ بھی جو بچ رہے اسے دوسروں کو دیے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔ اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئیڈیل کی حیثیت سے اس کو اتنے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کبھی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہوگا اجتماعی زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے جو کمائیں اور خرچ کر دیں اور ان لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا جو دولت کو سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں، یا کمائی ہوئی دولت کے بچے ہو جتھے کو بچہ کمانے کے کام میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

نظام قانون :- تاہم مجرد اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے سوسائٹی کے اخلاقی اثر اور دباؤ سے غیر معمولی حرص و طمع رکھنے والے لوگوں کی کمزوریوں کا بالکل استیصال نہیں کیا جاسکتا۔ اُس کے باوجود بچہ بھی بہت سے ایسے لوگ باقی رہیں گے

جو اپنی ضرورت سے زیادہ کمائی ہوئی دولت کو پھر مزید اہم از ضرورت دولت کمانے میں لگنا چاہیں گے، اس لئے اسلام نے اس کے استعمال کے طریقوں پر جید قانونی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اس سچی ہوئی دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے سود پر چلایا جائے، اسلامی قانون میں قطعی حرام ہے۔ آپ اگر کسی کو اپنا مال قرض دیتے ہیں تو خواہ اس نے وہ قرض اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنے کیلئے لیا ہو، یا وسیلہ معاش پیدا کرنے کے لئے، بہر حال آپ اسے صرف اپنا اصل مال واپس لینے کے حق دار ہیں۔ اس سے زائد ایک جتہ لینے کا حق بھی آپ کو نہیں پہنچتا۔ اس طرح اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کی کمر توڑ دیتا ہے اور اس سب سے بڑے ہتھیار کو کند کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ دار محض اپنے سرمایہ کے بل پر اس پاس کی معاشی دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے۔ یہاں فاضل دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے انسان خود اپنی تجارت یا صنعت و حرفت یا دوسرے کاروبار میں لگائے یا دوسروں کے ساتھ نفع و نقصان کا شریک ہو کر سرمایہ فراہم کرے تو اسلام اسے جائز رکھتا ہے اور اس سے جو زائد از ضرورت اشخاص کے پاس سمٹ جاتی ہے اس کا علاج دوسرے طریقوں سے کرتا ہے۔

سرمایہ محفوظ کا محصل: اسلام نے اہم از ضرورت دولت کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا، جیسا کہ ابھی میں کہہ چکا ہوں، اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ مال ہمارے پاس ہے یا تو اسے اپنی ضروریات خریدنے پر صرف کر دیا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات خریدیں اور اس طرح پوری دولت برابر گردش میں آتی رہے لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے ہی اصرار کرتے ہو تو ہمارے اس جمع کردہ دولت میں سے از روئے قانون ۲ فی صد سالانہ رقم نکلوا لی جائے گی اور اسے ان لوگوں کی اعانت پر صرف کیا جائے جو معاشی جھجھکیں

حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں، یا سعی و جہد کرنے کے باوجود اپنا پورا حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کے انتظام کی صورت جو اسلام نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ معاشی کفالت والا ہے جماعت کے مشترک اثاثے میں جمع کیا جائے اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل بن جائے جو مدد کے حاجت مند ہیں یہ دراصل سوسائٹی کیلئے انشورنس کی بہترین صورت ہے۔ اور ان تمام خرابیوں کا استیصال کرتی ہے جو اجتماعی ارباد و اعانت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں سرمایہ داری نظام میں جو چیز انسان کو دولت جمع کرنے اور اسے نفع اور کاموں میں لگانے پر مجبور کرتی ہے، اور جس کی وجہ سے لائف انشورنس وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی اس نظام میں اپنے ہی ذریعہ منہ بھر کر یوٹھ رہا ہو جائے اور کچھ بچا کر نہ رکھا ہو تو بھوکا مر جائے بال بچوں کیلئے کچھ چھوڑے بغیر مرنے تو وہ در بدر مار مار کر پھیر لی اور بھیک کا ٹکڑا لگنے پائیں بیمار ہو جائے اور کچھ بچا یا نہ رکھا ہو تو علاج نہ ملے کر اسکے گھر جل جائے، یا کاروبار میں نقصان ہو یا کوئی اور آفت ناگہانی آجائے تو کسی طرف سے سہارا ملنے کی امید نہیں اسی طرح سرمایہ داری نظام میں جو چیز سخت پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کا زخریہ غلام بن جانے، اور ان کی شرائط پر کام کرنے کیلئے مجبور کرتی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جو کچھ اسکی محنت کا معاوضہ ملتا ہے وہ اسے لینا اگر غریب آدمی قبول نہ کرے تو فاقہ کرے اور نہ کچھ بچے سرمایہ داری کی بخشش سے منہ موڑ کر اسے دو وقت کی روٹی بھی میسر آنی مشکل ہے پھر رعیت کبریٰ جو آج سرمایہ داری نظام کی بدولت دنیا پر مسلط ہے کہ ایک طرف لاکھوں کروڑوں انسان حاجت مند موجود ہیں۔ اور دوسری طرف زمین کی پیداوار اور کارخانوں کی مصنوعات کے انبار لگے ہوئے ہیں مگر خریدی نہیں جاسکتے حتیٰ کہ لاکھوں گھریلو سمندریں پھینکا جاتا ہے اور بھوکے انسانوں کے پیٹ پر نہیں پہنچتا اس کا سبب بھی یہی ہے کہ حاجت مند انسانوں تک رسائی معیشت پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ان

سب کے اندر قوت خریداری پیدا کر دی جائے، اور وہ اپنے حسب حاجت اشیاء خریدنے کے قابل ہو جائیں تو صنعت، تجارت، زراعت غرض ہر انسانی حرفت پھلتی پھولتی چلی جائے اسلام زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ سے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے بیت المال قوت آپ کی پشت پر ایک نگار کی حیثیت سے موجود ہے آپ کو فساد کی ضرورت نہیں جب آچا جتنے ہوں برائیاں جائیں اور اپنا حق لے آئے، بنگ بٹ پارٹا اور شور مچانیسی کی کیا ضرورت؟ آپ اپنے بال بچوں کو چھو کر باطمینان تمام دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں آپ کے پیچھے جماعت کا خزانہ ان کا گھنٹا ہی بجایا ہی چڑھا آفات اضعی سعاد ہی ہر صحت چال میں بیت المال دھمکی نہ گارہو جس کی طرف آپ جو عکر سکتے ہیں سرمایہ دار آپ کو جو بھروسہ نہیں کر سکتا آپ سی کی شرارت پر کام کرنا قبول کریں بیت المال کی موجودگی میں آپ کے لئے فاقہ اور بڑائی اور بے راہی کا کوئی خطرہ نہیں پھر یہ بیت المال سوسائٹی کے تمام ان لوگوں کو اشیاء ضرورت خریدنے کے قابل بنا دیتا ہے جو دولت پیدا کرنے کے بالکل نا قابل ہوں یا کم پیدا کر رہے ہوں اس طرح مال کی تیاری اور اس کی بچھٹ کا وزن ہم قائم رہتا ہے اور اس کی ضرورت قی نہیں ہوتی کہ آپ پڑو یا الیہ بن کو دنیا بھر کے سرچھپے کیسے دور تھے پھر لیوا آخر کار دوسرے تیاروں تک پہنچنے کی حاجت پیش آئے۔

تقسیم دولت: زکوٰۃ کے علاوہ دوسری تدبیر جو ایک جگہ سمٹی ہوئی دولت کو پھیلانے کیلئے اسلام نے اختیار کی ہے وہ قانون وراثت ہے اسلام کے سوا دوسرے قوانین تمدن کا جہان اس طرف ہی کہ جو دولت ایک شخص نے زندگی بھر کٹی ہوئی جمع کر کے اپنے مرنے کے بعد بھی سمٹی رہی مگر اسلام اس کے عکس طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں دولت کو ایک شخص سمیٹ سمیٹ کر قید کرتا رہا ہی، اسکے مرتے ہی وہ پھیلا دی جا اسلام کا قانون میں بیٹے بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، بھائی، بہن سب ایک شخص کے وارث ہیں اور ایک صابطہ کے مطابق سب پر میراث تقسیم ہونی ضروری ہے۔ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور پر کے رشتہ دار

تلاش کئے جائیں گے اور ان میں یہ دولت پھیلانی جائے گی کوئی رشتہ دار سرے سے موجود ہی نہو تب بھی آدمی کو تنہی ستانے کا حق نہیں ہے اس صورت میں اس کی وارث پوری جماعت ہے اس کی سیٹی ہونی تمام دولت بیت المال میں داخل کر دی جائے گی اس طرح خواہ کوئی شخص کروڑوں داروں کی دولت جمع کرے، اس کے مرنے کے بعد دو تین پتوں کے اندر وہ سب کی سب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جائیگی اور دولت کا ہر سٹاؤ بتدریج پھیلاؤ میں تبدیل ہو کر رہے گا۔

یہ نظام معیشت جس کا نہایت مختصر مبالغہ نہیں ہے پیش کیا ہے اس پر غور کیجئے کیا شخصی ملکیت کے ان تمام نقصانات کو دور نہیں کر دیتا جو شیطان کی غلط تعلیم کے سبب سے رونما ہوتے ہیں؟ پھر اس کی کیا حاجت ہے کہ ہم اشتراکی نظریہ یا فاشزم، سوشلزم، سوشلزم کے نظریات اختیار کر کے معاشی انتظام کے وہ مصنوعی طریقے اختیار کریں جو ایک خرابی کو دور نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ دوسری خرابی پیدا کر دیتے ہیں؟ یہاں میں نے اسلام کے پورے نظام معاشی کو بیان نہیں کیا ہے۔ زمین کے انتظام اور کاروباری نزاعات کے

تصفیہ و صفت و حرکت کے لئے سرمایہ کی فراہمی کی جو صورتیں اسلام کے اصول پر اختیار کی جاسکتی ہیں اور جن کے لئے قانون تمام میں پوری گنجائش رکھی گئی ہے انہیں بس مختصر مقالہ پیش کرنا مشکل ہے نیز احکام نے جس طرح درآمد و برآمد، محمولات اور اندرون ملک میں مولیٰ تجارت کی نقل و حرکت چنگی کی پابندی کو اڑا کر اشیاء و ضروریات کے آزاد مبادلہ کا راستہ کھولا ہے اس کا ذکر بھی میں نہیں کر سکا ہوں ان سب سے بڑھ کر مجھے یہ بیان کرنا سزاوارتھا کہ ملکی انتظام اور رسول مرسوس اور فوج کے مصارف کو انتہائی ممکن حد تک گھٹا کر اور عدالت سے اسٹامپ ڈیوٹی کا قطعی طور پر ہٹا کر اسلام نے سوسائٹی پر سے جس عظیم الٹ ان معاشی بوجھ کو ہٹا دیا ہے اور ٹیکسوں کو انتظام کی حد سے بڑھتے ہوئے مصارف میں

کھپا دینے کے بجائے سوسائٹی کی آسائش اور بہتری پر صرف ہونے کے جو مواقع پیدا کئے ہیں انکی بدولت اسلام کا معاشی نظام انسان کیلئے کتنی بڑی رحمت بن جاتا ہے اگر قصب چھوڑ دیا جائے اور آباد و اجلاسے جو جہلانہ تنگ نظری وراثت میں ملی ہو، یا غیر اسلامی نظامات کے دنیا پر غالب جائیسے جو مرعوبین غفلت چھا گئی ہوں اسے دور کر کے آزاد تحقیق کی نگاہ سے اس نظام کا مطالعہ کیا جائے تو اس واقعہ کو کہ ایک معقول منصف مزاج آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو انسانی معاشی فلاح کیلئے اس نظام کو سب سے زیادہ مفید و صحیح، فطری اور معقول تسلیم نہ کرے۔

کل کا جزو، لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ غلط فہمی ہو کہ اسلام کے پورے اعتقادی اخلاقی تمدنی مجموعہ میں سے صرف اس کچھ معاشی نظام کو لیکر کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے تو اس عرض کو روک کر کہو کہ وہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں اس معاشی نظام کا گہرا ربط اسلام کے سیاسی، عدالتی و قانونی و تمدنی و معاشرتی نظام کے ساتھ ہے۔ پھر ان سب چیزوں کی بنیاد اسلام کے نظام اخلاق پر قائم ہے اور وہ نظام اخلاق بھی اپنے آپ پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کا پورا انحصار اس پر ہے کہ آپ ایک عالم الغیب قادری مطلق خدا پر ایمان لائیں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جوابدہ سمجھیں موت کے بعد آخر کی زندگی کو مابین اور آخرت میں عدالت الہی کے سامنے اپنے پورے کارنامہ حیات کے جانچے جانے اور اس جانچ کے مطابق جزا و سزا پانے کا یقین رکھیں اور تسلیم کریں کہ خدا کی طرف سے محمد رسول اللہ نے جو ضابطہ اخلاق و قانون آپ تک پہنچایا ہے جس کا جزو یہ معاشی نظام بھی ہے وہ یکم و کاست خدا کی تعلیم پر مبنی ہے اگر اس عقیدہ اور اس نظام اخلاق اور اس پورے ضابطہ حیات کو آپ جوں جوں نہیں لیں گے تو نہ اسلامی نظام معاش ایک ن بھی اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ نہ چل سکے گا اور نہ اس آپ کو کوئی معتد بہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اسلامی قانون معیشت

اض

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

اسلامی قانون معیشت

اس کی روح اور اس کے اصول

(ماخوذ از ترجمۃ النذایب لغہ ابواب ابتغاء الرزاق)

معاشی تنظیم اور حکومت کا فرض ہے۔ جب کسی جگہ انسانوں کی اکثر تعداد سکونت پذیر ہو تو دوسرے قدرتی معاملات کے ساتھ ان کے معاشی امور کی تنظیم بھی ضروری ہوتی ہے۔ اور یہ دیکھنا حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ معاشی رجحانات غیر متوازن اور نامناسب بن جانے پائیں۔ ورنہ اگر باشندوں کی اکثریت مثلاً صنعت و حرفت اور ملکی نظم و نسق میں مشغول ہو جائے اور جانور یا کی پرورش، غلہ کی کاشت اور اشیاء خوردنی کی فراہمی محض چند لوگوں تک محدود رہ جائے تو ان کی دنیوی زندگی وہ بھر ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں نے کسبِ معاش کے لئے شراب کشید کرنے اور بت تراشی کا مشغلہ اختیار کر لیا تو عوام الناس میں خواہ مخواہ ان اشیاء کے معروف عام معاہدہ پھیل کر پھیلے اور ان کی اخلاقی زندگی برباد ہونے سے نہ بچ سکے گی لیکن اگر حکومت لوگوں کو اس طرح بے راہ رو نہ ہونے دے اور تمدن کی بہبودی اور ملکی معیشت کے مصالح کی پوری نگہداشت کر کے پیشوں اور حصولِ رزق کے ذرائع کو لوگوں پر توازن کے ساتھ تقسیم کر دے اور انہیں غریب اور ناجائز وسائل معاش اختیار کرنے سے روک دے تو جمہور کی زندگی نہایت آسائش اور سکون کے ساتھ گزرے گی۔

سرمایہ داری، فسادِ تمدن، زیادہ تر امراء کی نفس پرستیوں کا رہین منت ہوا کرتا ہے۔ وہ زندگی کی سادہ اور حقیقی ضروریات سے گذر کر دنیا کی رنگ لہیوں کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ عام لوگ ان کے ان

نفسانی میلانات کو دیکھ کر، اور انہی کو نفع بخش یا کر ان کی شہوات نفس کی تشکیں کے لئے طرح طرح کو طریقے ایجاد کرتے اور اپنی روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں ایک گروہ رکھوں کو قلعہ سرود کی تعلیم دینے کے لئے تربیت گاہ کھولتا ہے دوسرا رنگ برنگ کٹھنی خوشنما اور نقش لباس فاخرہ تیار کرتا ہے تیسرا حسین و لطیف زیورات کی صنعت اختیار کرتا ہے چوتھا اپنے اپنے خوبصورت ایوانات تعمیر کرنے میں متہمک ہو جاتا ہے۔ جب کسی بد قسمت ملک کی اکثریت ان وسائل معاش پر چھبک پڑتی ہے تو دوسرے اہم تر وسائل معیشت اور معیشت پر مشاغل تمدن متروک ہو کر رہ جاتے ہیں اور جو تھوڑے بہت بد نصیب یا بد پیشوں کو اختیار بھی کر لیں ان کی گردن ٹیکسوں کے بھاری بوجھ سے ناقابل برداشت حد تک بلی رہتی ہے کیونکہ ان امراء کو ان تمام لوازم عیش و عشرت کی فراہمی کے لئے بیشتر دولت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دولت اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتی جب تک کہ کاشتکاروں، تاجروں اور صنعتیوں کا پیٹ نہ کاٹا جائے نیز امراء اپنی قربانگاہ نفس کی نذر سے اتنی فرصت ہی نہیں پاتے کہ حقیقی مصالح ملک ملت پر ایک جہت خرچ کر سکیں یا نجی کام کا تمدن زمرے مفاسد کی بھینٹ چڑھنا شروع ہوتا ہے اور فساد بکلی کی سی تیزی کے ساتھ پوری قوم میں پھیل کر جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اڑیاں رگڑ رگڑ کر اور سسک سسک کر جان دے دیتی ہے۔ دیوبی عروج سے یوں ہاتھ دھوئی ہے تو اندری کھل کا پوچھنا ہی کیا۔

بعثت نبوی سے پہلے عجم کی سرمایہ دار میہی وہ مرض ہے جو ظہور اسلام کے وقت عجمی مالک پر مسلط تھا۔ لہذا خدا نے اپنے فرستادہ آخری روحانی طبیب کو اشارہ کیا کہ اس مرض نمرن کی جڑ کاٹ کر پھینک دے اس طبیب خادق نے مرض کی اچھی طرح تشخیص کر کے ان تمام منافذ کو بند کر دیا جن کے متعلق گمان غالب تھا کہ مرض کے جراثیم انہیں سے گذر کر پیکر انسانیت میں داخل ہوتے ہیں اور صرف سببی پہلو پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایسا ایک صالح نظام معیشت کی بنیاد بنایا جو خالص اصولِ فطرت پر مبنی تھا۔

معیشت کے فطری اصول و مبادی :- وہ فطری اصول و مبادی جن پر اسلامی قانون

معیشت کی بنا رکھی گئی ہے حسبِ قیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو زمین پر پیدا کر کے ان کی روزی کا سامان بھی اسی زمین میں فراہم کیا،

اور ان سب کے لئے زمین کے وسائل سے اکتسابِ رزق کو مباح کر دیا۔ پھر جب ان کے درمیان خود غرضانہ

مسابقت (————) اور باہمی تنازع (————) کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر فرد

یہ ان تھک کوشش کرنے لگا کہ دوسروں کو محروم کر کے خود زیادہ سے زیادہ وسائل معاش پر قابض ہو جائے

تو اللہ تعالیٰ نے ان مفسدہ عام کو دور کرنے کے لئے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص کسی جگہ پر پہلے قابض ہو جائے

یا کسی وسیلہ اکتسابِ رزق (————) کو پہلے حاصل کر لے تو اس سے نفع

اٹھانے کا حق ترجیح اس کو حاصل ہو اور دوسرے شخص اس حق سے اس کو محروم نہیں کر سکتا، تا وقتیکہ پہلا شخص

مباد لیا باہمی رضامندی سے اس کو واپس نہ لے لیا ہو۔ اسی چیز کا نام حق ملکیت ہے اور اس کا ماخذ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

من یحییٰ امرضا میتۃ فحی لہ۔ جس شخص نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہی اس کی ملکیت ہے۔

مردہ زمین سب مردہ ہے۔ اور اس کو زندہ کرنے سے مردہ کا رآمد بنانا ہے۔

حقیقی اور اضافی ملکیت: اس ارشاد نبوی کا فلسفہ وہی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی

ہر شئی کا مالک حقیقی تو خدا ہی ہے حقیقی ملکیت اس کے سوا کسی کو نہیں پہنچتی لیکن جب خدا نے

اپنے بندوں کو اپنی ملکیت سے عام انتفاع کی اجازت دے دی تو طبعاً ان میں نفسانیت اور لڑائی پیدا

ہوئی اس کے سبب اب کے لئے یہ حکم صادر کیا گیا کہ جس چیز پر ایک شخص پہلے پہل قابض ہو وہ اس کی ملک سمجھی

جائے گی۔ لہذا جب کوئی شخص کسی افتادہ اور غیر مزروعہ زمین کو جو آبادی کے احاطہ سے باہر ہو، سب سے

پہلے اور دوسروں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر آباد کرے یا قابلِ انتفاع بنائے، تو وہ اس زمین کا مالک

ہو جاتا ہے اور اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ زمین ساری کی ساری درحقیقت مسجدِ مہربان کی

حیثیت رکھتی ہے جو مصلیوں اور مسافروں کے لئے وقف رہتی ہیں۔ اور سارے نازمی مسجد کے استعمال میں
نیز سارے مسافر سرائے کے استعمال میں صلاً برابر کے شریک اور حقدار ہیں لیکن جو پیدل اگر کسی گوشہ کو گھیر
لیتا ہے وہ اس خاص جگہ کے استعمال کرنے کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستحق ہو جائے گا۔ اور ملک معنی
اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک انسان کسی شئی سے انتفاع کا حق دوسروں کی بہ نسبت زیادہ رکھتا ہے۔

اصل مصلی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ارشاد میں یوں بیان فرمایا ہے:-

عادی الارض لله ورسوله ثم ھمی عادى الارض الله اور اس کے رسول کی ہے پھر یہ
حق ملکیت تمہیں میرے واسطے سے پہنچتا ہے۔

”عادی الارض“ اس زمین کو کہتے ہیں جو کسی وقت میں کسی قوم یا فرد کے قبضہ اور ملک میں رہی ہو مگر
اب اس کے مالک ہلاک ہو چکے ہوں اور کوئی اس کی ملکیت کا مدعی باقی نہ رہا ہو۔ اس صورت میں زمین پھر
اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے یعنی دوبارہ مباح بن جاتی ہے جیسی کہ ابتدا میں تھی۔ اور جبکہ ایسی زمین اسلامی
حکومت کے دائرہ اقتدار میں واقع ہو تو حکومت اس کی مالک ہے، اور وہ اسے پھر جن لوگوں کو چاہے
استعمال کے لئے دے سکتی ہے۔

بیکاری نہ ہو (۲) دوسرے فطری اصول معیشت یہ ہے کہ نظام تمدن ایسا ہو جس میں سب افراد جماعت
حصہ لیں اور تعاون کریں، اور بغیر مفاد لوگوں کے کوئی شخص تمدن کے کاروبار میں شریک ہونے سے حالی نہ رہے۔
اجارہ داری نہ ہو (۳) تیسری اصل یہ ہے کہ جو چیزیں قدرت نے عام فائدے کے لئے بنائی ہیں اور
جن کو کارآمد بنانے میں کسی خاص شخص یا گروہ کی محنت و قابلیت کا دخل نہیں ہے ان کو حتی الامکان پبلک اصل
یا گروہ کی محنت و قابلیت کا دخل نہیں ہے ان کو حتی الامکان اپنی اصل (یعنی اباحت عام) پر باقی رہنا
چاہئے۔ یعنی ہر شخص کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہونا چاہئے۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز ایسی ہو کہ اس
فائدہ اٹھانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ اسے روکا جائے، تو ایسی چیز کے لئے یہ ضابطہ ہونا چاہئے کہ

ہر شخص کو جتنا روکنے کی ضرورت ہو پس وہ اتنا ہی روکے، اور پھر دوسروں کے لئے چھوڑ دے۔ مقصد یہ ہے کہ عام فائدہ کی چیزوں میں کسی کو دوسرے پر تنگی کو سہنے کا اختیار نہ ہونا چاہئے مثلاً گھاس اور چارہ اور جنگل کی لکڑیاں قدرت کا ایک عام انعام ہیں ان کے پیدا ہونے میں کسی انسان کی محنت و کوشش کا دخل نہیں ہے، لہذا ان سب کو میرے لئے عام ہونا چاہئے کسی کو یہ حق نہ ہونا چاہئے کہ انہیں اپنے لئے مخصوص کر لے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لا اخصی (اللہ) ورسولہما چراگا میں کسی کی ملکیت نہیں وہ اللہ اور رسول کی ہیں
روائے جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ زرخیز اور شاداب چراگا ہوں کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے۔ اور ان سے انتفاع کی عوام کو اجازت نہیں دیتے تھے لیکن چونکہ یہ بات علوم کے حق میں سراسر ظلم اور غضب تھی اور ان کے لئے ضرر اور تنگی کا باعث تھی اس لئے شریعت عادلہ نے چراگا ہوں سے انسانی ملکیت کا حق سرے سے باطل کر دیا۔

ایک مرتبہ آنحضورؐ نے ٹنگ کی ایک کان جو شہر مارب میں تھی ایک شخص امیض بن جمال کو دیدی لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس کان سے ٹنگ بغیر کسی خاص انتظام کے نکلتا ہے تو آپ نے وہ اس کو واپس لے لی اور عام لوگوں کو اس سے استفادہ کا حق دیدیا۔ اس لئے کہ جو شہر بغیر محنت و مشقت کے قابل انتفاع ہو اسے ایک شخص کے لئے مخصوص کر دینا عوام کے حق میں محنت و مفرت اور رحمت کا باعث تھا۔

یہی حال پانی کا ہے۔ بودادؤ کی روایت ہے کہ ہنورد نامی ندی (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصدیق فرمایا تھا کہ جس شخص کا کھیت پہلے پڑے وہ پانی کو روک کر اپنے کھیت کو سیراب کرے اور جب پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اسے چھوڑ دے تاکہ بعد کے کھیت والا اپنی کاشت کو سیراب کر سکے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب پانی لیتے جائیں کسی کو محض اپنے ہی لئے رکھ رکھنے کا اختیار نہیں۔ یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پانی جب مباح الاصل چیز تھی تو آپ نے کیوں ایک کو

استعمال کا حق پہلے دیا۔ اور دوسرے کو بعد میں اصل وجہ یہ ہے کہ جب کسی مباح چیز میں لوگوں کو حقوق مساوی ہوں تو انتظام عام کے لئے ضروری ہے کہ اس سے استفادہ کرنے میں ترتیب کی لحاظ رکھا جائے اور جس کا نمبر پہلے آئے اسے پہلے انتفاع کی اجازت دی جائے اور جس کا نمبر بعد میں ہوا اسے بعد میں، ورنہ یہی خاصیت پیدا ہو کر سخت بد نظمی کا باعث ہوگی۔

دولت کی پیدائش۔ لوگوں کا معاشی تعاون کے ذریعہ اپنے مال اور رزق کی ترقی میں سعی کرنا تمدن کی بقا اور فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے مثلاً ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کرنا، سعی و کوشش کر کے لوگوں کا مال بکوانا، اور رائج الوقت چیزوں کو پہلے سے بہتر بنانا یا اپنی قابلیت سے کوئی نئی چیز نکالنا، یہ سب قابل قدر کام ہیں جن پر بڑی حد تک لوگوں کی خوشی کی کا مدد ہے لیکن جب ترقی اموال کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو تعاون کی روح سے خالی ہوں تو اصول فطرت کے لحاظ سے وہ بالکل ناجائز اور حکمتِ مدینت کے حق میں سم قاتل ہوں گے۔ جیسے قمار بازی اور سٹربازی وغیرہ اسی طرح الکسائے ق کے جن ذرائع میں تعاون کی ظاہری شکل تو موجود ہو مگر نہ میں تعاون کی موت چھپی ہوئی ہو وہ بھی حکمتِ مدینت کے خلاف ہیں مثلاً سودی کاروبار جس میں گولڈا ہر مقروض معاملہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے لیکن دراصل یہ رضامندی زبردستی کی ہوتی ہے اور وہ بچا رہا اپنے افلاس کی خوف کی سگور گرفتہ ہو کر اپنے لئے ایسی شرائط کے التزام کو تسلیم کرتا ہے جسے وہ اکثر اوقات پورا بھی نہیں کر سکتا۔ الکسائے مال کے یہ طریقے تمدن کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں اور یہیں سے وہ ملعون زر پرستی پیدا ہوتی ہے جو مدینت کی حکمتوں اور برکتوں کا گلا گھونٹ کر عوام الناس پر جبرِ حیات تنگ کر دیتی ہے۔

اہم ترین مفسداتِ تمدن کا ظلی السداد۔ یہی وہ فطری اصول و مبادی ہیں جن پر اسلام کا معاشی قانون مبنی ہے۔ ہر وہ ذریعہ معاش جو ان اصولوں کی روح سے بیگانہ یا ان کا مخالف ہو، حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ تجارت کی بے شمار اقسام اسی زاویہ نظر کی وجہ سے مردود اور

قابل مواخذہ ٹھیکرانی گئی ہیں۔ ان اقسام میں سب سے مذموم اور مضرت رساں وہ قسم ہے جسے ربو کہا جاتا ہے۔ اہل جاہلیت بیع و ربوئیں کوئی فرق نہیں کرتے تھے (انما البیع مثل الخمر) لیکن اسلام نے بیع کو حلال اور ربو کو حرام کیا، کیونکہ بیع میں تمدن کے لئے زندگی ہے اور ربوئیں تمدن کی موت ہے۔ اگرچہ بطور ربو بھی بیع کی طرح تراضی طرفین سے ہوتا ہے، لیکن حقیقت اس میں تراضی نہیں ہوتی۔ سود پر قرض لینے والا اپنی ضرورت سے عبور ہو کر دتا ویز پر دستخط کرتا ہے، ورنہ وہ پاگل نہیں ہوتا کہ تسلی کر سوا سود دینے کا برضا و رغبت اقرار کرے۔ اس نقص کے علاوہ سودی معاملات جو غلطی، منافقت، کافح باب کرتے ہیں ان سے ہر خاص عام اچھی طرح واقف ہے۔ جاہلیت میں اسی سود کی بدولت خنزیر لڑائیاں تک ہوئی ہیں۔

ربو کی طرح قمار بھی تمدن کے لئے مہلک اور غارت گر ہے۔ تعاون اور تراضی دونوں کی روح اس میں مفقود ہوتی ہے اور ان کے بجائے طمع، حرص، خود غرضی، زر پرستی، جہل اور غلبہ اصل کے رذیل محرکات جو تمدن کے مصالح اور دنیا بسر کرنے کے پسندیدہ اطوار اور ضروری وسائل کو تاراج کر دیتے ہیں، اس کی تہ میں کام کرتے ہیں، اور پھر جھگڑے لڑائی اور قطع رحمی کے جولندی نتائج معرض وجود میں آتے ہیں ان کے بیان کرنے کی شاید کوئی حاجت نہ ہوگی۔

کسب کسب کے لئے ان دونوں چیزوں کا دروازہ اچھی طرح بند کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ لین دین کی جن صورتوں میں سود یا جوئے کا لطیفہ سا شبہ بھی موجود ہو ان سے بھی حکماً روک دیا گیا ہے۔ مثلاً بیع مزانہ، بیع محاققہ، بیع ملامہ، بیع متابذہ، بیع حصہ وغیرہ۔ نیز خشک کھجوروں کی بیج تر کھجوروں کے ساتھ

۱۔ دخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کی ہلک خاص مقدار کے عوض لینا۔

۲۔ کھجوروں کی فصل کو کھجوروں کے عوض فروخت کرنا۔

۳۔ بیج ملامہ کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کہتا تھا اگر میں تیرا کھجوروں تو خلائ چیز کی بیج میرے نام ہو گئی۔
۴۔ بیج مزانہ کی شکل یہ تھی کہ ایک شخص کہتا تھا اگر میں سے میں جانور یا کچھ دے لستے دام میں میرا ہوجائے گا۔
۵۔ بیج محاققہ بھی بیج متابذہ کی طرح ہوتی تھی فرق صرف یہ تھا کہ اس میں کپڑے بجانے لکھری پھینکے گئے۔

اور کھجوروں کے ایسے ڈھیر کی بیج جس کا پیمانہ معلوم و متعین نہ ہو، ان تمام بیج کو ناجائز کر دیا گیا کیونکہ ان کے اندر جوئے کی روح موجود تھی۔

خرید و فروخت کے قوانین: شریعت میں کاروبار کے جن طریقوں کی ممانعت کی گئی ہو، ان جب ہم مجموعی نظر ڈالتے ہیں، تو اصولی حیثیت سے ہم کو حسبِ ایل اسبابِ ممانعت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) ایسی چیزوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے جو بے خود اسلامی قانون میں حرام ہیں اور جن کا استعمال عموماً معصیت ہی کے کاموں میں ہوتا ہے مثلاً شراب، طنبو اور محبے وغیرہ کیونکہ ان انشاء کی خرید و فروخت کی رسم جاری کر دینے کا لازمی انجام ہی یہ ہے۔ اگر ارادی طور پر نہیں تو کم سے کم بلا ارادہ ہی سہی۔ کہ لوگوں کو ان معاصی کی ترغیب دی جائے جو ان کے استعمال کا ناگزیر نتیجہ بھی بخلاف اس کے اگر سرے سے ان چیزوں کا لین دین ہی ممنوع ٹھہرا دیا جائے تو گویا بالواسطہ ان کے مفاسد کا قلع مٹ کر دیا گیا اور لوگوں کو ان سے بچنے کی سہولت بہم پہنچا دی گئی جتنی اسی مقصد کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور احصام کی بیع و شراء کو حرام کر دیا ہے۔“ ایک اور ارشاد میں آپ نے غیر مبہم الفاظ میں اسی قاعدہ کلیہ کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ان الله اذا احرم شيئاً احرم مثله جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہربانی جنت (ازانہ) کی اجرت یعنی زنا کی فیس دینا حرام ہے اور یہی حکم آپ نے کاہن کی اجرت اور مغنیہ کی کمائی کے بارے میں بھی دیا ہے کیونکہ ان تمام اجرتوں میں وہی علت موجود ہے یعنی ارتکاب معصیت کی ترغیب و ترویج، شراب کے رسے میں تو ان خصوصاً صلعم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ ”شراب بنانے والے، شراب پینے والے، شراب

دھونے والے اور شراب کھنے والے سب پر لعنت ہو، کیونکہ ارتکاب معصیت جس طرح معصیت ارتکاب معصیت میں ادا کرنا اور سہولت ہم پہنچانا بھی معصیت ہے۔

(۲) نجاست مثلاً درامخون، جانوروں کا فضلہ اور دیگر گندی چیزیں نہایت مکروہ و شیطانی مشابہت پیدا کرنے والی ہیں بخلاف اس کے اسلام کی فطرت لطافت اور پاکیزگی چاہتی ہے۔ اور پاکیزگی کا قائم کرنا نبی آخر الزماں کے مقاصدِ نبوت میں سے ہے اس لئے شرع نے تمام نجاستوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو ذریعہ معاش بنانے سے روک دیا ہے تاکہ انسان ان کا خوگر نہ ہونے پائے چنانچہ درار کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا گیا، حجامت کچھنے لگنے کی اجرت لینے سے منع کر دیا گیا اور زجانوروں کو مادہ جفتی کھانے کے لئے کرایہ دینے کو ناجائز ٹھہرا دیا گیا کیونکہ ان ذرائع سے جو روزی میسر ہوتی ہے وہ نجاست کے دروازے سے گذر کر آتی ہے۔

(۳) ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جو نزاع کا دروازہ فطرۃ کھولتے ہوں، مثلاً یہ کہ عوصین (قیمت اور مال) کا تعین اور شخص نہ ہو۔ یا بیع دربیع کی شکل ہو۔ یا خریدار نے مال کو نہ دیکھا ہو اور بغیر دیکھے ہوئے یقین نہ کیا جاسکتا ہو کہ جو مال اسے دیا جائے گا وہ اس پر راضی بھی ہوگا یا نہیں۔ یا بیع میں کوئی ایسی شرط ہو جو بعد میں چل کر قیل و قال کی موجب ہو۔

اسی اصول پر شریعہ حلیہ السلام نے بیع مضامین (ان آئندہ پیدا ہونے والے بچوں کی بیع جو بھی نوجوان و بچہ نہ ہو) اور بیع طاقع (جو بچہ ابھی بطن مادر میں ہیں) اور بیع جبل الجبلہ (جس کے ماں ہی ابھی رحم مادر میں ہو) سے روکا ہے کیونکہ بیعتی فروختی کا ابھی وجود ہی نہیں تو اس کا تعین کس طرح ممکن؟

۱۔ مثلاً اگر بائع سے ایک چیز بیعت شدت قید لگائے کہ اس سے بچہ کو جنم لے گا تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۲۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۳۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۴۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۵۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۶۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۷۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۸۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۹۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔
 ۱۰۔ مثلاً بیعت میں ایک شرط لگائی جائے کہ اگر بچہ جنم لے گا تو اس سے بیعت باطل ہے تو یہ بیعت باطل ہے کیونکہ بچہ جنم لینے سے پہلے وہ بیعت نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح ایسے معاملہ کو ناجائز کر دیا گیا ہے جس میں اصل چیز اور اس کی قیمت دونوں غیر موجود اور غیر معلوم
استثنائے غیر معین کا بھی یہی حکم ہے۔ اس بیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع معاملہ کرتے وقت مثلاً یہ کہے کہ اتنے
روپیوں میں میں تھوڑا سا چھوڑ کر اپنا یہ دس من جو میں نہیں دیدوں گا اس تھوڑے سے کا عدم تعین
فریقین کے درمیان وجہ نزاع بن سکتا ہے۔ لیکن اس کلیہ کو بہت زیادہ عام نہیں کیا جاسکتا یعنی
ہر چیز کی امر کا عدم تعین بیع کو فاسد نہیں کر دیتا کیونکہ عادتاً اور رجحاناً معاملات بیع کے
متعلق بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جن کی توضیح اور تعین نہیں کی جاتی اور نہ کی جاسکتی ہے مقصد بیع
صرف وہ عدم تعین ہے جو موجب نزاع بن سکے۔

ایسے معاملات بھی اسی بنا پر ناجائز ہیں جن میں معاملہ تو ایک چیز کا ہو رہا ہو مگر دراصل وہ
مقصود بالذات نہ ہو بلکہ اس کے ضمن میں درپردہ کوئی اور ہی معاملہ پیش نظر ہو۔ ایسے معاملات سخت
خصوصیت انگیز اور ایسے پیچیدہ ہو جاتے ہیں جن کا کوئی حل ملتا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بیع مقصود بالذات
تو ہوتی نہیں، اسے محض ایک دوسرے مقصد کے لئے بہانہ بنایا جاتا ہے، اور ایک فرق جب کھینچتا ہے
کہ جو اصل مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوتا تو وہ معاملہ بیع کی تکمیل سے جی جراتا ہے اور دوسرا فریق
طے شدہ بات کو پورا کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اسی بنا پر شارع نے ایسے معاملات کی سرے سے ممانعت
فرمادی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

لا یصح بیع وسلف ولا شرطان فی بیع ایک ہی ساتھ بیع اور بیع سلف دونوں کا معاملہ
کرنا یا کسی معاملہ بیع میں دو شرطوں کی قید لگانا جائز نہیں۔

بیع سلف کلمہ معنی ہیں کسی چیز کی جو آئندہ تیار ہونے والی ہو پہلی نقد روپیہ دے کر بیع کرالیا
اور دو شرطوں کا مفہوم یہ ہے کہ بائع ایک تو اس چیز کے حقوق بیع اپنے لئے مخصوص کر لے، اور دوسرے
کوئی اور خارجی شرط لگا دے مثلاً اگر اس چیز کو ہمیں کبھی بیچنا منظور ہو تو میرے ہی ہاتھ بیچنا۔۔۔۔۔

نیز میں اس شرط کے ساتھ تھیں یہ چیز بیچ رہا ہوں کہ اپنی فلاں چیز مجھ سے کہو۔

یا فلاں کے یہاں میری سفارش کر دو۔

اسی قاعدہ پر ان معاملات کی بھی ممانعت کی گئی ہے جن میں عوضین میں سے کسی ایک کا اختیار ہوگا معاملہ کرنے والے کے ہاتھ میں نہ ہو مثلاً شمن (قیمت) خریدار کے قبضہ میں نہ ہو، یا چیز بائع کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ فی الحال عملاً دوسرے کے اختیار میں ہو اور اس کا محض نظری حق اس شئی پر پہنچتا ہو، یا ابھی محل نزاع ہو، ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک قعینہ کے اندر دوسرا قعینہ پیدا ہو جائے یا ذریعہ مخالفت دھوکہ اور نقصان پہنچ جائے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی چیز تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں اطمینان نہ کرنا چاہئے کہ وہ تمہیں مل ہی جائے گی۔ لہذا اگر ایسی حالات میں بیع منعقد ہوگئی اور مشتری نے قبضہ کا مطالبہ کر دیا تو بائع کے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہو گا کہ ادھر ادھر دوڑتا پھرے اور اس طرح مناقشات کی گرم بازاری کا سامان پیدا کرے۔ اسی مفسدہ کا قلع قمع کرنے کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو چیز تمہارے اپنے ہاتھوں میں نہ ہو اس کی بیع نہ کرو، دوسرے ارشاد میں ہر گز جو کوئی گیارہوں خریدے اس وقت تک بیع نہ کرے جب تک کہ اس کو اپنے قبضے میں نہ کر لے یہ حکم صرف گیارہوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے نیز آپ نے ایسی شئی کی بیع سے منع کر دیا ہے جس کے متعلق بائع کو یقین کامل نہ ہو کہ آیا وہ میرے ہاں موجود بھی ہے یا نہیں یا میں اسے پاس رکھتا ہوں یا نہیں۔

اسی طرح شارح نے جن جن کر ان معاملات کو حرام کیا ہے جو عموماً نزامین پیدا کرنے والے ہوتے ہیں مثلاً دینت کے کچے پھلوں کی بیع کا عرب میں عام رواج تھا۔ اس کے متعلق حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ لوگ باہم ایسی فروخت کرتے تھے لیکن جب اوقات ہماوی پھلوں کو نقصان پہنچا دیتیں تو آپس میں لڑائی مکرار کرنے لگتے مشتری قیمت دے لے گی کے خلاف حجت پیش کرتا کہ

فروخت کرتے ہیں یہ عام باشندوں کے لئے تنگی کا موجب ہے، اور اس سے خود گاؤں والوں کا بھی نقصان ہے، کیونکہ وہ زیادہ فائدے کا لالچ کر کے اڑھیتے کے جال میں پھنس جاتے ہیں، اور پھر اس کے پھندے سے ان کا نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ نیز یہ کاروبار تمدن کی ترقی کے لئے بھی بضرر ہے کیونکہ گاؤں والوں کا بار بار مال لے کر آنا اور بھڑا لانا اس سے بہتر ہے کہ وہ زیادہ نفع کی خاطر مال کو روک لیں۔

(۵) ایسے طریقوں سے نفع کمانے کی کوشش بھی حرام کر دی گئی ہے جو عامۃ الناس کے لئے محبوب نقصان و تکلیف ہوں، مثلاً غلے کو قیمتیں گرا کر لانے کی خاطر جمع کرنا اور روک رکھنا کہ یہ خود خرمانہ نفع طلبی ہے اور اس سے تمدن میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من احتکر فحقواطی (جس نے احتکار کیا وہ گناہگار ہے) اور الجالب مرزوق والمحتکر صالعون (کسب کرنے والے کو رزق ملتا ہو اور احتکار کرنے والے کے حصے میں لعنت آتی ہے)

(۶) ایسے تمام معاملات ممنوع ہیں جن میں ایک شخص دوسرے شخص کو دھوکہ دے کر نفع کمائی کوشش کرے مثلاً اپنا مال کا عیب چھپائے، یا اس کا مال جتنا اچھا نہیں ہے اتنا ظاہر کرے ایسی سلسلہ بیع حدیث ہے کہ لا تصرفوا بالبل والغنم فمن ابتاعها او ثمنی یا بکری کو بیچتے وقت اس کے نقصان میں بعد ذلک فهو بخیر الناس من بعد ان یحلبھا دودھ جمع کر کے نہ رکھو کہ خریدار اس کو زیادہ دودھ والی ان رضیھا امسکھا وان مضطھا ردها سمجھے اگر ایسا کیا جائے تو خریدار کو اختیار ہے کہ تین دن صاعاً من تمر یروى صاعاً من طعام (امسک) رکھ کر اسے دیکھے اور پسند نہ لے تو واپس کر دے لیکن واپس کرتے وقت وہ ساتھ ہی ساڑھے تین سیر کھجوریں بھی دودھ کے عوض دیدے جو اس کو بیچتا ایک دوسری روایت میں ہے کہ ساڑھے تین سیر قند دے لیکن وہ زیادہ قیمتی قند نہ ہو مثلاً شامی گیہوں (کہ وہ حجاز میں زیادہ قیمتی ہوتا تھا)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر مال کو اچھا بنانے کی بھی فرمائی ہے

ایک شخص نے بھجوروں کو پانی سے ترک کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا (فلما جعلناہ فوق الطعام حتی یرواہ الناس) من غش قلبہ منی (کیا تو نے اس کو اوپر سے تر نہیں کیا ہے کہ لوگ بیکھ کر دھوکا کھائیں؟ جو شخص دھوکہ بازی کرے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں)

(۷) ایسی چیزوں کی بیع بھی حرام ہے جن کو اللہ نے سب انسانوں کے لئے مباح کیا ہے مثلاً بوائے قدیٰ طور پر رہا ہوا وہ خود لوگوں تک پہنچنے والا ہو اس کو کوئی شخص روک لے اور قیمت لیکر روٹس کیلئے چھوڑے۔ یہ اللہ کے مال میں بغیر کسی حق کے تصرف کرنا ہے اور اس میں بزرگانِ خدا کی ممانعت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نفھی البنی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فضل ماطس (بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے زاید پانی کو قیمت دینے کی ممانعت فرمائی ہے) اسی طرح قدیٰ بھاگاہ میں جانوروں کے چرنے پر اجرت عائد کرنا بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”جو شخص ایسا کرے گا، اللہ بھی اس سے کہے گا کہ میں تجھ کو اپنے فضل سے اسی طرح محروم کرتا ہوں جلیج تو نے لوگوں کو اس فضل سے محروم کیا جس کے بنانے میں تیر کوئی حصہ نہ تھا“ ایک اور حدیث میں ہے کہ پانی اور چارہ اور آگ، ایسی چیزیں ہیں جن میں سب مسلمان شریک ہیں۔“

زخوں کا حکم مقرر کیا جانا، تجارتی کاروبار میں ایک سوال حکومت کے اختیارات کا، تاہم کہ آیا وہ اشیاء کی قیمت کا جبری تعین کر سکتی ہے جس کے مطابق بیچنے پر اہل تجارت مجبور ہوں؟ اسلامی قانون تجارت کا رجحان اس طرف ہے کہ تجارت اس معاملہ میں آزاد ہیں حکومت کو ان کی آزادی میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ ایک بار لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ تاجروں نے خیزنوکا بھاؤ بہت چڑھا دیا ہے، آپ ان کی قیمتوں کا مناسب تعین فرمادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیمتوں کا ٹھٹھانا بڑھانا اللہ کے اختیار میں ہے، میں نہیں پسند کرتا کہ میں خدا سے اس حال میں ملوں کہ کسی ظلم کرنے کا بار میری گردن پر ہو اور وہ اس کے حضور دادرسی کرے۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی

ایسا حال نہ نرغ معین کرنا جو تاجر اور خریدار دونوں کے نفع نقصان کے لحاظ سے بالکل ٹھیک ہو حتیٰ کہ کسی کی ایک ذبحہ برابر حق تلفی نہ ہو تقریباً ناممکن ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کوئی حکم صادر کرنے سے اجتناب فرمایا تاکہ آئندہ چل کر امراء اور حکام اس حکم کو اپنے لئے سند نہ بنالیں اور اس کی آڑ میں جب چاہیں اور جس قدر چاہیں چیزوں کی قیمت گھٹا پر سادیں تاہم اگر کھلم کھلا تجارت پیشہ لوگ لوٹ ہی پر اتر آئیں اور چیزوں کو بہت گراں کر کے لوگوں پر مصیبتیں تنگ کر دیں تو حکومت کے لئے جائز ہے کہ رفاہ عام اور مصالح تمدن کے پیش نظر انہیں اس خود غرضانہ لوٹ کھسوٹ سے باز رکھ کر چیزوں کی قیمتیں متعین کر دے۔

(۴) اگر کوئی شخص بیع سلم کے طور پر کوئی چیز خریدے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کی مقدار اور قبضہ کرنے کے وقت کی تعیین کر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ قشرین لائے تو لوگوں میں اس طرح کی بیع کا بڑا رواج تھا۔ لوگ روپیہ پیکی دیدیتے اور دو دو تین تین سال بعد پیدا ہونے والی پھلوں کو خرید لیتے آپ نے اسے بالکل منع تو نہیں کیا (البتہ اتنی منظر لگا دی کہ جس چیز کی مقدار یا وزن متعین ہو۔ نیز یہ صاف صاف طے ہو جائے کہ بالعموم کس وقت خریدار کو وہ چیز دے گا۔ قرض کے لین دین میں تحریری دستاویز اور شہادت کی سخت تاکید ہے، چنانچہ قرآن میں ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا كُنْتُمْ تُقْرِضُونَ
لِئَلَّا يَكُنَ لِلْمَنِّ وَالْحِجْبِ تَمَّ كَسْبُ مَنٍّ مَّنْ كَسَبَ
إِلَىٰ أَجْلِ قَسَمٍ ۖ فَالْكُتُوبُ ۚ ۝۱۰۰

ایک دوسرے سے قرض لو تو اسے لکھ لیا کرو۔
قرض کا معاملہ معاشی امور میں گونا گوں چیزوں سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک طرف معاشی ضروریات کے پیش نظر قرض کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ دوسری طرف یہ دیگر معاملات کی نسبت بہت زیادہ نزاع آفرین اور خصوصیت انگیز ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے تحت قرض کے معاملات پر گواہ بنانے اور انہیں ضبط تحریر میں لانے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور

کتمان شہادت کی سخت مخالفت کر دی ہے۔ پھر اسی ضمن میں تیرا مبینہ معاشی ضرورتوں کے باعث دہن اور کفالت وغیرہ معاملات کی بھی اجازت دے دی ہے۔ مضاربیت یا شرکت کے معاملات | اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ نسل انسانی مدنی الطبع واقع ہوئی ہے اور اس کا معاشی سوال اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے افراد میں باہم تعاون نہ موجود ہو۔ چنانچہ تاریخ تمدن بتلاتی ہے کہ یہ معاشی تعاون مختلف شکلوں میں قوموں کے اندر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اس تعاون اور اشتراک کی مندرجہ ذیل مثالیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) دو آدمی کوئی تجارتی کاروبار اس طرح پر شروع کریں کہ ایک سرمایہ ہو اور دوسرے کی محنت اور منافع حسب معاہدہ دونوں تقسیم کر لیں۔ اسے اصطلاح میں ”مضاربیت“ کہتے ہیں۔

(۲) دو آدمی مل کر اس طرح تجارت کریں کہ سرمایہ میں دونوں برابر کے شریک ہوں اور ایک جو کچھ نیچے یا خریدے دوسرے بھی اس میں شریک ہو حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے کے ضامن اور ایک دوسرے کے مختار عام ہوں اور جو پار میں جو قطع ہوا اسے دونوں آپس میں بچھ مساوی تقسیم کر لیں۔ اس کا نام ”شرکت منافعہ“ ہے۔

(۳) دو آدمی کسی معین سرمایہ سے تجارت کریں جس میں دونوں کے حصے برابر ہوں اور ہر ایک اس سرمایہ کی حد تک خرید و فروخت میں دوسرے کا قائم مقام ہو۔ لیکن ایک دوسرے کا ضامن اور کفیل عام نہ ہو کہ محض شریک کار ہونے کی وجہ سے جو کچھ ایک تجارتی وہ دوسرے سے طلب کیا جائے اسے شرکت عمان“ کہتے ہیں۔

(۴) دو آدمی اس طرح تجارت شروع کریں کہ سرمایہ کسی ایک کا بھی نہ ہو بلکہ ہر ایک محض

اپنی ذاتی شخصیت سے کام لیکر بازار سے ادھار مال حاصل کرے اور دونوں مل کر اسے بیچیں اور قرض ادا کرنے کے بعد نفع باہم تقسیم کر لیں اس کا نام اصطلاح شرع میں شریکت وجوہ ہے۔

- (۵) ایک شخص اپنے لئے نہیں بلکہ کسی دوسرے کیلئے معاہدہ کرے اسے ”وکالت“ کہتے ہیں۔
 (۶) دو صنعت پیشہ آدمی ملکر کام کریں اور جو کچھ حاصل ہوا پس میں بانٹ لیں شریکت عمل۔
 (۷) ایک شخص کے بلوغ کی دیکھ بھال اور آپاشی دوسرا آدمی کرے اور اس بلوغ سے جو پھل پیدا ہوں وہ ان میں سے حصہ بٹائے۔ اسے آئین اسلامی میں ”مستافہ“ کہتے ہیں۔
 (۸) زمین اور بیج ایک آدھی کا ہو اور ہل بیل نیز کاشت کرینکی جماعت دوسرا آدمی اس طرح جو غلہ پیدا ہو اس میں دونوں شریک ہوں۔ اس کا نام ”مزارعتہ“ ہے۔
 (۹) ایک شخص کی محض زمین ہو اور بیج اہل ادبیل اور محنت سب دوسرے کی ہو اسے معاہدہ کہتے ہیں اور یہ دراصل مزارعتہ ہی کی ایک قسم ہے۔

(۱۰) مزارعتہ ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ زمین بیج ادبیل اور بیل سب کچھ ایک ہی ایک آدمی کا ہو اور دوسرے کی صرف محنت ہو۔

معاشرتی تعاون اور اشتراک عمل کی یہ تمام صورتیں اور اسی نوعیت کی دوسری صورتیں بھی اسلام میں جائز ہیں اور ان کیلئے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ مریضین میں شرائط معاہدہ انکی پوری پابندی کی جائے بجز ایسے معاہدہ اور ایسی شرائط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے والی ہوں۔

اخلاقی محرکات | یہاں تک جو مولیٰ تو ان میں مان ہوئے ہیں ان کا تعلق معاشرتی معاہدات میں خود غرضی، غلامی، عدوان اور نزاع کی روک تھام سے تھا لیکن اسلام نے صرف اتنے ہی پر کٹھا

نہیں کیا ہے بلکہ اس نے معاشی معاملات میں فضل و فراخ دلی، فیاضی، ایثار اور امداد باہمی کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور احسان و تبرع کو بھی معاشیات کا اہم ترین جزو بنا دیا ہے۔
اس مسلم میں سب سے پہلے شارع کا یا رشا دلا خطہ ہو۔

رحمہ اللہ رحا اسی اذ ابلاء و اذا اللہ کی رحمت ہوا اس شخص پر جو خرید اور بیچتے اور قرض
شد تری و اذا احتضی کا تقاضا کرتے وقت مرد و زن کو خلق سے کام لے
کے خلق اور خود غرضی و بے مروتی کا رد باری ذہنیت کا گویا ایک نظری خاصہ ہو لیکن چونکہ ایک
طرف ہجر کے نفس پر اس کے برا اثرات پڑ گئے ہیں، دوسری طرف نظام تمدن کے غی میں یہ صورت
کم نہیں آئی کہ یہ چیز تعاون کی دشمن ہے اور تعاون ہی پر مدینیت کا دار و مدار ہے اس لئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے مؤثر طریقہ پر اس کو روک کر ماحول اور فراخ دلی کی ترغیب دی ہے
اسی مقصد کیلئے ایک موقع پر اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جو شخص کسی اور
بیع کو جسے اس کا بھائی (خویدار) ناپسند کرنا اور فسخ کرنا چاہتا ہو، فسخ کر دیگا قیامت
کے دن اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کو فسخ (یعنی مٹا) کر دیگا۔“ معاملہ کی بات تو یہ ہے کہ یہ
خریدنے والے اپنی رضا و رغبت سے ایک چیز خریدتا ہے تو خواہ بعد میں وہ کتنا ہی پست یا
اسے واپس کرنا چاہیے، بائع واپس کر لے پر مجبور نہیں ہے لیکن چونکہ ایک بھائی کو اس
سے نقصان پہنچ رہا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کو فسخ کرنے کی ان الفاظ میں
پہلی فرمائی اور اسے رحمت و خوفت ایزدی کا ذریعہ بتلایا (بشرطیکہ چیز اپنی اصلی
حالت میں ہو)۔

اگر دو قریبی رشتہ دار ایک ہی شخص کی ملکیت میں ہوں تو اس کیلئے جائز نہیں کہ
ایک کو بیع کرے اور دوسرے کو اپنے پاس رکھ چھوڑے۔ حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ ایسا کیا تھا

تحفہ صفت میں نے فرمایا کہ مع کو فرسخ کر کے غلام کو پس لے لو۔ ایک موقع پر اپنے فرمایا کہ جو شخص مال اور اسے بیٹے کو الگ الگ کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اور اسے جدا جدا کر دے گا۔
 کو الگ الگ کر دینا یہاں بھی وہی اصول اخلاق و سماعت کام کر رہا ہے
 اسی احسان اور تبرع کی تعلیم دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر خریدار قیمت ادا کر نیلے بیشتر شخص جو بجا اور قیمت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بائیں کو بچا بیٹے کے اپنی چیز کو واپس لے لے اور اسے قیمت ادا کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اسی طرح آپ کا یہ بھی ارشاد دیکھ دو اگر قرضدار تنگ دست ہو جائے تو قرض خواہ کو اپنا ترضی مضاعف کر دینا چاہیے یا کم از کم مطالبہ میں نرمی کرے اور اسے داکر کی سہانی دے دے۔ اگر قرض مال اس کو روز جزا کے اہل خانہ سے محفوظ رکھے گا۔

اسکے برعکس اگر قرضہ دار قرض ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر قرض ادا کر دے یہ مال و مال کرنا ہو تو وہ غفل کو پھینکے کہ اپنا دواؤں کو حسنا بیاق کر لیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو تو انکر کا ادا کی ترضی میں بیت میل کرنا ظلم و نا انصافی ہے مال اگر قرضہ دار کسی دوسرے شخص کا حوالہ دے تو اس کا حوالہ قبول کر لینا چاہیے۔ اسل دو سر لکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرضہ دار کا روپیہ کچھ دوسرے پر آتا و اور وہ قرض خواہ سے کہے کہ تم اس سے وصول کرو تو تو ایسی صورت میں قرض خواہ کو براہ راست کرنا چاہیے کہ میں تو تجھی سے وصول کروں گا۔

اسی تبرع کی خاطر قرآن نے مسلمانوں کو بار بار بعد نماز پر ابھارا اور حکم دیا ہے کہ جہاں اللہ نے نہیں دیا ہے ہمیں اپنے عزیزوں نادار بھائیوں پر خرچ کریں اور اسے عوض رضاے الہی کے مارے کوئی معاوضہ ان کے پیش نظر نہ بھیرے ایک ایک چیز کو گنا کر تباہ کیا کہ ان صدقات کو ان کے صحیح مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ وہ مصارف یہ ہیں۔

اَعْلَى الشَّيْءِ وَالْفَقْرَاءَ وَالْمَسْكِينِ
 وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهِمُ الْمُؤْتَفَقَةُ عَلَيْهِمْ
 وَفِي الْقَابِ وَالْمَعَامِلِ وَفِي مَنَاسِلِ
 بَلَدِهِ وَابْنِ بَيْتِهِ (نوبت ۸۰)

صدقات تو محض فقیروں، کمینوں، محصلین زکوٰۃ، کمزور ایمان والے، نہ سہل (جسکی تالیف مطلب کی ضرورت ہو) اور غلاموں، قرضہ داروں، ماہ خدایں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہیں۔

نیکین حدیث کے ذریعہ سے غریب اور محتاجوں کے ساتھ احسان اور مروت کا مظاہر کیا جاسکتا ہے کھانے پینے مسلمانوں کے ساتھ اہل مروت اور مروت کا ذریعہ وہ ہیں جن کے ایسے کئی کو پورا کر سکتے

تسلسلے میں یہ مختلف بھیجے کی تلقین کر کے ہر میلہ اور غریب کے ساتھ رشتہ اخوت مٹاتا رہتا ہے۔
 ترجمانِ ترغیب دہی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تھا دو اَخاں لھلہ لہلہ تذاہب الناس
 (ایک دوسرے کے پاس پہنچو، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو کینوں کا لٹا ہوا ہے) اور یا ایک مرد واقعہ ہے
 یہ یہ خواہ کتنا ہی قلیل اور ادنیٰ درجہ کا کہوں نہ ہو لیکن وہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص بھیجہ
 اپنے دل میں اسکی جگہ رکھتا ہے چنانچہ اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر شروع نے یہ یہ اپنا کر نیکی
 سخت محنت فرمائی ہے خواہ وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محض اوجہ اللہ تر ہے اور ہدیہ پھر اس شخص کی
 خوشنودی حاصل کیجاتی ہے اور یہ چیز بھی انسانیت اور مصلحت تمدن دونوں کیلئے اچھا
 کام کہلاتی ہے۔ کیونکہ اسکے ذریعہ سے سوسائٹی کے افراد میں الفت اور اتحاد کی زبردستی
 پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو جس شخص کے
 ہدیہ لئے، اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو چاہیے کہ وہ بھی اس کا جواب دے اور اگر غریب
 نہیں رکھتا تو ہدیہ لینے والے کے حق میں غیر مجتہدین کے کلمات کہہ دے۔ "ایسا کرنا گویا اس
 ہمدردی کا شک ہے اور انہما جو جائزہ لیں جس نے یہ بھی دیکھا اس شخص کی سخت ناشکری کی اور
 کہنے میں ہدیہ لینے میں اپنی حیثیت سے بہت بڑھ چڑھ کر نمائش کی اسکی مثال اس آیت
 مذکورہ کی سی ہے جس نے سرسبز بزرگ حرقہ زہد پہن رکھا ہو۔"

ہدیہ کے جواب میں ہدیہ بھیجنے میں ایک تو یہ مصلحت ہے کہ اس طرح دونوں جاہل
 قربت و الفت کی پیش کش ہوگی جو ہدیہ کا مقصد و جہد ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ اوپر

بات تھہرنا چاہئے کہ ہاتھ سے فضل ہے اس لئے انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا ہاتھ
 بچا نہ رہ جائے۔ لیکن اگر واقعی وہ اسکی قدرت نہیں رکھتا تو کم سے کم اسے اچھے کلمات
 یاد دلانے کے یہ چیز بھی انجمن کے لحاظ سے ہدیہ دینے کے برابر ہی ہے لیکن اچھے کلمات
 یاد دلانے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ بھیجی کرنا اور غریبوں کے دل ہاتھ نہ دینے کے

اس کا معتدل طریقہ بھی شریعت نے متعین فرما دیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے
 کہ جو جس شخص پر کوئی احسان کیا گیا ہو اور وہ اپنے حسن کو جزا کا اللہ خیر کہہ دے تو

اس نے بخشنے و دینا کا زیادہ سے زیادہ حق ادا کر دیا، مشریت کا مقرر کیا ہوا یہ طریقہ
انہما ترک کر اسلامی نقطہ نظر سے اپنے اندر انتہائی مناسبت، جامعیت اور عقدا ل رکھتا
اس پر اماندہ کرنا جس طرح ملتوا اور دنا سنت کی دلیل ہے اسی طرح اس میں بھی خل کرنا
انتہائی بڑا خلافتی اور کفرانِ نعمت ہے۔

یہ دے کر واپس لے لینا نہایت ہی ذلیل اور مکروہ حرکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں کہ دو کئی چیز کو صبر کر کے بھڑا سے واپس لے لینے والے کی مثال اس کتے
کی سی ہے جو کتے کے اسے چاٹے۔ ہم (مسلمانوں) کو ایسی ہی حرکت زیب نہیں دیتی
غور کرو یہ مثال کس قدر ذہنی برحقیت ہے۔ جب ایک شخص اپنی مرضی سے اپنے مال کا
ایک حصہ کسی کو صبر کر دیتا ہے اور پھر سے لوٹنا چاہتا ہے تو آخر کو کسی چیز سے اس مال پر
امادہ کر رہی ہے، غلط ہے یہ بات تو وہ انتہائی سنگین اور میں ہو گا اور کسی اتفاقی ہد ہے
نشا نہ ہو کہ ایک چیز صبر کر کے بدلے اپنی حرکت پر خوس آیا ہو گا۔ اور اب سے واپس
مانگے بارے یا اس شخص کو جسے اس نے صبر کیا تھا تنگ کرنا اور اسے نقصان پہنچا
مقصود ہو گا۔ ان دونوں وجوہ میں سے خواہ کوئی وجہ بھی ہو ہر ایک کا نشا اور میں
بڑا خلافتی اور خفت ہی ہے۔ علاوہ ازیں معاشرتی مصالح کے حق میں ہرگز نہایتنا صبر
نہیں جتنا اس کا واپس لینا ان کے حق میں صبر ہے اس کا اس شخص کے دل میں نفرت
کی آگ بھڑکے بغیر نہیں رہ سکتی وہ اسے اپنی سخت تنگ تصور کر لگا۔ اور اس تصور سے
اس مشتعل ہو جانا بلکہ انتقام پر اتر آنا یقینی ہے اسکا اندیشہ اور خطرہ کی وجہ کسی شخص
اگر اس کی بیٹے ہو۔ جاؤ نہیں کہ ایک کے کو کوئی چیز صبر کرے ڈروٹرل کو یوں ہی چورڈا کر دے
کرتا ہی نہ گویا اسکے بھائی کو دشمن بناتا ہے

وصیت وصیت کا رواج ہر ملک اور قوم میں رہا، اہل اسلام کو بھی اسکی اجار دی گئی ہے لیکن چند نوپا بندیوں
(۱) آدمی اپنے ہی وارث کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا (حدیث میں آنا ہو کہ وصیتہ لواثرہ
وارث کے وصیت نہیں) اور اسکے چھبھی کسی وصیت بھی کیا فرما دی گئی ہو ان الله اعلم کل شیء حق حقه
(کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قدر لینی و رکھنی خود ہی ستیں کر دیا) اہل جاہلیت وصیت بدیں بڑی ہی فرا

و تفریک کام اپنے تھے و حق جذبے منسوب کر دیا اور مصلحت کا سرشتہ ہمارے سے چھوڑ دیتے اور اسی کو ان کے حق محروم کر کے اور کے لوگوں کیلئے مال مال و قیمت کر جائے اس کم بینی اور ناحق شکا کا دوا بند کرنا ضروری تھا۔ (۲) وارثوں کیلئے کم از کم دو تہائی مال چھوڑنا ضروری ہے و وصیت کرنا کو دنیا سے نیا دہانے کا ایک تہائی حصہ وصیت ذریعہ غیر وارث لوگوں کو دینے کا حق دیا گیا ہے سو بین ابی نوحہ علیہ السلام میں عرض کیا کہ میں بہت بڑی گنت کا مالک ہوں صرف ایک بڑی دھکے علاوہ اور کوئی میرا وارث نہیں تو میں کس قدر مال کی وصیت کر سکتا ہوں؟ کیا تمام مال کی نصف کی یا ثلث کی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آیتوں کی وصیت کر دو اور وہ یہ ہیں: تمہارا اپنے وارثوں کو چھوڑ جانا اس بہتر سے تم انہیں اس مال میں چھوڑ دو کہ وہ لوگوں پر بار نہ ہوں۔

وقف تبرعات ہی کی ایک قسم وقف بھی ہے، اب تک تعاون و تبرع کی عقلی حدیں بیان ہو چکی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی شکل میں قبل اسلام بھی رائج تھیں لیکن وقف کا طریقہ بالکل نامعلوم تھا شارع اسلام علیہ السلام خصوصاً اجتہاد سے حکم اندر نظام مسیبت معاشرے کے ایسے مصالح پوشیدہ ہیں جو دیگر اقسام صدقات و تبرعات سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایک شخص خواہ کتنا ہی بڑا غنا و فقرا و مساکین کیلئے مدد نہ کرے لیکن ظاہر یہ کہ ایک مدت مخصوص کے بعد وہ ضرور ختم ہو جائیگا اور ان فقرا کے بعد جو خاندان ہو وہ اس مدد عامہ کوئی حصہ پاسکیں گے پس صد کمال حصول اور رفاد خلق کی عمر میں گئی یا اسے مدد نہ کی اس شکل سے بہتر کوئی شکل نہیں ہو سکتی کہ کوئی مال یا جائیداد غنا و مساکین اور دیگر جات و جماعت کے حق میں اس طور پر بخش دیکجا کہ اصل ہمیشہ اپنی جگہ پر رہے اس میں سے کچھ بھی فروچ نہ ہو اور محض ایک منفع سے جات و جماعت کی حاجت روائی ہوتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے ان الفاظ میں وصی کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

ان مشئت حبست أصلها اگر تم چاہو تو (مال یا جائیداد) کی اصل روک لو اور اس کا و تصدقت بھا (یعنی اس کے منافع کا صدقہ کرو۔)

چنانچہ حضرت عمر نے یہ نہی کیا اور اس جائیداد کو اس شرط پر وقف کر دیا کہ نہ تو وہ بیچی جائے نہ جبکہ جا بیگی نہ اس میں میراث جاری ہوگی، بلکہ محض اسکے منافع فقیروں و مساکین (توانبندوں و غلاموں) اور یتیموں اور دیگر شرعی ضرورتیں پر خرچ کئے جائیں گے۔ اسکا منہ لی اگر حرب ستور اسکی آمدنی میں خود بھی کچھ اپنے لئے لے لیا کرے تو اسکے لئے جائز ہے (رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۱ عدد ۱۱)

جابر بن عبد اللہ صحابی سے مروی ہے، کہ ان کیل پوشوں پر سرور کا مناسبت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک کا پڑنا تھا کہ
 فتمعروا وجہ رسول اللہ ﷺ
 اور اس پڑ گیا چہرہ اقدس رسول اللہ
 علیہ وسلم (مسلم) صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مٹان لوگوں کے اس حال کو
 دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر زمانہ میں تشریف لے گئے (غالباً کوئی چیز نہ ملی)
 پھر بابر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ارشاد ہوا کہ مسلمانوں
 کو جمع کرو، لوگ جمع ہوئے، ان غریبوں کی امداد پر لوگوں کو آمادہ فرمایا گیا اور کافی امداد
 سرمایہ جمع ہوئی جو ان کے حوالے کر دیا گیا، حضرت جابر ہی راوی ہیں کہ وہی چہرہ مبارک
 جواب تک ان غریبوں کے دیکھنے کے بعد ادا اس پڑ گیا تھا۔

لوگوں کی معاشی پریشانی دور ہونے پر آپ کی خوشی | پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ
 فَوَائِدُ وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ
 علیہ وسلم کے چہرہ کو دیکھا کہ سونے کی
 طرہ دکھ رہا ہے۔

چہرہ مبارک سونے کی طرح دکھنے لگا، کس وجہ سے دکھنے لگا؟ محض اس لئے
 کہ کچھ لوگ معاشی پریشانیوں میں مبتلا تھے، ان کی یہ پریشانیاں اس تدبیر
 سے دور ہو گئیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کا یہ پہلو جس کے
 متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ مذہب میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بنی الانبیاء خاتم النبیین
 صلی اللہ علیہ وسلم کے احاسات طیبہ اسی پہلو کے متعلق کتنے عمیق اور گہرے تھے۔
 حاشیہ جدوجہد پر لوگوں کو آمادہ کرنا | اور یہ طریقہ کہ اس قسم کے لوگوں کی امداد

سے کرائی جائے واقعہ یہ ہے کہ بعض خاص فوری ضرورتوں کے وقتوں پر کبھی کبھی یہ تدبیر بھی اختیار کی جاتی تھی، ورنہ اس احساس کے ساتھ ساتھ جس کا سراغ مذکورہ واقعہ میں ملتا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری خصوصیت عموماً یہ تھی کہ بجائے دوسروں کے خود صاحب ضرورت کو آپ آمادہ فرماتے، کہ اپنی دشواریوں کو وہ اپنی اپنی توانائیوں کے ذریعہ سے حل کرے، جو قدرت نے آدمی میں اسی لئے پیدا فرمائی ہیں، حدیثوں میں اس مشہور واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جو کچھ امداد کے طالب ہوئے، وہی جو ابھی ایک جماعت کو کافی امداد دوسروں سے دلا چکا تھا، ایک شخصی ضرورت کے متعلق جو طرز عمل اختیار فرمایا جاتا ہے دینے کے قابل ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ خود اپنے پاس سے کچھ دینے کی کوشش کی اور نہ دوسروں سے دلویا، بلکہ ضرورت مند صاحب کو فرماتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ آخر تمہارے پاس آخر کوئی چیز بھی ہے؟ وہ بیچارے اتنے غریب اور نادار تھے کہ جواب میں انہوں نے عرض کیا میرے پاس صرف ایک ٹاٹ ہے جس کے ایک حصے کو اوڑھنا ہوں اور دوسرے حصے کو بچھتا ہوں اور اس کے سوا ایک پیالہ بھی ہے جس سے میں پانی پیتا ہوں، ظاہر ہے کہ افلاس اور ناداری کی یہ انتہا ہے لیکن جو معاشی قوتوں کو اجبار نے اور ان کی قیمت پیدا کرنے کے لئے معی مبعوث ہوا تھا اللہ کے وہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جواب پر حکم دیتے ہیں کہ جاؤ اس پیالہ اور ٹاٹ کو لے آؤ جو دنیا کو اس کی آخری کتاب دینے آیا تھا، اگر ایک طرف اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی تو اسی دست مبارک میں آنکھوں نے دیکھا کہ غریب حاجت مند کا ٹاٹ اور پیالہ ہے اور عجب جیسے ہراج (نیلام) کرتے دے پکارتے ہیں۔

غریب کے لیے شریعہ فرمایا کہ ان میں بستی ہو ۱ ان دونوں کو کون بول رہا ہے۔

کی صد کانوں میں اسی دہن ابھرے آہنی قلعی جوتیا مت تک پیدا ہونے والی اس آدم کو
بأن لھو الجنة کی بشارت سنا رہا تھا ایک صاحب نے کہا:-

انا آخذ ہما بدرہم۔ میں بیٹا ہوں ایک درہم میں

نیلام کرنے والے صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حاضرین کو مخاطب کر کے

من یزید علی درہم۔ ایک درہم پر اضافہ کون کرتا ہے،

کے نقرہ کے ساتھ قیمت کے اضافہ پر توجہ دلائی 'بالاخر دو درہم پر بولی ختم ہو گئی خریدار
کوٹاٹ اور پیالہ دے دیا گیا اور دو درہم جو قیمت میں وصول ہوئے تھے دونوں کو
حاجت مند انصاری کے حوالے کر کے ارشاد ہوا۔

اشتر بھذا طعاماً فانبتہ الی مولیٰ نیا اس سے تو ناناچ پھر اسے تو اپنے

اہلک و اشتر بآ لاخو قدوماً گھر والوں کے پاس ڈال دیجو، اور اس پر

فانتی بہ، سے ایک کلبھاری خرید کر سیرپ پاس لاؤ۔

حضرت انسؓ جو روایت کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ حاجت مند انصاری

نے یہی کیا اور کلبھاری خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، سب دیکھ

رہے تھے کہ جو کجھری ہوئی انسانیت کو خدا سے مانے آیا تھا، وہی صلی اللہ علیہ وسلم

شام عوداً ابیدہ ٹھونکی ایک بگڑی اپنے دست مبارک سے

لگڑی ٹھونک کر کلبھاری انصاری کے حوالے کی گئی اور اس کے بعد تاکید حکم دیا گیا،

اذھب فاحتطب وبع ولا ریناک جاؤ اور لکڑیاں کات کات کر لاؤ اور بیچو آ

خمسة عشر يوماً اور نہ دیکھو نکالیں ہرگز تمہیں پندرہ دنوں

(یعنی پندرہ دن تک طاقت نہ کرنا)

میلے گئے پندرہ دن بعد جب خدمت مبارک میں حاضر ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہہ رہے ہیں کہ حضور ان پندرہ دنوں میں دس درہم آمدنی ہوئی جس میں سے تو چند درہم کے کپڑے خریدے گئے اور چند درہم کا طعام (غذا) دیں بیالگیا، غنّس سے آفتاب کا اندازہ جس کے مبارک چہرہ کو کندن کی طرح چمکا دیتا تھا۔ انصاری کی یہ رپورٹ سن کر انہی کو طیب رکھے فرمانے لگے۔

هٰذِهِ خِيَالُكَ مِنْ اَنْ تَجْعَلَ الْمَسْئَلَةَ
مَكْتَبَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
یہ بجلا ہے تمہارے لئے اس بات سے
کہ تم آؤ اس حال میں قیامت کے دن کہ
بھیک (سوال) داغ بنا ہوا ہو تمہارے چہرہ میں۔

سو احسنہ، مشکاف و وحید بن بیداری | جن ذاتی الجھپیوں کے لئے تو حصول معاش

کی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کرنے کا نمونہ، اس سوہ حسنہ نبویہ میں مل رہا ہے
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس کی کتنی
ہریت تھی، انصاری سے جو آخری فقرہ فرمایا گیا ہے اس میں کلی طور پر آپ نے
اگر کسی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے یہ سلام کا ایک مشتمل قانونی باب ہے،
جس کی پوری تفصیل آئندہ اوراق میں ملے گی۔

ماہل اس کا وہی ہے کہ حتی اوسع اسلام نہیں چاہتا ہے کہ جماعت
اکوئی فرد اپنی توانائیوں کو بے کار ضائع کر کے دوسروں کی التسابی قوتوں سے
بازار نفع اٹھائے۔

مشکانی جدوجہد کے لئے تنہا کی تیسیخ | جس کا یہی مطلب ہے کہ اگر شب بیداری

سب پر فرض کر دی جائیگی تو بفضل اللہ کے اتنا یعنی نکاح معاش کے فریضہ سے لوگ محروم ہو جائیں گے اسلام نے نماز کے فریضہ کا اٹھایا گوارا کیا لیکن معاش کے فریضہ سے لوگوں کو روکنا پسند نہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلامی نقطہ نظر کے سب سے بڑے عملی شارح ہیں مختلف کتابوں میں آپ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ آپ بعد میں تشریف لائے دیکھا کہ جمع کو مخاطب کر کے ایک شخص کہہ رہا ہے

”جہاد کی نیاری میں میری کوئی مدد کر سکتا ہے“

نہیں جانتا کہ جہاد کا شمار اسلامی شریعت کی ان ہی عبادتوں میں ہے جو خدا کی طرف سے مسلمانوں پر فرض کی گئی ہیں اسی اسلامی عبادت میں مشغول ہونے کے لئے سائل مسلمانوں سے اہل طلب کر رہا تھا۔ لیکن سنتے ہو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کرتے ہیں راوی کا بیان ہے کہ آگے بڑھتے ہیں اور مدد لگانے والے کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور جمع کو مخاطب کر کے مدد لگاتے ہیں۔

جن لیسہ تاجہ منیٰ یحل ارضہ کون نوکر رکھتا ہے اس کو میری طرف سے اپنی زمین میں کام کرنے کے لئے۔

ایک صاحب نے عرض کیا مجھے ضرورت ہے، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہوار تنخواہ ملے کرنے کے بعد جہادی اہل طلب کرنے والے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بیچانے ہیں اور اپنے باغ اور کھیت کے کام میں لگا دیتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دماغ سے اس کا خیال نہیں نکلتا ہے کچھ دن گزرنے کے بعد مسجد ہی میں فرمایا فرماتے ہیں اس شخص کا کیا حال ہے جن صاحب نے نوکر رکھا تھا انھوں نے جواب

دیا کہ حضور اب تو وہ بڑے مرنے میں ہے۔ خواہ سے کافی سرمایہ اس نے جمع کر لیا ہے
ارشاد ہوا کہ اس سرمایہ کے ساتھ جو اس نے اس عرصہ میں کمایا ہے، میرے پاس
ذرا سے بھیج دینا، ارشاد کی تعمیل کی گئی، گلے میں ایک بھاری تھیلی (ریگ) لٹکائے
دیکھا جاتا ہے، کہ مسجد کا وہی سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ رہا ہے جب
وہ حضرت کے پاس آگیا تو آپ نے اس کی بھری ہوئی بوجھل تھیلی کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے فرمایا :-

خذ هذه فان شئت فالان غدا ان
شئت فاجلس (کنز العمال) پکڑو اس کو، پھر اب جی چاہے تو بھاگ کر دیا
جی چاہے تو (گھر) بیٹھو!

مسلمی کاروبار میں مشغولیت پر اسلام کا کتنا زور ہے وہ اس کی اہمیت پر کس حد تک
اصرار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس شہور
حدیث سے بھی ہو سکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ روایت فرماتی ہیں :-

قال النبي صلى الله عليه وسلم ان
فاعة الساعة وفي احدكم فسيلة
ان استطاع ان لا تقوم حتى
يؤم سها فليغمز سها!

(کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۰۰) تو چاہئے کہ اس پودے کو بودے۔

درجہ توبہ ہے کہ جلیل القدر حنفی امام علاء ابو بکر جصاص کا اگر یہ استدلال صحیح ہے
اور بظاہر اس کی صحت میں کوئی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ یعنی قرآن پاک کی آیت
میں مذکورہ نون کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے :-

انشاء کو من الاذن واستعمرہ اٹھا کر کھڑا کیا نہیں زمین سے اور

فیھا :- (ہود ۱۲) آبادی کا لئی تم سے اس زمین میں

جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں ۔

وفیہ الدلالة علی وجوب العمارة یہ بتاتی ہے کہ زمین کا آباد کرنا کھیتی

للزراعة والغراس لا ینبذہ باغبانی اور تعمیر کے ذریعہ سے واجب

(ص ۱۶۵ اج ۳) ہے ۔

جس کا یہی مطلب ہے کہ زمین کی عمارت (آبادی) خواہ بشل الزراعة (کھیتی)

بشل الغراس (باغبانی) یا بصورت الابنية (تعمیرات) قرآن کی آیت مذکورہ

بالا کی بنیاد علامہ جصاص حنفی کے نزدیک جائز یا سنت ہی نہیں واجب

اور فرض ہے ۔ گو اس شغل کی حیثیت وہی ہے جو نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ

کی ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ عربی زبان کے طرز خطاب سے جو وقف ہے وہ اس

استدلال میں کر دہی نخل سکنا ہے خصوصاً جب ہم تک ایک دو نہیں بلکہ تقریباً

مشہور و مستفیض روایتوں کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وہ حدیثیں پہنچی ہیں جن میں آپ نے اس کاشتکاری اور باغبانی کو بہتر

جس سے کاشت کرنے والے یا باغ رکھنے والے کے نفع سے بھی بلکہ

اس میں بھی جس سے وہ نفع گیر نہ ہوا اس کے متعلق بھی متمتع

بیرایوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخروی ثواب کی بشارت سناتے

ہوئے فرماتے ہیں :-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں

مسلمین سر نہ رہنا اولیٰ میں غریباً کوئی ایسا مسلمان جس نے کھیتی کی ہو یا درخت
 فیاکل منه طیراً و انساناً و بهیمۃ لگایا ہو، پھر اس (کھیتی یا درخت سے) پرندہ کھائے
 الاکانات لہ صدقۃ، یا آدمی یا جانور مگر یہ کہ ہوگا اس کی طرف سے صدقہ،
 (رداء البخاری فی صحیحہ)

وہ ظاہر ہے کہ اس کھیت یا باغ سے لگنے والوں کو اگر نفع نہ پہنچا، تو کیا ہوا، اس نے تو اپنا فرض
 ادا کیا، اور جس نے خدا کے حاکم کئے ہوئے فرض کو ادا کیا، ثواب کا مستحق وہ نہ ہوگا، تو اور کون ہوگا، ماسوا
 اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر بھی اشارہ فرمایا کہ کاشتکار اور باغبان نے خدا کی دی ہوئی قوتوں
 سے کام لے کر اس چیز کو جو معدوم تھی، وجود کے لباس میں جلوہ گر ہونے کا موقع دیا، اس سے اگر نفع کو
 نفع اٹھانے کا موقع نہ ملا، تو جماعت کی خدمت کا فرض تو رد بجا لایا، اور جماعت ہی نہیں، خدا کی دوسری
 زندہ مخلوق مثلاً پرند یا بہیمہ (چوپائے) اگر اس سے مستفید ہوئے، تو قصداً نہ یہی ضمتنا اپنے وجود
 اور اپنی توانائیوں کو، اس نے مفید ثابت کیا، اور اسلام یہی چاہتا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی قوتوں کو
 بے کار اور ضائع ہونے سے بچائے،

معاشی جدوجہد کا مقام عبادات میں: ہر مذہب اور دین کے متعلق راجح و غلط خیالات
 پھیلے ہوئے ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے کو یقین کر سکتا ہے کہ اسلام بھی باوجودیکہ ایک دین اور مذہب ہے
 لیکن جن مشاغل اور پیشیوں کو عام طور پر دنیاوی مشغلوں میں شمار کیا جاتا ہے، اسلام نے ان سب پر
 اتوری، جبر و ثواب کو مرتب کر کے ان کو وہی مقام عطا کر دیا ہے جو عام دینی فرائض و عبادات کا سمجھا جاتا ہے
 کہاں یہ نقطہ نظر کہ جو جس حد تک دنیوی کاروبار سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے گا،
 اسی حد تک خدا کے حضور میں بلندی حاصل کرے گا، اور کہاں یہ عقیدہ کہ دنیا کے
 مشغلوں میں نہما کر ان کے ساتھ اشتغال ہی کو خدا کی خوشنودی اور زندگی کا ذریعہ بنا جاتا ہے۔

دنیا کی آبادی و خوشحالی، آخرت کی آبادی :- یقیناً یہی اسی دین کا پیغام ہے جس نے
 ”استعَارِ اَرْضَ“ یعنی زمین کی آبادی کو بھی ان فرائض میں داخل کر دیا ہے، جن کی بجا آوری پر مذہب میں جنت کی
 آبادی کے وعدے کئے گئے ہیں، آخرت کو آباد کرنے کے لئے دنیا کو آباد کرو، بتایا جائے کہ اسلام کے سوا
 اس نظریہ کی دعوت کس نے دی ہے، اور کون دے رہا ہے۔

زینت اور افادہ معارف زندگی کی بلندی :- سچ تو یہ ہے کہ جس قرآن نے

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً لِّاِذَا﴾
 ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اوست زمین کا
 (المکھن ۱۵) سنگار بنایا ہے،

کا احسان کر کے ”ما علی الارض“ (یعنی روئے زمین پر جو کچھ ہے) اس کو زمین کی آرائش اور اس کا بناؤ سنگار
 قرار دے رہا ہو، تو پھر زمین کی پیداواروں میں دخل یعنی آمدنی اور نفع ہی کا پہلو کیوں پیش نظر رکھا جائے
 خود اسی قرآن میں جیل انسانی سواریوں تک میں یہ چاہا گیا ہے: کہ نفع کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھا
 جائے کہ ان سے ایک قسم کی آرائش اور زینت ہوتی ہے، تو خدا نے جن چیزوں کو زینت کے لئے بھی پیدا کیا ہے
 ان سے علاوہ مادی منافع کے زینت کا کام کیوں نہ لیا جائے۔

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَوْنَ﴾
 تمہارے لئے ان (موشیوں) میں جمال
 ﴿وَحِينَ تَضْمَكْنَ﴾ (الفحل ۱۲) حسن ہو، جب تم شام کرتے ہو اور صبح کرتے ہو،
 کے چونکا دینے والے فقرہ سے قرآن انسانی فطرت کی جمالیاتی جستجو کو ایک ”لذیذ یافت“ اس سہانہ نظر کی
 طرف متوجہ کر کے عطا کرتا ہے،

اسی طرح لباس کا ذکر کر کے ستر پوشی (محر و البرد) سردی و گرمی سے حفاظت کے جو فوائد ہیں،

ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ حسن و زیبائی، سچ و سچ کے جو نتائج لباس سے حاصل ہوتے ہیں، ان پر بھی
 تئیر کرتے ہوئے سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا،

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ اُنْزِلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا
يُؤَمِّرُكُمْ فِيهَا سُلُوكًا مِّنْكُمْ رَّبَّنَا (الاعراف ٦)
لے آدم کیسے بچو، ہم نے تم پر لباس چھپاتا ہے
شرمگاہوں کو تمہاری اور وہ آرائش (بھی ہے)
سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور تھا، کہ نیا جوڑا زیب تن فرماتے، تو اس وقت بے خستہ
زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے،

الحمد لله الذي كساني ما اولي
به عورتی و اتجمل بها في حيلواتي
ستائش ہر اس اللہ کے لئے جس نے پہنائی مجھ
وہ چیز جو چھپاتی جو میری ستر عورت کو اور جمال حاصل
کرتا ہوں میں اوس سے زندگی میں،

قبور تک میں جو دین انکھوں کی تنگی تلاش کرتا ہوں انکھوں کو بھلا معلوم ہو، ایسی قربانے کی تعلیم دیتا ہو
اذا رة کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی اور چیزوں کے متعلق حسن کاری اور حسن پسندی میں اس کا پاکیزہ مذاق کتنا بلند
اور ستمزاد ہوگا۔

جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے، اس سے اگر ایک طرف حسن پسندی تو دوسری طرف حسن کاری کی جو مسئلہ
افرائیوں پر کم روشی نہیں پڑ رہی ہے، مگر آج جو اپنا سب کچھ کھو چکے ہیں، ان مسلمانوں تک اس آوار کو کون پہنچا
کہ تمہارے اسلاف کے فنون لطیفہ کا ایک بڑا شعبہ جس پر آج یورپ سرد صحن رہا ہے، ان کی جالیاتی دلیلیوں میں
اس دینی تربیت کو بڑا دخل تھا، جو اس دین کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی امت کی کی تھی، اگر صحیح مسلم
کی یہ مشہور روایت صحیح ہے،

ان الله كتب الاحسان على كل شيء
قطعا اللہ نے حسن کاری ہر چیز پر واجب کی ہے تو

سے مطلب یہ ہے کہ فنون لطیفہ کی بعض ایسی شاخیں جن سے بڑھنے سے انسانیت کی حرکتیں متحرک اسلام نے ترکی حاکمات کیلئے فنون لطیفہ کی ایسی
شاخوں کا کثرت دینا ضروری خیال کیا جن میں سے زیادہ اہمیت تصویر کشی کو ہے، خوفاقی ظلمات کا وہ چیرتا ٹکڑا کاغذ جس کا نام دست می تھا۔
بت پرستی کی بدلت ساری مخلوق کے آگاہ انسان کو سارے کون جہان کی خلائی کا طوقی ان پر کھینچ دینا پڑا، اور جسکی بدولت آدمی کی دولت اور دینی
عزت بچھت، بلکہ انسانی حسرتوں پر سنائی اور ہر ایسی تصویروں کو جو زہر پڑی ہو، اس کا کون نازہ کر سکا، ہر آئندہ خالقوں انبواب میں بھی اس کا نام لیا جائے

فاذا ذبحتم فاحسن الذبح واذا
 قتلتم فاحسن القتل،
 جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو (یعنی سلیقہ کے ساتھ)
 اور ذبح ہونے کی نظر کوئی وجہ نہیں، کہ مسلم کے سوا بھی صحاح کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ تو اس کا
 مطلب یہ ہے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ حسن و جمال کے قابل ہیں ڈھالے بغیر اسلام نہیں چاہتا کہ کسی مسلمان کو
 کوئی فعل بھی صادر ہو،

صنعت اور حسن کاری :- سب آخری کام جس میں حسن کاری کا آدمی خیال نہیں کر سکتا، وہ قتل
 اور ذبح کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، اگرچہ ان افعال میں بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے، کہ حسن پیکر نے
 کی کوشش کی جائے، تو ان صناعات اور کاریروں میں جن میں عموماً آدمی کی فطرت متناسب و جمال کو چاہی اذرا دیکھا
 جاسکتا ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر کیا ہو سکتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ فرمانے کے بعد کہ
 ان الله كتب الاحسان على كل شيء اللہ نے ہر چیز میں حسن کاری کو واجب کیا ہے،
 کسی مزید گفتگو کی حاجت بھی نہیں رہتی، نیز حدیث کے اس حصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسن پسندی آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی مذاق بھی نہ تھا، بلکہ ہر چیز میں حسن پیدا کرنے کو اسی نے بندوں پر واجب کیا ہے، اور اسی کو واجب بھی
 کرتا ہے چاہے تمہا جس پر اچانچ جمال کے متعلق ارباب مشاہدہ کا بیان ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے۔
 ان الله جميل ومحيب الجمال، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہیں اور جمال کو

(مسلم وغیرہ) پسند فرماتے ہیں،

حسن کارصناع :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے،
 ان العبد اذا عمل عملا
 حبب الله ان يتقنه کہ اس میں اتقان پیدا کرے یعنی اس کو ٹھیک جیسا کہ
 چاہئے اسی طرح انجام دے۔ (کنز العمال)

واسم علی اہلک و عیالک حلاکۃ ذکر اللہ میں مشغول ہونے والوں کی محبت اور اپنے اہل و عیال کیلئے
 فان ذلک جہاد فی سبیل اللہ حلال روزی کی خواہش، الغرض یہ سب چیزیں جہاد کی عدم حاکم
 کی قائم مقامی کرتی ہیں، چاہئے کہ اپنے اہل و عیال کیلئے طلب حلال میں کوشش کرو کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے ۱۲
 ارشاد گرامی کا آخری حصہ یعنی،

واسم علی اہلک و عیالک حلاکۃ اور چاہئے کہ اپنے اہل و عیال کے لئے طلب حلال کی کوشش کرو
 فان ذلک جہاد فی سبیل اللہ، کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے،
 میرے نزدیک تو سورہ نزل ہی کی آیتوں سے بظاہر مستیضاح ہوتا ہے۔

مثل هذا یذوب القلب من مکد ان کان فی القلب ایمان و اسلام
 اسلام نے معاشی مسائل سے دلچسپی کا حق ادا کیا ہے اسلام اور کیا کرتا، اسلام کا
 رسول (صلوٰۃ اللہ علیہ) اور کیا کہتا، جو کچھ کہا جاسکتا تھا، اور جو کبھی کسی سے نہیں کہا گیا تھا، سب تو کہید یا
 گیا تھا، پھر اگر کسی قوم کو اسی پر امر ہو کہ جو کچھ کہا جائے گا، ہم نے طے کر لیا ہے کہ وہ نہیں گے، پھر اس کا
 علاج کس کے پاس، رسول کو تو رسول کے خدا نے بھی کہید یا تھا،

فذکر انما انت مذکور لست علیہم تم چو نکادو، ان پر تم کو داروغہ نہیں بنایا گیا ہے
 بمسیطر الا من تولیٰ و کفر فی ذلک پھر جو بیٹھ پھیرے، اور انکار کرے گا، تو اللہ
 العذاب الا کبیر، اس کو بڑا عذاب دے گا،



حکومت اسلامی اور معاشی نظام

اس

ڈاکٹر قاضی عبدالحمید ام ایس پی ایچ ڈی

حکومت اسلامی اور معاشی نظام

صحیح معانی میں مساوات اور جمہوریت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک جماعت کا نظام معاشی بھی عادلانہ اصولوں پر استوار نہ ہو۔ انقلاب فرانس نے اسلامی اثرات کے تحت سیاسی مساوات کے اصول کو پیش کئے لیکن ایک عادلانہ معاشی نظام کو پیش نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام آزاد ہو گئیں لیکن قومی زندگی میں نسل آزادی کے باعث طبقوں کا وجود ہو گیا چند ہاتھوں میں دولت ضرورت سے زیادہ جمع ہو گئی۔ ایک طرف سرمایہ اور پیدا ہو گئے اور دوسری طرف قلیل مزدور جماعت میں اس تضاد کے باعث تفرق پیدا ہو گیا اور یورپ آج اسی سرمایہ اور مزدور کی جنگ میں مبتلا ہے۔

اسلام نے ایک ایسا نظام معاشی پیش کیا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہے اور ایک طرف تو وہ افراد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی احتیاجات کے لئے دولت کمائیں اور دوسری طرف اس نے ضرورت سے زیادہ دولت کے جمع ہونے پر حد و حدائد کر دیں؟ نہ تو کمینورم کی طرح مکمل طور پر نجی جائیداد کو فنا کر دینا چاہتا ہے اور نہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح لوگوں کو بغیر کسی قید کے دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے اس کا نظام معاشی ایک درمیانی عادلانہ نظام ہے اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ خیر الامور وسطہا یہی اصول اسلام کے معاشی نظام میں بھی کار فرما ہے۔

وہ دولت کمانے کی لوگوں کو تشہید دیتا ہے کیونکہ دولت بھی ایک خیر ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جائز معیشت کے لئے جدوجہد اللہ کی عبادت کے بعد فرض ہے اپنی احتیاجات کے لئے طلب رزق اسلام میں فرض ہے لیکن اس سے زیادہ کو اسلام اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

یَسْتَلُونَكَ اَذِیْنَقُتُوْنَ قَتْلَ الْعَفْوِ وَتَمْرٍ وَنَجْمٍ مِّنْ کَرِیْمٍ کہہ دو کہ جو تمہاری احتیاجات ہیں ان کے لئے
تو اصول پر نہا۔ رسول اور خلفائے راشدین کا عمل تھا۔ رسول صلعم کا جب انتقال ہوا تو نہ آپ نے کوئی مال متاع

چھوڑا اور نہ کوئی جائیداد حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے دورانِ خلافت میں اپنی معمولی ضروریات سے زیادہ بیت المال سے کبھی کچھ نہ لیا اسلام نے اپنے تمام قوانین کے ذریعہ اس کا مکمل انتظام کیا اور نہ چند ماہوں میں جمع نہ ہو جائے بلکہ وہ دست بدست گھومتی رہے جس طرح پانی ایک جگہ جمع ہو کر گدلا ہو جاتا ہے اور انسانوں کی صحت کو خراب کر دیتا ہے اسی طرح دولت جب چند لوگوں میں جمع ہو جاتی ہے تو رجوعت کے لئے بحیثیت مجموعی تباہی کا باعث ہوتی ہے سرمایہ داری اسلام میں قطعاً حرام ہے، اسلامی اصطلاح میں اس کو اکتنا زاولہ احتکار کہا جاتا ہے، اکتناز کے معنی ہیں ضرورت سے زائد دولت کا جمع کرنا اور احتکار کے معنی ہیں صرف چند طبقوں میں ذخائر دولت کا جمع ہو جانا۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يَفْقَهُوْنَ مَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ
جولوگ سونا، چاندی، خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی
راہ خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی بشارت دیدو۔
(توبہ)

كُلٌّ لِّلَّيْكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْعِثْيَاءِ مَكْمَلٌ
(حسنہ)
فقر، مساکین، قرائین اور یتیموں وغیرہ پانڈے جو خرچہ کرنا
طریقہ بتایا ہی اسلئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ال دولت صرف قریبیوں میں محدود رہے۔

اسلام عرض کرنا کہ قوم کی معاشی زندگی کو اخلاقی مقاصد کے تابع قرار دیتا ہے اور جماعت کے بحیثیت کلی فائدے کے معاشی معاملات میں ریاست کی مداخلت تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بلال بن عمارؓ سے زائد زمین واپس لے کر دوسرے مسلمانوں کو دیدی جس کی وہ خود کاشت نہ کر سکتے تھے۔ اسلام میں شروع سے زمین کو ریاست کی ملک تسلیم کیا گیا ہے "الارض للہ" تمام زمین اللہ کی ہے۔ اللہ کی نائب اس اس دنیا میں حکومت الہی ہے اس لئے تمام زمین کی دراصل وہی مالک ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اس زمین کو جماعت کے فائدے کے لئے استعمال کرے حضرت عمرؓ نے عراق کی تمام زمینوں کو حکومت کی ملک قرار دیا اس مسئلہ کے لئے مدینہ میں ایک عظیم الشان مجلس منعقد ہوئی جس نے اس فیصلہ کی تصدیق کی

حضرت علیؑ نے بھی تائید میں تقریر فرمائی۔ عہد مغلیہ میں بھی زمین ہمیشہ ریاست کی ملکیت تسلیم کی گئی تھی اور ریاست کو اس کا ہر وقت حق تھا کہ وہ جاگیر داروں سے ان کی زمین واپس لے لے چنانچہ بعض اوقات زمینیں واپس لے لی جاتی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ہندوستان کی زمین آج بھی بدستور سابق عراق کی اراضی کی طرح عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہے یعنی بیت المال کی ملکیت سے کسی شخص و فرد کی ملکیت نہیں، زمینداروں کو جو دھری اور متولی ہونے سے زیادہ کوئی حق نہیں (فتاویٰ شاہ عبدالغنیؒ)

مولانا محمد علی تھانوی لکھتے ہیں کہ:-

”ارضی ہند زعفری ہیں زعفری جی بلکہ اراضی فوزہ ہیں یعنی بیت المال اور حکومت کی ملکیت ہیں شخصی ملکیت نہیں ہیں۔“

جس طرح زمین کے انتظامات میں اجتماعی مفاد کے لئے ریاست اسلامی کو مداخلت کا حق ہوا اسی طرح تجارت و صنعت و حرفت کے فروغ میں بھی ریاست اسلامی اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھتی ہے۔ وہ ذاتی جدوجہد کو اشتراکیت کی طرح ختم تو نہیں کرتی

لیکن اس کا ہمیشہ خیال پیش نظر ہوتا ہے کہ افراد کے مفاد کے ساتھ جماعت کو بھی بحیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اس قسم کے ذخائر دولت جس میں افراد کو زیادہ محنت، نگرنا پڑے اور جو مفاد عامہ کے لئے بہت ضروری ہوں ان کو اسلام انفرادی ملکیت تسلیم نہیں کرتا۔ مثلاً چراگاہوں پر کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ تمام مسلمان پانی گھاس اور سوختہ میں برابر کے شریک ہیں۔

اسلام کے معاشی نظام میں غرض کہ انفرادی اور اجتماعی نظامہائے معیشت کی بہترین خوبیوں کا جمع کیا گیا ہو، ایک طرف فرد کو، دولت کمانے کی ترغیب دلاتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جماعت کو بحیثیت کلی فائدہ پہنچے۔ وہ سب کے لئے معیشت کے حق کو تسلیم کرتا ہے گو کہ وہ اخلاقی طریقہ-

لوگوں کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی احتیاجات سے زائد کو جماعت کے فائدے کے لئے وقف کر دیں۔ زکوٰۃ کے ذریعہ وہ امیروں پر ٹیکس بٹھاتا ہے تاکہ بیروزگاری کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلامی ریاست میں کوئی بیروزگار نہیں ہو سکتا۔ پانچویں اور بیروزگاروں کی امداد بیت المال سے وظائف کے ذریعہ کی جاتی ہے غیر مسلم رعایا کو بھی اس بیت المال سے فائدہ اٹھانے کا اُسی طرح حق ہے جس طرح کہ مسلمانوں کو چنانچہ غیر مسلموں کو بھی خلافت راشدہ میں بیت المال سے وظائف مقرر تھے۔

اسلامی معاشی نظام کا وسیع مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں قوم کی معاشی زندگی کی ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ خزانہ دولت متاع ہوئے۔ اس طرح انتظام کرے کہ بحیثیت مجموعی جماعت خوش حال ہو جائے۔ وہ اس کا انتظام بعض اوقات انفرادی ملکیت کو تسلیم کر کے بھی کر سکتی ہے۔ اور بعض اوقات اجتماعیت کے اصولوں کے مطابق بھی اس کا انتظام کر سکتی ہے۔ کسی خاص زمانے میں کون طریقہ کار جماعت کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اس کے متعلق فیصد کرنے کا حق ریاست کے امیر اور اس کے ارباب حل و عقد کو ہے۔ معیشت میں غرض کہ کوئی طریقہ کار کیوں نہ اختیار کیا جائے جس کا انحصار کسی خاص مانے کے حالات اور اسباب پر موقوف ہے لیکن یہ بات صاف ہے کہ اسلامی معیشت کا مقصد بحیثیت مجموعی جماعت کی فلاح و بہبود ہے اور وہ اس کے لئے معاشی جدوجہد میں ہر وقت مداخلت کر سکتی ہے۔ وہ ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں نہ غریب ہوں نہ غنوت سے زیادہ امیر بلکہ متوسط اور خوشحال انسان ہوں جو انسانیت کی فلاح و بہبود میں مصروف ہوں۔ دنیا نے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کے تجربے کئے اور اس میں سیکڑوں خامیاں پائیں۔ اب ضرورت ہے کہ ایک فطری نظام معاشی کا بھی تجربہ کیا جائے جسے اسلام پیش کرتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آج کل کی تمام معاشی مشکلات کا بہترین حل کرے گا۔

اسلامی معیشت و تجارت

اس

(ڈاکٹر) مولینا حبیب الرحمن خالصا شروانی
(نواب صدیہ جنگ بہادر)

اسلامی معیشت و تجارت

کسب معیشت :- اسلام نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی کی نسبت تفصیل و اہتمام کے ساتھ احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ ذرائع معیشت و تجارت و حرفت کی نسبت بھی اپنے متبعین کو شرح و بسط کے ساتھ ہدایت دی ہے۔ معاشی استبداد سے محفوظ کمائی :- ملاحظہ فرمائیے اسلام نے کسب حلال کی تاکید کس شدت کے ساتھ کی ہے۔ ارشاد نبوی ہوتا ہے (۱) **طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ لِّعَالِ الْفَرِيضَةِ** فرائض الہی کی بجا آوری کے بعد حلال روزی کا طلب کرنا فرض ہے غور کیجئے فرماتے ہیں کہ حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مستحب ہے یا سنت ہے یا واجب ہے بلکہ فرض قرار دیا ہے اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے **أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْكَسْبُ مِنَ الْحَلَالِ** حلال طریقہ سے روزی کمنا یہ تمام اعمال میں افضل ہے سنت سے بہتر عمل یہ ہے کہ انسان کسی جائز ذریعہ سے حاش حاصل کرے۔

(۳) اس سے بڑھا ہوا لفظ ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے **طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ** حلال کا طلب کرنا جہاد ہے اس لئے کہ جس طرح جہاد میں قدم قدم پر مشکلیں ہیں اور انسان کو ایثار کرنا پڑتا ہے طلب حلال میں بھی مشکلات و عرعام کی آمدنی سے قطع نظر کرنا لازم ہوتا ہے۔

(۴) اس سے بھی زیادہ اہتمام و تاکید ان الفاظ سے پائی جاتی ہے **مَلَجَاءُ نِيْ جِبْرِئِلَ إِلَّا أَنْ مَرِنِيْ بِهَاتَيْنِ اللَّعْنَتَيْنِ اللَّهُمَّ لَمْزْنِيْ طَيِّبًا وَاسْتَعْمِلْنِيْ صَالِحًا**

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جبریل کبھی میرے پاس نہیں آئے مگر ان دودھ دانوں کے پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ دعائیں یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے پاک رزق دے اور مجھ سے نیک کام کرا۔ یہ گویا امت کو تعلیم دینا ہو کہ ہر مسلمان ان دعاؤں کو پڑھا کرے ان پر کاربند ہے۔ پاک رزق اور نیک عمل یہ دو باتیں ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے حکم کا لفظ بھی قابل غور ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے پاک رزق کے لئے کیسا اہتمام اسلام نے قائم کیا ہے۔

محنت کی اہمیت :- ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے **طَلَبُ الْحَلَالِ مِثْلُ مَقَارِعَةٍ** **الْأُطْلَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ بَاتَ عِيَّامًا طَلَبَ الْحَلَالِ بَاتَ وَاللَّهُ عَنْهُ رَاضٍ** حلال کا طلب کرنا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادری سے لڑنا اور جو شخص رات کو حلال روزی کی طلب میں تھک کر سو جائے تو وہ ایسی حالت میں سوتا ہے کہ خدا اس سے خوش ہے۔ جیسے کہ طلب حلال کو راہ خدا میں لڑنے سے تشبیہ دی ہے اور لڑنا بھی کس سے معمولی لوگوں سے نہیں جو ان مردوں سے اور جب کوئی شخص تھک کر سوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ چور چور ہو گیا تو خدا اس سے راضی ہوتا ہے۔

تجارت کا شرف، حضور تاجرتھے :- اسلام نے تجارت کو اصول صداقت پر چلانے کا نسبت خاص ہدایت دی ہے اور تجارت کو یہ خاص شرف ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی ہے آپ مال تجارت لے کر شام گئے ہیں۔

تاجر کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے **التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ** **الْبَيْتَيْنِ وَالصَّدِيقَيْنِ وَالشَّهْدَاءِ** سچا تاجر جو امانت دار ہو انبیاء اور صدیقین اور شاہدائے رہے گا خیال فرمائے کیا مراتب ہیں جو سچے اور امانت گزار کو بخشے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سچائی اور امانت گزاری میں قدم قدم پر اسے مشکلات میں پھنسا اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ہر منزل نفس کا امتحان ہوتا ہے۔ لوگوں کی چیزوں کو حفاظت سے رکھنا اور سچ پر قائم رہنا دونوں نہا

مشکل ہیں۔ اس وجہ سے ایسے تاجر کو انبیاء و شہداء کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں **التَّاجِرُ الصَّدُوقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا۔

تیسری حدیث میں فرمایا جاتا ہے **أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ حَتَّى يَمُرَّ** سب سے پہلے سچا تاجر داخل ہوگا۔

دیکھیے سچی تجارت نے کیا کیا نعمتیں عطا کیں! انبیاء و شہداء کی معیت حاصل ہوئی عرش کے سایہ کے نیچے پہنچ گئے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوئے! اس سے بڑھ کر کسی انسان کی کیا خواہش ہو سکتی ہے میں نے اس کے قبل ایک تقریر میں بیان کیا تھا کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے دین و دنیا دونوں کو باہم جمع کر دیا۔ یہ اس کا مزید ثبوت ہے سچائی کے ساتھ تجارت کیجئے! اس میں امانت گزاری کو ملحوظ رکھئے۔ تو دنیا میں بھی کمایا ہے اور آخرت میں یہ مدارج ہیں کہ عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی انبیاء کے ساتھ ہوں گے جنت میں سب سے پہلے جائیں گے! اور اگر اس طریقہ سے انحراف کیجئے تو پھر آپ جانیں اور آپ کی تجارت جانے۔

تاجر راحت زندگی ہیں! ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے **أَوْصِيَكُمْ بِالْتَّجَارَةِ خَيْرًا وَأَنْتُمْ بَرُّ الْأَفَاقِ وَأُمْنَاءُ اللَّهِ عَلَى الْأَرْضِ** میں تم کو تجارت کے معاملہ میں بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ لوگ دنیا کی راحت ہیں اور اس سر زمین پر خدا کے امین ہیں۔

ایک اور حدیث شریفین میں ارشاد ہوتا ہے **مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا لَمْ يُعْطَ فَاعْنِ الْمُسْئِلَةَ وَسَعْيًا عَلَى أَهْلِهِ وَتَعَطُّفًا عَلَى جَارِهِ لَعَنَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهَهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَهَا حَلَالًا مَكَارِئُهَا مَفَاخِرُ النَّفَقِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانٌ**

جو شخص دنیا کو حلال طریقہ پر طلب کرے اس غرض سے کہ سوال کی ذلت سے بچے اور بالآخر اس کے لئے کوشاں ہو جائے ہمارے ہر ماہر، اگر سے تو خدا کے تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس طرح اٹھائے گا کہ اس کا

چہرہ چاند کی طرح ہوگا جو ایملۃ البدر میں چمکنا ہے اور جو شخص دنیا کو حلال طریقہ پر طلب کرے لیکن اس کی غرض
یہ ہو کہ اس میں زیادتی پیدا کرے اور اس پر نازاں ہو تو وہ خدا کے عزر و جل سے اس حالت میں ملے گا کہ خدا تعالیٰ
غضبناک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا غضب میں آنا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے بڑی اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ خدا ہم سب کو
اس سے محفوظ رکھے۔

ذلت سوال اور عمل صدیق :- سوال کے لفظ پر مجھے ایک قصہ یاد آیا ہے وہ اس کا غزب میں نہیں ہو
جو ہیں آپ کو پڑھ کر سنا رہا ہوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانے میں اونٹ پر
سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستے میں آپ کے ہاتھ سے کوڑا نیچے گر جاتا ہے آپ اونٹ کو ٹھیراتے ہیں اسے بٹھا کر
خود نیچے تشریف لاتے ہیں۔ کوڑے کو اپنے ہاتھ سے اٹھاتے ہیں اور پھر اونٹ پر سوار ہو جاتے ہیں اس حرکت کو
دیکھ کر آپ کے ہمراہی آپ کی دریافت کرتے ہیں۔ یا امیر المؤمنین کیا ہم یہ کوڑا اٹھا کر آپ کو نہیں دے سکتے تھے؟ آپ
جواب دیتے ہیں بیشک تم مجھے دے سکتے تھے لیکن میرے محبوب (فداہ البی واسی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ سوال سے بچتے رہو جب میں اس کوڑے کو خود لے سکتا تھا تو تم سے سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تھا ان بزرگوں کا
سوال سے پرہیز کرنا اور مسئلہ کی ذلت سے بچنا آج دیکھئے کہ سوال کے کیا کیا دھڑک تڑپنے لگے ہیں۔ اور کس کس
عنوان سے احتجاج کرتے ہیں!

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔ آخری زمانے کے متعلق بھی حدیث شریف میں شیخین کوئی وارد ہو چکی ہے
اور محضر صادق روحی فرماتے ہیں امت کو آگاہ کر دیا ہے کہ کوئی ناناہ ایسا آنے والا ہے جس میں حالت اس درجہ
سقیم ہو جائیگی فرماتے ہیں قل ما یوجد فی اخر امتی درہم من حلال و اخ یوثق بہ۔

میری امت کے آخری زمانے میں بہت کم ایسا ہوگا کہ حلال کا ایک درہم یا کوئی ایسا بھائی مل سکے
جس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ حلال کا ایک روپیہ، قابل اعتبار کوئی مسلمان مل جائے یہ بہت کم ہے۔ کیا یہ وہی

زمانہ تو نہیں ہے جس کی پیشین گوئی کی تھی؟

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَجْعَلُ مَوْءُكُ سَبَّ مَالِ الْحَرِّ مَا فَاَنَّهُ اِنْ اَلْفُوْهُ
اَوْ تَصَدَّقَ مِنْهُ لَمْ يَقْبَلْ مِنْهُ وَاِنْ اَمْسَكَ لَمْ يَمْلِكْ لَهُ فِيْهِ اِنْ مَاتَ وَتَرَكَ كَانْ سَرَّ
اَلِى الْمَتَّاسِ۔

اگر کوئی ایسا شخص ہے جس نے حرام سے کوئی مال کمایا ہو تو اس پر خوش نہ ہونا چاہئے کیونکہ اگر وہ اسے خیرات
کریگا یا صدقہ دیگا تو وہ قبول نہ ہوگا۔ اگر جمع رکھے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور اگر مر جائیگا اور ترکہ چھو جائے تو کھاگ میں
جھونک دیا جائے گا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ ناجائز طریقہ سے کمایا تو کیا مضائقہ صدقہ دیدیں گے تو پاک ہو جائے گا۔ صدقہ تو ایسے
مال سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

ایک اور حدیث شریف میں استقلال کی تاکید کی جاتی ہے فرماتے ہیں مَنْ رَزَقَ مِنْ شَيْءٍ فَلْيَكْرِمْهُ
اگر کسی کو کسی تجارت میں نفع ہو تو اسے چاہئے کہ مضبوط پکڑ لے یہ خیال کرنا چاہئے کہ دیر ہو رہی ہو لوگ
گھبرائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھئے اتنا عرصہ گزر گیا ہمیں اس تجارت کو کوئی نفع نہ ہوا۔ اس کی نسبت ارشاد ہوا
کہ استقلال کے ساتھ کرو۔

تجارت میں استقلال کے ساتھ صرف ہونے کی جانب ایک اور حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔
التَّاجِرُ الْبَاجِبَانِ مُحَرَّمٌ وَالتَّاجِرُ الْخَصُوصُ مَرْزُوقٌ۔ کم ہمت تاجر یا کام رہتا ہو اور مستقل مزر
کا میاب ہو جاتا ہے۔ روزی پاتا ہے۔

شرکت تجارت۔ تجارت کی ایک صورت شرکت و مضاربت وغیرہ ہے ہمارے یہاں کامقولہ ہے
شرکت کی ہندیا گھوڑ پر چھوٹا کرتی ہے لیکن آج ساری دنیا میں بڑی بڑی تجارتیں شرکت کی صورت میں جاری ہیں
مسلمانوں کو شرکت کے لئے کیا خوشخبری دی گئی ہے وہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُوْلُ اَنَا تَالِیْہِ

الشِّرْكِيِّنَ وَالْمُخْنِ أَلْحَدَهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا لَمَخَانَهُ خَرَجَتْ مِنْ بَيْنِهِمَا۔

خداے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دو شرکوں کے درمیان تیسرا ہوں جب تک کہ کوئی ان میں سے اپنے ساتھی

خیانت نہ کرے مگر جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

فرمائیے جب تک دو بار میں خود خدا کے تعالیٰ شریک ہو اس کی کامیابی میں کوئی شک ہو سکتا ہے یا نہ ہو سکتا۔

برکت والا ہو گا وہ معاملہ جس میں پروردگار عالم کی بھی شرکت ہو لیکن اس کے ساتھ دیانت کی بھی شرط ہے۔ اگر

دیانت نہیں ہے تو نہ خدا کی شرکت ہے نہ اس میں کوئی برکت جب خدا و دیان سے نکل جاتا ہے شیطان آجاتا ہے

تجارت خارجیہ :- اس کے بعد اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے کہ اگر تجارت بالکل ہی نجیل سکے تو کیا

کیا جائے فرماتے ہیں مَنْ تَعَدَّتْ عَلَيْهِ التِّجَارَةُ فَعَلَيْهِ الْبُعْثَانُ جس شخص پر تجارت کامیاب

نہ ہو جائے وہ عمان چلا جائے مطلب یہ ہے کہ دوسرے مقام پر دوسرے شہر میں جا کر تجارت کرے

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ مصر چلے جاؤ پھر فرمایا اس کی مغربی جانب بڑھ جاؤ چنانچہ اس کے الفاظ ملاحظہ

مَنْ أَعْيَتْهُ الْمَكَاسِبُ فَعَلَيْهِ مِصْرٌ وَعَلَيْهِ بِالْجَانِبِ الْعُرْبِيِّ مِمَّا۔

معاملہ، شیطان اور گناہ :-

ایک اور ارشاد یہ ہوا ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ عَشَّنَا جس شخص نے خیانت کی وہ ہم میں نہیں ہے پھر

ارشاد ہوتا ہے يَا مَعْشَرَ التَّجَّارِ إِنَّ الشَّيْطَانَ وَالْإِنَّمُ يُخَضِّرَانِ الْبَيْعَ فَتَسْتَوُوا بِعِلْمِ الْبَصَانَةِ

اے گروہ تجارتی شیطان اور گناہ دونوں یہ جو حاضر ہوتے ہیں اسلئے تم اپنی خرید و فروخت کو صدقہ و سی پاک کیا کرو

آداب تجارت :- اس کے بعد ملاحظہ ہوں آداب تجارت، غور فرمائیے اسلام کی مہارت پسندی نہ

معاملہ میں کس درجہ پاکبازی کو ملحوظ رکھتا ہے ان ہدایات و آداب کو کوئی شخص ملحوظ نہ رکھے اور پھر اس کو کامیابی

نہ ہو یہ غیر ممکن ہے فرماتے ہیں أَطِيبُ الْكَسْبِ الْكَسْبُ الذِّينِ إِذَا احْدَثُوا لَمْ يَكُنْ لَوْ

وَإِذَا يَتَمَوَّلُوا لَمْ يَخُونُوا وَإِذَا وُعِدُوا لَمْ يَخْلِفُوا وَإِذَا اشْتَرَوْا لَمْ يَدُسُّوا وَإِذَا

بِأَحْوَالِهِمْ لَطِيفٌ ۖ وَإِذَا حَكَانَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَطِيلُوا ۚ وَإِذَا حَكَانَ لَهُمْ لَمْ يَعْرِوْا
 پاکیزہ ترین کمائی تاجروں کی کمائی ہے اور ان کی بدشان ہے کہ جب گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ بھد
 بولتے جب ان پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو خیانت نہیں کرتے اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے توڑتے نہیں اگر
 خبیثہ ہے تو اس چیز کی برائی نہیں کرتے اگر بخیر ہے تو اس کی تعریف کے بل نہیں باندھتے اگر ان پر کسی
 قرض ہوتا ہے تو طوالت نہیں دیتے اور اگر ان کا روپیہ کسی سے نکلتا ہے تو اس پر سختی نہیں کرتے
 ایک اور حدیث ملاحظہ ہو اَدْخَلَ اللَّهُ لِلْجَنَّةِ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُشْتَرِيًا وَبَايِعًا
 قَاضِيًا وَمُقْتَضِيًا۔

خدا نے تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا جو اپنے معاملات میں خریداریا بائع کی حیثیت
 سخت گیر نہ ہو معاملات کو نرمی کے ساتھ جاری اور تصفیہ کرتا ہو۔
 ایک حدیث میں پانچوں کی تجارت کی تعریف اور غلہ کی مذمت وارد ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔
 عَلَيْكَ بِالْبُرْقَانِ صَاحِبُ الْبُرْجِجَةِ ۖ أَنْ يَكُونَ النَّاسُ بِخَيْرٍ وَفِي حُصْبٍ
 کپڑے کی تجارت کرو کیونکہ کپڑے کے تاجر کو یہ بخلا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خوش حال و رفیع
 البالی میں رہیں تاکہ اچھا لباس پہن سکیں۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر کشینچے والوں پر ہوگا۔ ان سے کہا جائے گا کہ جس چیز کو
 تم نے پیدا کیا ہے اس میں جلن ڈالو مگر انسان کی کیا طاقت ہے کہ بے جان تصویروں کو زندہ کر دے لہذا
 اس پر عذاب کیا جائے گا۔

حرقہ یعنی دستکاری کی تعریف میں بھی حدیث وارد ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللَّهَ
 يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُحْتَرِفَ۔

اللہ تعالیٰ اس بندہ کو دوست رکھتا ہے جو عاصی و عاصیہ ہو۔

اسی طرح کاشت کاری کی تعریف فرمائی گئی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ **أَحْرَثُوا فَإِنَّ الْحَرْثَ مُبَارَكٌ**۔

زراعت کرو کیونکہ زراعت باعث برکت ہے۔

سلائی اور چرخہ کی بھی تعریف احادیث میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ **عَمَلُ الْأَبْرَارِ مِنَ الرِّجَالِ الْخَيَّاطَةِ. وَعَمَلُ الْأَبْوَامِ مِنَ النِّسَاءِ الْمَغْزَلِ**۔

مردوں میں سے نیک مردوں کا کام خیاطہ یعنی سلائی ہے اور عورتوں میں نیک عورتوں کا کام

چرخہ کا تنا ہے۔

تجارت صحابہ کی روایات :- یہاں تک تو وہ احادیث تھیں جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں لیکن باب تجارت میں بہت سی اور حدیثیں صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں چنانچہ چند حدیثیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیں آپ کو سناتا ہوں۔

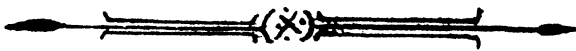
قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَوْلَا هَذِهِ الْبُيُوتُ صِرْتُمْ عَالَةً عَلَى النَّاسِ۔

عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ اگر یہ بیع و شری نہ ہو تو تم لوگوں پر بار ہو جاؤ گے۔

کیا مطلب! انسان کی تمام ضرورتیں بیع و شری سے متعلق ہیں۔ جب تک ضرورت کی تمام چیزیں بیع و شری میں نہ آتی رہیں انسان کی ضرورتیں کیونکر پوری ہو سکتی ہیں؟ پھر فرماتے ہیں۔

مُلْتَبَسَةٌ فِيهَا بَعْضُ الدَّائِمَةِ خِلَافٌ مِنْ مُسْئَلَةِ النَّاسِ۔

وہ کسب و کسب میں متھوری سی دناست بھی ہو لوگوں سے مانگنے سے بہتر ہے۔



اسلام اور معیار زندگی

انس

مولینا الیاس برقی آم ایسے ایل۔ ایل۔ بی۔ ایل۔
ناظم دارالترجمہ سابق صدر شعبہ معاشیات (جامعہ عثمانیہ)

ترک دنیا پر ترجیح دی کہ علم و عمل کا کمال ظاہر ہو چنانچہ انسانیت کے بہترین نمونے نبی مودود سولہ مانے جاتے ہیں ان میں بادشاہ بھی ہوئے وزیر بھی ہوئے سپہ سالار بھی ہوئے دُنیادار بھی ہوئے یعنی ان کے بیوی بچے تھے گھر بار تھے کاروبار تھے۔

اگر دُنیا کو ایک دیر یا مانا جائے تو ان تینوں کا ایسی مثال ہے کہ ایک دیر یا میں کو دیا۔ مگر تیرا کہ نہ تھا ہاتھ میرا کہ نہ ڈوب گیا دوسرا دیر یا کے کٹے بیٹھا رہا۔ ڈوبنے کے خوف سے دیر یا میں نہ اترا قیر عین تیرا کہ نہ سیکھا اور دیر یا میں اترا کہ خوب کمال دکھایا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پانی انسان کو لازماً ڈوباتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت انسان عدم توازن سے ڈوبتا ہے۔ اگر اس کا توازن صحیح قائم ہو جائے تو خود پانی میں ایک سنبھلنے والی طاقت پوشیدہ ہے۔ توازن صحیح کے ساتھ جیسا سنبھالنے کا ربط قائم ہو جاتا ہے تو پھر ڈوبنا اتنا ہی دشوار ہو جاتا ہے جتنا کہ تیرا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم بھی ربط سکھاتی ہے الوہیت اور رسالت جن کا خلاصہ کلمہ توحید ہے جب علم و عمل میں ان کا توازن قائم ہو جائے تو اس حالت کو عبادیت کہتے ہیں۔ گویا عباد دُنیا کا تیرا کہ ہے اور تیرے وقت اس کو جو دُنیا میں باطنی سنبھال محسوس اور منکشف ہوتی ہے وہ اصطلاحاً ربوبیت کہلاتی ہے جو رب کی طرف سے آتی ہے اسلام کی تعلیم کا منشا یہی ہے کہ عبادِ مومن کے علم و عمل میں الوہیت اور رسالت کا صحیح توازن پیدا کرے رب کی ربوبیت سے اس کا ربط منکشف کر دے کہ پھر وہ بے تکلف دُنیا میں تیرے (احتیاجات اور دولت، مٹھائے خوب غوطے لگائے۔ معیار زندگی بندے سے بلند تر کرے اور صحیح و سالم ساحلِ مَرُوم تک پہنچ جائے یہی مُراد ہے اس قرآنی دعا سے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً
اے ہمارے رب دُنیا و آخرت (دونوں میں)
خوبی اور بھلائی عطا فرما۔ (مؤمن)

بَيْتُ الْمَالِ

١٠٠

مولينا عبد الله الحمادي

بیت المال

حاجت مندوں کی ضرورتوں کو رفع کرنے اور ایک منظم شکل میں اس کام کو چلانے پر مسلمانوں کی جماعت کے قیام کا انحصار تھا اور کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ بغیر اس ضابطے کے اسلامی شائستگی دنیا میں سنبھلی رہ سکے! اس لئے وحی الہی نے اس کی ادا مت فرض فرماد دی۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات نے اس اتنا زور دیا کہ اس فرض کو نہایت ہی عظیم اہمیت حاصل ہو گئی، اور اس کے لئے ذیل کے احکام مقرر ہوئے۔

۱۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا شرعی نام صدقہ ہے۔ صدقہ کی دو صورتیں ہیں! ایک وہ جو ہر شخص اپنی خواہش اور حیثیت اور معاشی حالت کے مطابق دیتا ہو، اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں، جتنا جس کے جی میں آئے خیرات کرے۔ دوسرے وہ جس میں تمام مالدار مسلمان محکوم ہیں کہ اپنی نت کے فائدے کے لئے سالانہ ایک خاص مقدار میں ٹیکس ادا کرتے رہیں۔ اس ٹیکس کا نام زکوٰۃ و صدقہ ہے، اور اس پر عمل درآمد اس کا ترک کفر و اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ ہر آسودہ حال مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے اور جب تک یہ فرض ادا نہ ہو اس کی تمام عبادتیں اونٹیکیاں بے سود ہیں۔ بشریعت نے آسودگی کا نصاب بھی متعین کر دیا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ دینے سے مال کا بقیہ حصہ پاک ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائے تو وہ مال ناپاک محض ہے

۴۔ خیرات و زکوٰۃ میں دولت کا صرف گویا اللہ کو تسبیح دینا ہے۔ اس کی وجہ انسان کی

بخشائش ہوتی ہے۔

۵۔ جو اس سے انحراف کرے وہ گمراہ ہے۔

آفتابیت المال :- ان احکام کی بنیاد پر زکوٰۃ کے لئے ایک خاص نظام تجویز ہوا اور اس کو ایک مخصوص ادارے سے متعلق کیا گیا۔ اور اس ادارے کا نام ”بیت المال“ تھا۔ اور اس کا باقاعدہ افتتاح تقریباً ۱۱ھ ہجری میں ہوا۔ بیت المال کی بعض خصوصیتیں جن کو ہمارے موضوع بیان سے تعلق ہے یہ تھیں :-

۱۔ بیت المال کا مرکزی ادارہ مدینہ مبارکہ میں تھا۔ لیکن اس کی شاخیں ممالک متصرفہ و معروضہ کے ہر ناحیہ اور ہر صدر مقام میں قائم تھیں۔ مسلمانوں کی ہر قسم کی بلی و دینی ضروریات کی کفالت اسی ادارہ سے متعلق تھی۔ مستحقین کے وظائف تھے۔ اشاعت اسلام کا مادی و اخلاقی دونوں طریقوں سے نہایت وسیع پہلے پراستقامت تھا۔ اسلامی تہذیب کو قرآن کریم کے معیار پر رکھنے، جائز و سائل سے اس کی اشاعت کرنے اور دنیا کو زیر سایہ لانے کا بندوبست تھا۔ قہارِ عالم کے تمام کام اسی حکم سے انجام پاتے تھے۔ تعلیم بری و ولوالہی کے ساتھ عام طور پر دی جاتی تھی۔ مرد و عورت سب اس سے حکماً مستفید ہوتے تھے۔ ۲۱ غیور ذالک۔ صوبوں اور ضلعوں میں جس قدر بیت المال کی شاخیں تھیں، ان کا یہ انتظام تھا کہ ان تمام مصارف کے لئے جس قدر مال مقامی ضروریات کے لئے درکار ہوتا رکھ لیا جاتا اور باقی مرکزی ادارے کو بھیجا جاتا۔ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معرکہ دلی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ صاف تصریح موجود ہے (کنز العمال، ج ۳، صفحہ ۱۶۳)

۲۔ تعلیمی آسائیوں کے لئے بیت المال سے مناسب وسائل فراہم تھے۔ اسلام سے قبل عام تعلیم کا سرے سے رولع ہی نہ تھا اور اگر برائے نام کہیں کچھ تھا بھی تو بہت محدود کسی ذی علم کو شوق ہوا۔ اور وقت بھی ملا تو اس نے چند شاگردوں کو پڑھا دیا۔ لیکن چونکہ اس کے لئے کسی معاوضہ کا دستور نہ تھا اس لئے اس وقت اس ایشائے نفس کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اسلام کے زیر سایہ جب عام تعلیم کا بندوبست ہوا تو ساتھ ہی اساتذہ اور افسران تعلیم بھی مقرر ہوئے جن کو بیت المال سے عطائیں ملتی تھیں (سیرۃ النبیین لابن الجوزی)

۳۔ اسلامی تہذیب تمدن اور آداب اخلاق کی بنیاد صرف قرآن حکیم پر تھی اس لئے اس کی تعلیم لازمی و جبری کر دی گئی تھی۔ چند تعلیمی افسر مقرر تھے جمعہ کا یہ کام تھا کہ قبائل میں پھر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جو قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہو اس کو سزا دیں (کتاب الاخلاق، ج ۱۶، ص ۵۸)

۴۔ بیت المال کی آمدنی سے جا بجا مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں لکھنے پڑھنے کے ساتھ شہسواری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ابو جعفر مسلم کی روایت میں۔ ریزہ مبارکہ مکتب کا تذکرہ موجود ہے جس کا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کی تعلیم پڑھو دیا جاتا تھا (معجم البلدان، مادہ حاضر)

۵۔ عمال کو حکم تھا کہ جو لوگ قرآن حکیم کا درس لیں ان کے لئے بیت المال سے عطا مقرر کر دی جائے۔

(کنز العمال، ج ۱، ص ۲۱۷)

۶۔ زبان کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا۔ ادب عربی و فرائض کی تعلیم بھی لازمی تھی اور ان کے مصارف بیت المال کے فقہ تھے حکیم تھا کہ جو کوئی لغت کا عالم نہ ہو قرآن کریم کی تعلیم نہ دینے پائے (کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۸)

۷۔ ممالک محروسہ میں جا بجا بیٹے بڑے کا برہامور تھے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا کریں۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، بصرہ میں معتزل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین، شام میں عبادہ بن صلیح و ابودرداء رضی اللہ عنہم حدیث کی تعلیم و روایت کے لئے متعین تھے۔ اور تاحید تھی کہ عوام اس فن میں ان بزرگوں کے علاوہ کسی سے رجوع نہ کرنے پائیں (اسد الغابہ، ترجمہ عبداللہ بن مغفل)

۸۔ چونکہ فقه پر معاملات و عبادت کی صحت کا مدار ہے اس لئے ہر شہر میں متعدد فقہاء اس فن کی تعلیم کے لئے متعین تھے بصرہ میں دس اہل کمال اس فن کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے شام میں عبدالرحمن بن غنم و معاذ بن جبل و ابودرداء رضی اللہ عنہم اس کی تعلیم کے ذمہ دار تھے مصر میں حبان بن الی جبدرئیں التعلیم تھے۔ نام علاقوں میں بھی انتظام تھا۔ وقت کی ضرورت کے مطابق بڑے بڑے ماہران فن افسر تعلیم مقرر تھے۔ اور اس کے تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔

ان انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو گئی۔ ہر شہر میں کئی کئی ہزار طالب العلم ایک ایک حلقہ درس میں زیر تعلیم رہا کرتے۔ علاوہ یہی لکھتے ہیں کہ ناز فخر کے بعد ابودرداء رضی اللہ عنہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تھے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا ان کے گرد ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداء نے دس دس طلبہ کی جماعتیں مقرر کر دی تھیں ہر جماعت کا ایک خاص معلم ہوتا تھا۔ خود بیٹھتے جلتے اور سب کی نگرانی کرتے جب کوئی طالب علم پچھے قرآن کی تعلیم و تجوید سے فارغ ہو جاتا تو وہ خاص ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتا۔ ایک دفعہ شمار ہوا تو خاص ان کے حلقہ درس میں بیٹھنے والوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تھی۔ اور ان کے علاوہ بارہ ہزار چار سو طلبہ ان کے زیر نگرانی علوم قرآن کی تعلیم پا رہے تھے۔

عام تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ آٹھ برس کے لڑکے قرآن کریم حفظ کر لینے کے ساتھ تفسیر سے بھی مناسبت پیدا کر لیتے تھے گیارہ برس کی عمر میں نحو، ادب، بلاغت، فقہ، حدیث، علوم کام کی تکمیل ہو جاتی تھی (کنز الدقائق، ص ۱۴۱)۔ یعنی اس زمانہ میں جب علوم مروج تھے بیت المال سے ان سب کی تعلیم کا انتظام تھا اور بہت ہی کم مدت میں طالب علم فارغ التحصیل ہو جاتے تھے ہر فن کی منتخب کتابیں بہت مختصر تعداد میں پڑھائی جاتی تھیں، نصاب تعلیم کی ترقیع پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا تھا۔ کتابوں کی تبدیلی میں یہ رعایت ملحوظ ہوتی تھی کہ سال بہ سال جس فن میں ترقیاں ہوتی رہیں نصاب تعلیم ان سب پر حاوی ہو۔ اور اس کے لئے ایسے لوگ مامور تھے جو اکثر اوقات یک فن ہوتے۔

ان تفصیلات سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں اسلامی تمدن کو کون وسائل سونپے نصیب ہوئے وہ کون سی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو دنیا کی ثروت و شائستگی کے وارث بننے میں مدد دی تھی امام مالک کے قول **اَلْعِلْمُ وَالْاَدَبُ قَوَائِمُ** کا کیا فلسفہ تھا اور دنیا پر اس سے کیا اثر پڑا اور بیت المال کا اسمیں کیا حصہ مگر شہنشاہ جہنم سیاہ تو شد کار آموز ورنہ ستوری و مستی ہم کس نہ تواند

اسلامی اصلاح اقتصادی بیابالی

انس

مولینا سید سلیمان ندوی

اسلامی اصلاح اقتصادی بیابانی

اسلام نے اقتصادی امور میں جو اصلاحیں کی ہیں، امر اور اہل ثروت کو جس متعطل حالت پر رکھا ہے فقر اور اہل افلاس کی امداد و اعانت کی جو صورتیں پیدا کی ہیں، ان کو پڑھ کر فیصلہ کرنا نہایت آسان ہوگا کہ دُنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے تمدن کی تمام مشکلوں کو اس نکتہ سنجی کے ساتھ حل کر دیا ہے کہ جدید تمدن بھی باوجود اپنی انتہائی وسعت کے نوع انسان کے لئے کوئی حیدر اور مفید اور کامل تجویز پیش نہ کر سکا۔

عقلائے یورپ نے مصائب اقتصادی سے رہائی پانے کے لئے سبب غمزدگی تجویزیں یہ پیش کی ہیں۔

(۱) اہل حاجت کی امداد کے لئے لوگوں کی آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے اور لوگوں کے لئے فنڈ مقرر کیا جائے۔

(۲) سود سے بچنے کے لئے قرض دینے والی انجمنیں قائم کی جائیں۔

(۳) گورنمنٹ کا فرض ہے کہ فقر اور اہل حاجت کی خبر گیری کرے، بازار کا نرخ مقرر کرے۔

یہ تمام تجویزیں جن کو یورپ ایک مدت کے تجربہ کے بعد سمجھا ہے، لیکن جین پر عمل نہ کر سکا، اسلام

ان کو اپنے ابتدائے پیدائش ہی میں سمجھ چکا تھا، اور مدت دراز سے وہ ان پر عامل ہے۔

اسلام میں مال کا رتبہ، سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ دولت و مال کا کیا رتبہ ہے؟ اسلام کے سوا اکثر مذاہب نے اس نکتہ کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ عیسائیت کا حکم ہے کہ اہل دولت آسان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے یہودیت سے ایک حد تک دولت کی قدر کی ہے، مگر ان کی دولت کے ثمرات و فوائد صرف فقرائے بنی اسرائیل تک محدود ہیں۔ بودھ مذہب پیشوایان مذہب تک گداگروں کو اسلئے اجازت دیتا ہے

لیکن اسلام نے دولت کو معیشتِ انسانی کا ستون قرار دیا ہے۔

لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي
جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (نساء)

قرآن مجید نے مال کو جو پایہ بننا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ اُس نے مال کو کچیس جگہ ”فضل“ کہا ہے، اکیس مقام پر لفظ ”خیر“ کے ساتھ تعبیر کیا ہے، بارہ مرتبہ ”حسنہ“ اور ”رحمۃ“ کے لفظ سے یاد کیا ہے (۱) اسلام کے فرائض خمس میں سے دو فرض کے ادا کرنے کا شرف صرف اہل ثروت کو ہوا ہے۔

مال عام قوم کا حق ہے۔ مساوات مالی کی بحث میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمام قوم یا تمام ملک میں مال و دولت کی مساوات عقلاً اور عملاً محال ہے، لیکن اس سے چارہ نہیں ہو سکتا کہ ملک و قوم کی تمام دولت اگرچہ ملکیت کی حیثیت سے افراد کے تصرف میں ہو، لیکن اُس کی بقا اور ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام دولت قوم اور ملک کی مجموعی دولت قرار دی جائے تاکہ ہر فرد کو لحاظ رہے کہ دوسرے فرد کی دولت برباد اور تلف نہ ہو جائے اور قوم و ملک کی مجموعی دولت موزن و بال نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت آپ ہی ضائع کر رہا ہو تو مجموعی قوم و ملک کو اس کی اصلاح و بقا کے لئے دخل دینا جائز ہو قرآن مجید نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ (نساء)

بیوقوفوں کو اپنا مال نہ دیدو۔

اس آیت میں بیوقوفوں سے مراد نابالغ یا ناسمجھ متیم لڑکے مراد ہیں، اور اُن کے سرپرستوں کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ یہ مال خود متیمیوں کا ہے جو امانت اُن کے سرپرستوں کے پاس جمیع ہے۔ خود سرپرستوں کا نہیں ہے۔ اس بناء پر چاہئے تھا کہ آیت میں ہوتی بیوقوفوں کو اُن کی دولت نہ دیدو، لیکن متیمیوں کی شخصی دولت عام سرپرستوں کی اس لئے قرار دی گئی تاکہ شخصی دولت کو قوم و ملک کا حق قرار دیا جائے۔ اس سے زیادہ صاف یہ آیت ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا

ایمان والو! تم لوگ اپنی دولت آپس میں

۱۰) اَمْوَالُكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (نساء) ناجائز طریقہ سے نہ حاصل کرو۔

یہ ظاہر ہے کہ لوگ ناجائز طریقہ سے دوسرے ہی کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ خود اپنی دولت کیسے حاصل کریں گے؟ پس اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ گودہ مال شخص غیر کے تصرف میں ہے لیکن درحقیقت وہ کل قوم کا حق ہے۔ اس لئے اُس کی حفاظت و بقا کی کوشش عام قوم و ملک کا فرض ہے۔ کسبِ معاش کی اصلاح: اسلام نے ایک طرف تو اس سختی و احاطہ کے ساتھ کسبِ معاش کا حکم دیا ہے کہ دُنیا کی کسی تعلیم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، دوسری طرف معاش کے بعض اُن ذریعوں کو توکل پوری سختی کے ساتھ روک بھی دیا جو سے انسان کی نوعی مساوات و فطری حقوق کو نقصان پہنچاتا تھا، اور نیز طرح طرح کے اخلاقی و اجتماعی فسادات پیدا ہوتے تھے۔ یہ منوعہ وسائل معاش چار قسموں میں آسکتے ہیں۔

۱) بغیر حق کے ایک انسان کا دوسرے انسان کے مال و متاعِ محنت پر قبضہ۔

۲) اس قسم کے وسائل جن کی وجہ سے دولت صرف چند افراد میں محدود رہ جائے اور دولت کے سیران عام تقسیم قومی میں خلل پڑ جائے۔

۳) بعض خاص خاص فساد انگیز وسائل معاش۔

۴) ایسی صورتیں جن سے ایک فرقہ کو نقصان پہنچے چنانچہ اسلام نے بطور ایک اصول کے کہہ دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا
اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔
اے ایمان والو! آپس میں اپنا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔

پہلی صورت کی مثال رشوت ہے، رشوت درحقیقت بے استحقاق آمدنی کا نام ہے قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ
تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا وِرْقًا مِّنْ
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ (بقرہ)

آپس میں تم لوگ اپنا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ اور نہ حکام کو مال دونا کہ تم لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ سے حاصل کرو۔

سود و دوسری صورت کی مثال سود ہے۔ سود میں بے شمار اخلاقی و اقتصادی مضرتیں مضمر ہیں۔ اخلاقی حیثیت سے سود کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس سے انسان کی یا بھی مہربانی و شفقت کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے غریب سے غریب آدمی کو بلا سود قرض ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ متوسط الحال انسان قرض لے کر اصل ادا کر سکتا ہے لیکن سود کے بارگاہہ متحمل نہیں ہو سکتا، اور آخر کو اس کو اپنی ساری دولت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگ بلاشبہ سود دے بھی سکتے اور لے بھی سکتے ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ سود بڑی سے بڑی دولت میں بھی گن لگاتا ہے دوسری سیسہ بڑی اقتصادی مضرت اس میں یہ ہے کہ اس سے دولت چند افراد اور چند جماعتوں میں محدود ہو جاتی ہے مثال کے لئے ہندوستان کے مہاجنہ یورپ کے بنیکر پیش نظر ہیں۔ یہی وہ عظیم الشان مضرت ہے جس سے بچنے کے غرض سے ادیان شراکیتہ مغربا کے لئے قرض دینے والی انجمنیں قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن اسلام کی فکر عاقبت اندیش نے نفیس سود ہی کو اپنے پیروؤں کے لئے حرام کر دیا جس سے یہ تمام اخلاقی اور اقتصادی مضرتیں خود بخود دور ہو گئیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا
کما یقوم الذی یتخیطہ الشیطان من المس
جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اُس
شخص کی طرح اٹھیں گے جن کو شیطان نے جک کر
مضبوط کر دیا ہے۔ (بقرہ)

یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وریزوا
ما لقی من الربوا ان کنتم مؤمنین، وان لم
تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسوله
وان تبتم فلکم مرس امواکم لا تظلموا
ولا تظلمون۔ (بقرہ)

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ سود
باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دو اور اگر تم ایسا نہ کرو تو خدا
اور رسول سے جنگ کرنے کا اعلان دو اور اگر تم
باز آؤ تو تم اپنی اصل لے سکتے ہو تم نہ کسی ظلم کرو
اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

آخری آیت میں حُرمتِ ربوہ کی وجہ بھی ظاہر کر دی گئی ہے۔ اسی طرح اسلام میں احتکار بھی ممنوع ہے

یہ معنی ہیں کہ غلہ وغیرہ عام ضرورت کی چیزوں کو گرانی کے زمانے میں فروخت کرنے کے خیال سے
دبھنا، لیونکہ اس سے ایک حریف انسان کو فائدہ ہوتا ہے لیکن جمہور ملک کو نقصان پہنچتا ہے۔

تیسری صورت سے مراد قمار بازی ہے جس کی لائٹری وغیرہ مختلف صورتیں آج یورپ میں اور کسی قدر
ہندوستان میں جاری ہیں، اور جن میں سے بعض صورتوں کو مجبوراً دفع فساد کے لئے گورنمنٹ کو روکنا پڑا۔

بَاطِلًا الْخَمْرُ الْمَيْسُورُ الْأَسْرَافُ حَسْبُ
شراب، قمار بازی، جوئے کے پانے، یہ سب
جہیزیں ناپاک ہیں، شیطانِ عمل کی ہیں۔

سطور بالا سے دو نتیجے مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) اسلام نے دولت کو ایک اہم ما نشان رتبہ دیا ہے۔ اپنے ہیروؤں کو تحصیل دولت اور کسبِ معاش کی
سخت تاکید کی ہے، اُن کے لئے تحصیل دولت و طلبِ معاش کی تمام راہیں کھول دیں ہیں۔

(۲) وہ تمام صورتیں جن سے باہمی فساد، مضرت، اور شخصی فوائد کے مقابلہ میں جمہور کی ملکیت کا
نقصان متصور ہے۔ ممنوع قرار دیدی ہیں۔

ارباب دولت اور فقراء۔ نتائج سابقہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے ارباب ثروت کی سٹی
قدر کی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے دوسرے طبقہ یعنی فقراء کے لئے کیا سامان کیا؟
اس باب میں اُس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ اُس نے اُن ارباب ثروت کو سخت تنقید کی نگاہ سے دیکھا ہے
جنہوں نے اپنی زندگی کا سب اہم مقصد جمع مال قرار دیا اور جو دولت کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔

وَبِئْسَ لِلْخَلْقِ لَمَرَةً الَّذِي يَجْمَعُ الْمَالُ
اور اُس کو گناہ، اور وہ گناہ کرتا ہے کہ اس کا مال اُس کو
حدہ۔ بحسب ان مالہ واخلدہ۔

(سورہ ہزہ) ہمیشہ باقی رکھے گا۔

دوسری جگہ ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالنَّصَافَةَ
وَلَا يُفْقَرُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِمَا كَانُوا
يَكْنِزُونَ

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں
اور اُس کو خدا کی راہ میں نہیں خرچ کرتے تو ان کو
عذاب دردناک کی بشارت دیدو۔

اور بیوقوف کی امداد کی جاتی ہوگی۔

اس کام بیان سے معلوم ہوا کہ اگر اسلام نے اہل دولت کو کسی معاشرے کا موقع دیا ہے تو دوسری طرف اہل احتیاج کی بھی اُسے کچھ بھینچ کر دی نہیں کی ہے یہی وہ چیز ہے جس کو آج موجودہ تمدن کی خود غرضانہ تاریکی میں اہل اشتراکیت دھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے ہیں۔ انہیں تدابیر کا انزعا کہ اسلام میں ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب لوگ خیرات دینے کے لئے فقیر دھونڈتے تھے اور نہیں ملتے تھے، کیا یورپ میں بھی ایسا زمانہ آئے گا؟

اسلام کی اس فیاضی سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ قوم میں ایک پانچ، پاشکستہ اور گد اگر جماعت تیار کرنا چاہتا ہے قرآن مجید نے زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف خود گھر کے ساتھ مقرر کر دیے ہیں اور اسلام میں برابر اسی عمل ہوتا رہا حدیث شریف میں ہے

لا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِعَنِيٍّ وَلَا لَذَوِّ

خیرات مالدار آدمی کو اور جس کو کمانے کی قوت ہو

مروۃ سوی (ترمذی) اور جس کے اعضا درست ہوں، حلال نہیں۔

ان تمام مباحث و تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ آج تمدن ممالک جن مصائب میں مبتلا ہیں، اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ جدید تمدن کی بنیاد کسی صحیح مذہب پر نہیں ہے۔ اب مصطلح تمدن معاشرت اور عقائد سے یورپ جو اصلاحات پیش کرتا ہے، ان میں گو بعض باتیں غلط ہیں جن کی اسلام نے تردید کر دی ہے لیکن بقیہ امور وہی ہیں جو اسلام پہلے ہی دن سمجھ چکا تھا اور اسکی اصلاح کی تدبیریں کرنی تھیں یہی وجہ ہے کہ اُس کا تمدن اشتراکیت کے جبرِ ظہور سے پاک با حضرت عثمان کے عہد میں امرائے تمام کے پاس بے انتہاد دولت جمع ہو گئی تھی حضرت ابوذر غفاری جو ایک بلند پایہ صحابی تھے انہوں نے ان لوگوں کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ یہ دولت تمام فقرہ تقسیم کر دی جائے لیکن چونکہ اس زمانے میں فقر کے حقوق کا کافی طے سے انتظام تھا، اس لئے حضرت ابوذر کا کوئی اثر نہ ہو سکا۔

بہر حال اگر تفصیل کے بعد کہ اُسے دنیا میں قسم کی جائز مساوات قائم کی اُسے جمہوریت کی بنا ڈالی، اُسے اہل ثروت کے ہمدردی کی تعلیم دی اُسے فقراء کے ملکِ مستحکم اور پائدار بندوبست کیا، اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو کون نکارے گا کہ اسلام دنیا کا سب سے مذہب ہے جس کے پیروں کو اشتراکیت کے طوفان کا خوف نہیں وہ صالح اشتراکیت کا علم و محافظ ہو اور غیر صالح افراطہ تقریباً کمالی۔

سلام اور سوشلزم

انس

مولینا ابوالکلام آزاد

اسلام اور شلرم

زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی و دنیائیں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت و راستہ جس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جز نہ قرار دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف استہم ہی پر قانع نہیں ہوا، بلکہ ہر مستطح مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بہ سال ادا کرنا چاہئے، اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نازکے بعد اسی کا درجہ ہوا، اور قرآن نے ہر جگہ دونوں علوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دوئل ہیں۔ ناز اور زکوٰۃ اگر کوئی جماعت چثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے بالغین زکوٰۃ سے قتال کیا، اور حضرت ابو بکرؓ نے کہا **وَاللّٰهُ لَا يَفْتَقِنُ مِنْ فَرَقٍ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ** (متفق علیہ)

یاد رہے حضرت مسیح علیہ السلام آگے مواعد اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں! انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتنا دے دو، بلکہ کہا، سب کچھ دیدو، لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی مبین نظم قائم نہیں کیا، اس لئے تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک علی مقام بن کر رہ گئی، اور سحیت کے صدراول کے سوا (جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشوونما پایا ہو۔ پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے یعنی وہ علت، جو نہ صرف زکوٰۃ کے لئے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لئے قرار دی گئی، اور جس کی وجہ سے اس معاملہ نے دوسری نوعیت اختیار کر لی۔

کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء ضکم تاکہ ایسا نہ ہو، مال و دولت صرف غلندوں کے

گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے۔

(۵۹: ۷)

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے سب میں بٹے۔ کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکیداری نہ چھو جائے۔ اور اسی سورت کی آیت (۲۳۸) میں مذکور ہے: **وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ**۔ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اُن کے لئے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی، کہ عذاب دردناک کی بشارت دیدیا اور حدیث بحث معاذی الامین میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ:-

تَوَخَّلُوا بَعْضُهُمْ فِتْرَةَ ذَهَبِهِمْ ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور

(بغداد الجامعہ) پھر اُن کے محتاج افراد میں لٹائی جائے۔

قرآن اور احتکار و اکت نازم۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح، دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے یا سوائی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کے خزانے بنا بنا کر جمع کرے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے۔ دولت ہمیشہ گردش میں رہے، اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد و قوم میں پھیلے اور منقسم ہو ہی رہے کہ اُس نے ورثہ کے تقسیم اسہام کا قانون نافذ کر دیا اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جو ہر ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں۔ وہ فطرت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی۔ اب اُرتوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائیگی اور پھر ان میں سے ہر فرد کے کئی وارث ہوں گے اور اُسے بٹنے اور پھیلنے ہی کے اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے مود کا لین دین حرام کر دیا۔ اور قاعدہ یہ بھی لایا کہ **لَا يَحِقُّ لِلرَّاسِ بِلْوَا** ویرجی الصلوات (۲۷۱: ۲) اللہ سود کا جذبہ گھسانا چاہتا ہے خیرات کا جذبہ بٹھانا چاہتا ہے یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں جس قوم میں سود کا جذبہ اُبھرے گا، اُس کے غالب افراد ثنات و خرومی میں مبتلا رہیں گے جس قوم میں خیرات کا جذبہ اُبھرے گا، اُس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا۔

اور اسی لئے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا، جو لوگ اس پر مصر میں گئے، وہ منافق
 اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریں گے۔ فاذا نزل المجزب من الله وسر موله (۲۷:۱۲)
 کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی، اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و انقیاد کا معیار قرار دیا جائے۔
 اور یہی وجہ ہے کہ سورہ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصل فرمایا، یوتی الحکمة من شئائہ
 ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔ وما ینذکرا الا اولی الالباب (۲۷:۱۲) یعنی یہ بات
 کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دیدینا، کھونا نہیں ہے پانا ہے، بہت دقیق بات ہے، اسے یہی
 لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حکمت ہیں، اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی، تو اُس نے بڑی بھلائی پائی۔ وما
 ینذکرا الا اولی الالباب! الہ

قرآن و سنت کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا کہ
 کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکثریت کے لئے کوئی جگہ
 نہیں ہے۔ احتکار یہ ہے کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا۔ اکثریت یہ ہے کہ دولت کے بڑے بڑے
 خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اُس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے۔ اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے
 اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں، تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا۔
 جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے، نہ بخلش و محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب اور پوری
 طاقتور بن جائیں گے۔ بلکہ نسبتہ زیادہ سے زیادہ کم آنے والے افراد موجود رہوں گے۔ کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن

۱۔ قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے معارف و دقائق بے شمار ہیں۔ اور ہر قسمی سے مفسرین
 دوسرے محوشوں میں نکل گئے۔ یہاں تفصیل ممکن نہیں، اتنی باتیں بھی بلا قصد قلم سے نکل گئیں۔ اور ہر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ
 قرآن کو دی جائیں تفصیل کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہئے سورہ قیامۃ والذین یکنزون الذی ھب و انفضا
 کی تفصیل تمام مشہور تفسیریں پڑھو۔ ولا ینفقونہا کی توجہ میں کیا کیا مفسرین پیدا کی گئی ہیں، اور ہر کسے سے در در داخل
 نکال دیتے ہیں؟ حالانکہ اکثر اکثریت کے زور پر غور ہوتا اور اس بارے میں قرآن و سنت کی روح پریش نظر میں۔ تو ساما یا ابھی
 واضح تھا۔ بہر حال یہ محمل، طنباب نہیں۔

زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا۔ اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا، اور اس کو فلو کی کمائی جتنی برستی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت جہنیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لئے نہیں کمائیں گے۔ تمام افراد قوم کے لئے کمائیں گے یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے عوامی و شخصی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔ یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مذیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے وہ جس درجہ اہم ہے، اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔ البیان میں بہ ضمن تفسیر سورہ بقرہ اس کی مخلص بحث و تحقیق لے گی۔

اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں، صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں، تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تکمیل یک قلم ترک کر دی ہے، یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح، کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے۔ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ بالکل اسی طرح کا ٹیکس جس طرح آج کل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ پس اس کی ادائے گی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے، اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے، بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کر دے اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے، اس میں خرچ کرے جب ایک شخص نے حکومت کے مقررہ حامل کو اپنی زکوٰۃ دے دی۔ اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ چنانچہ اسی لئے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا۔ اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ۲۰ عاملین علیہا۔ جو کارندے وصولی کے لئے مقرر ہوں، ان کے ضروری مصارف، اگر ادائے گی کے لئے یہ بات ضروری نہ ہوتی

تو کوئی وجہ بنتی کہ مصارف کی مد میں مستحقا محال حکومت کا ذکر کیا جاتا۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف و مرتج فتنوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں محال حکومت کی اطاعت کریں، اور بلا عذر زکوٰۃ اُس کے حوالہ کر دیں جی کہ اگر محال غلام ہوں سیاست لعلال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو، جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ، اولے کی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ یہ نہیں کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے۔ بشیر بن خصاصہ کی روایت میں جو کہ لوگوں نے کہا: ان قوما من اصحاب الصدقة یعتدون حلینا۔ حال کالیک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیارتیاں کرتا ہے۔ کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا "نہیں" (ابوداؤد) سعد بن قاص کی روایت میں صاف صاف موجود ہے: ادفعوا الیہم ما صلوا بیک وہ غازیٹھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو۔

بنو امیہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت بدل گیا، اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے، تو بعض لوگوں کو خیال ہوا۔ ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی دینی چاہئے۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا: اذیت بخذون بہا تینا با و طیباً۔ وہ زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطر وں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا "وان" اگرچہ ایسا کرتے ہوں۔ مگر وہ انہی کو (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔

صدر اول سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثناء قائم رہا۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں منتڈایا، اور نظام خلافت معدوم ہو گیا، تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء حنفیہ کے جس قدر شرح و متون اور کتب فتنویٰ آج کل متداول ہیں، زیادہ اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اسی وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور

خود ختم کر ڈالی جائے، کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو ہمیں دی جاسکتی، مگر ساتھ ہی فقہان اے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور عادیہ حالت فوراً ممکن نہیں، وہاں مسلمانوں کیلئے مزوری ہے کہ کسی اہل اسلام کو اپنا امیر مقرر کر لیں تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے۔ معدوم نہ ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے۔ اور قدر رفتہ یہ حالت ہو گئی، لوگوں نے سچو لہ زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کر لے لایا کہ ہم نکال لیں، اور پھر جس طرح چاہیں، خود ہی خرچ کر ڈالیں۔ حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن نے حکم دیا ہے، اُس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے، اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو بولے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے۔ وہ دیدہ و دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے۔ اور قطعاً عند اللہ اس کے لئے جوابدہ ہوگی۔

اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں۔ اس لئے مسلمان مجبور ہو گئے، اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے، تو شرعاً عقلاً یہ عند سمرع نہیں ہو سکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمہور ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا، تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دئے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لئے ایک امیر منتخب کر لیں، یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں یا اقلادسی ہی انجمنیں بنالیں، جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لئے بلکہ بعض حالتوں میں بدع و محدثات کے لئے انہوں نے جا بجا بنالی ہیں؟

اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا جہاں اس کے چند خانے بگڑے سمجھو پورا نقشہ بگڑ گیا۔ چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے۔ لوگ اصلاح کیلئے طرح طرح کے تہنگے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعہ وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈھ نکالیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کے لئے اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ

دھونڈنے نکالیں۔ سوال یہ ہے کہ اب گم گشتہ طریقہ کا کھوج لگائیں!

درازی شہب بیداری میں ہیں ہم نہ ست زنجیت میں جبر لہریا تا کج خست؟

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج پلیمپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے؟ لیکن علوم و ہنر کہیں کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا، اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلکا آفرین خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے! اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں، قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لئے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں۔ اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری گمراہی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لئے مخصوص کر دینا کہ توخذ من اغنیاءکم فتورد فی فقرائکم اور کی لایکون دولۃ بائین الاغنیاء و متکملہ!

بہر حال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کلمے والے فرد پر لگا دیا تھا۔ بشرطیکہ اس کی کمی اس کی ذاتی ضروریات زندگی سے زیادہ ہو۔ موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے۔ ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں زیادہ وسیع ہے یعنی صرف کاروبار کی گھنٹی بڑھتی آمدنی ہی پر عائد نہیں بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں۔ مثلاً مویشی۔ دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے۔ جس کی مختلف صورتیں معین کر دی گئی ہیں۔ اسٹیٹ کو حق نہیں کہ اسے مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے

ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، اپنے مفلس شہداء و اولوں کی خبر گیری

یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے اُن کی مدد کی جائے۔

بلاشبہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے، اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں، میں جملہ اُن کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دیا، بلکہ خیرات کا سب سے پہلا مصروف: **قُلْ مَا أَنفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ إِلَّا لِلَّذِينَ هُمْ وَأَلْوَاهُمْ** (۲: ۲۱۵) لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے، اس لئے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں، اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں۔ زکوٰۃ وہی دے گا جو صاحب استطاعت ہو اور اگر ایک شخص خوشحال ہے، اور اس کے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہو گئے ہیں، تو جیثیت مسلمان ہونے کے اُس کا فرض ہے کہ اُن کی خبر گیری کرے اگر نہیں کرے گا تو عند اللہ جوابدہ ہوگا۔ کیونکہ صلہ رحمی کا حق خدا کا ٹھہرایا ہوا حق ہے: **وَاتَّقُوا اللَّهَ** الذی تساءلون بہ **وَالْأَرْحَامَ** (۱: ۸۴) بلاشبہ اس کی یہ خبر گیری اُس کے لئے خیرات کا بہترین عمل ہوگی، لیکن خبر گیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے۔ یہ طریقہ کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہو سکتا کہ باوجود خوشحال ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر و فاقہ میں چھوڑ دیا جائے، اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کر لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے۔ ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے۔ اُن کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے۔ اُن کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہے۔ مگر وہ اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے، اور یہ دینی منزل کی انتہا ہے۔ **فَمَا لَصَوْلَاءُ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ لِيَفْقَهُونَ حَدِيثًا**۔

ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ دیدینے کے بعد غنا و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔ جہاں ایک شخص نے رمضان میں انٹھنیوں اور

روپیوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لئے رکھ دیں، سال بھر کے لئے اسے ہر طرح کے انسانی اور اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی۔

حالانکہ ایسا سمجھنا، ایک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے، وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ منزلی، خانہ داری، معاشرتی، جماعتی، اور انسانی فرائض کی ادائے گی کی ایک پوری انائش ہے، اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا، اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے۔

اُس پر اس کے نفس کا حق ہے، اُس کے والدین کا حق ہے، رشتہ داروں کا حق ہے، بیوی بچوں کا حق ہے، ہم سایہ کا حق ہے اور پھر تمام فوج انسانی کا حق ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور نقد کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انہیں فرائض کی ادائے گی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں: **و اعبدوا اللہ ولا تشركوا به شيئاً**، **وبالوالدين احساناً**، **وبذی القربى، والیتامى والمساكين، والجار خیرى القربى، والجار الجنب، والصالح الجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (پہم)**

یہ تمام فرائض ادا نہیں کئے جاسکتے، جب تک کہ اتفاق و خیرات کے لئے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا، جس قدر نماز اور اتفاق پر، اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی صورت میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند ہتی ہیں! اتفاق کے لئے کھلتی نہیں: **و یقبضون ایدئہم (۹: ۶۷)** اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہو کر: **ولا ینفقون الا، وھم کاکرھون (۹: ۹۹)** اور مومنوں کی نسبت فرمایا **یففقون** **اموالھم باللیل والنھار سراً و علانینہ (۲: ۲۷۷)** مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، رات دن، پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں سرگرم اتفاق رہتے ہیں۔ نیز فرمایا، یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے، اور اس

راہ میں بخل بخش ہے۔ یہی سخت قسم کی بڑائی۔ اور اللہ انفاق کا حکم دیکر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگا تا ہے۔ الشیطان یحکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ بعدکم معفر قہمند و غفلا (۲۸۸:۲) پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دیدیا، انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہو گئے صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے۔ اور ایک خاص مقصد کے لئے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے لیکن ہماری زندگی کا ہر جو چیز جس گھنٹہ ہم انفاق کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اگر ہم اسلامی زندگی کے گوشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں، تو ہمارا فرض ہے کہ حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشلزم :- دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضرورتی اس کا رد فضل پیدا ہو چکا تھا۔ پندرہویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں، اور اب اس نے کیونیزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور پندرہ برس روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مقاصد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے، تو کیا ایسا نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس کا رخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشلزم جا رہا ہے؟ بلاشبہ سمجھا جاسکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک، اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔

دو صورتیں ہیں، اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائل دولت کا احتکار روک دیا جائے، اور ہر کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کے اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی، اور یہ عدم یکسانیت اگر حالتوں میں قدرتی ہے کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں

نہا کر رہے کہ جدوجہدِ معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بلکہ غلطی کے انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے، وہ اس کا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا اشتکار ہی نہ روکا جائے، بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں۔ انفرادی فیضہ باقی نہ رہے، اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے، وہ پہلی ہے، اور سوشلزم جس بات کے لئے سامعی ہے۔ وہ دوسری ہے، دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے، یعنی دولت کا اکتنا زور دیا جائے لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں! ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے۔ دوسرے متا دینا چاہتا ہے۔

اسلام اور سوشلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (ڈگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ہمیں سب کا اختلاف بھی موجود ہے سوشلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارجِ معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جا بجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے۔ اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے۔ اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی، تو تراحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی، اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے اُبھرنے اور ترقی پانے کے لئے کوئی شئی محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے۔

وہو الذی جعلکم خلائف الارض رفع
اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا
بعضہ کہ فوق بعض درجبت لیبواکم
جانشین بنایا، بعض کو بعض پر مرتبہ دے، تاکہ جو کچھ تمہیں

فَمَا لَكُمْ دَانَ سِرْكَ الْعَقَابِ اس میں بھی پلے پڑے بلاشبہ تبارک و تعالیٰ کا راز عجیبوں کی خدمت میں

وَاللَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (۶: ۱۶۵) ذیل اللہ اور باریا شہدہ ہر پری بخشیدنے والا رحمت والا ہے۔

اس آیت میں عین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اللہ نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی پیمائشی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یعنی ایک فرد اور گروہ جانا ہے دوسرے فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اسی کے ثمرات و نتائج سبھی کا وارث ہوتا ہے ثانیاً اور جب کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے بعض اوپر ہوئے بعض اُن سے نیچے مثلاً مدارس معیشت کی یہ بلندی و پستی اس ٹھو ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لئے آزمائشی کی حالت پیدا ہو جائے، اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی و کوشش سے جو دیکھ حاصل کر سکتا ہے، حاصل کر لے۔ تخریں فرمایا خدا کا قانون جس سے سب متاثر نہیں۔ یعنی سعی و طلب کی کسی امتحان گاہ سے جزا و عمل کا معاملہ وابستہ ہے۔ جیسے جس کے اعمال ہوں گے، ویسے ہی نتائج اس کے حصہ میں آجائیں گے۔

اسی طرح بایا قرآن میں پائے گئے: وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى الْبَعْضِ فِي الْمَرْثَةِ (۱۶: ۷۱)

خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ بخوبی قسمنا بدینہم و معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا، و مرفعا لبعضہم فوق بعض در حث (۲۴: ۳۳) دنیوی زندگی کی معیشت ہم کو لوگوں میں تقسیم کر دی، اور اس کا کارخانہ ایسا بنایا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں۔ کوئی کسی درجہ میں ہے۔ کوئی کسی درجہ میں۔ بہر حال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا لیکن حق معیشت کی مساوات صرف قائم کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے، یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر انسان معیشت میں یکساں ضروری ہے کہ سب کو اور سعی اور ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔ اُس نے ہر طرح کے نسلی، خاندانی، جغرافیائی، اور طبقاتی امتیاز مٹا دئے۔ یہی زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا احکام کر دیا۔ اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اُسے بچے

طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں پیدا کردہ تھیں اُس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا
 احتکار و اختصاص روک دیا، اُس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا
 اُس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے۔ اُس نے بے اعتدالانہ سرکاری کی
 تمام راہیں روک دیں، اُس نے سود کی شکل حرام کر دی، اُس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا۔ پھر بن تمام
 باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمال حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی و پور ہر
 کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لئے بھی نکالے۔
 بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے۔

لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا کہ وہ اس کے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے
 انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کر دے اور مدارج معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔ وہ
 یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و ترقی کے لئے محدود
 عرق دہی ہے۔ وہ کہتا ہے، اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوشلسٹوں کا نظام مساوات معیشت پر
 قائم کیا گیا تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محکات پیدا ہو جائیں گی، اور کارخانہ معیشت کی سرگرمی اس طرح
 جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے۔

دُنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کا
 عملیت کا جائزہ نہیں لے سکا کہ وہ اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس طریقہ کی سرکھڑی تجربہ کا موقع دیا جاوے لیکن یہ بعد میں !



ایک سوٹلسٹ سے

ہنس

مولانا عبد الماجد دریا بادی

ایک سوشلسٹ سے

(منقول از صدق)

اودھ کے ایک عالی خانان جو اپنی سوشلسٹ جماعت میں ایک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں،
ان کا ایک طویل مکتوب موصول ہوا جو چند ناگزیر ترمیمات کے بعد بحسنہ درج ذیل ہے:-
مولانا محترم - آداب!

آپ سوشلسٹوں سے ناراض ہیں مگر ان کے خیالات کو سمجھ کر ان پر تنقید نہیں کرتے! اسی طرح
عیاشی اور آوارگی پر آپ کی لاعلمی بہت زیادہ ہے۔

عام طور پر یہ خیال ہے کہ سوشلسٹ وہ لوگ ہیں جو اپنی بد معاشی اور آوارگی کو چھپانے کے لئے اس نام کا
سبیل لگا لیتے ہیں۔ یا وہ لوگ ہیں جو آپ کے ایسے ہزرگوں کے پاک خیالات سے واقف نہیں۔ مگر کیا
بعض کردار یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ دو چار نام کے سوشلسٹوں کو چھوڑ کر باقی جتنے ہیں سب کو اس کا
سبب لگاتے ہی وہ قریبائیاں کرنی پڑتی ہیں جو معمولی آدمی برواشتہ بھی نہیں کر سکتا۔

آپ اسلامی طور پر دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں زکوٰۃ خیرات وغیرہ کی
مدد سے لیکن آپ نے کبھی مزدوروں اور مل مالکوں کے مسئلہ پر غور نہیں فرمایا ہے کہ اسلامی طور پر ان کے
جھگڑے کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ طبقہ دار کشمکش کا حل سوا اس کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ کارخانے
نہ، دل کے پیوے نہیں؟ اسی طرح کسانوں، زمینداروں اور برطانوی حکومت اور ہندوستانی رعایاؤں
ان کی تحریروں سے میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ ان جھگڑوں کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ اسلامی

حکومت قائم ہو جائے لیکن اسے کون قائم کرے اور کیوں قائم کرے؟ یہ ہو سکتا ہے کہ مل کے مالک زمین اور والیان ریاست باہم مل کر اسلامی حکومت قائم کر لیں، ہم لوگوں کے نزدیک ان میں یہ خواہش پیدا ہونا ناممکن ہے لیکن اگر آپ کے خیال میں ممکن ہے تو ان کو نصیحتیں کیجئے۔ اپنا صدقہ ان کے پاس بھیجئے لیکن آپ نصیحتیں کرتے ہیں غریبوں مزدوروں اور کسانوں کو۔

مزدور، جو کسان بھی مل کر اسلامی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے کوئی راستہ چاہئے۔ اس وقت جو راستہ سامنے ہے وہ ہندو مسلم اتحاد، کسان سبھا، مزدور سبھا، کانگرس، امپرائنگ، لیگ انڈیائی سنیہ گروہ کا راستہ ہے ان چیزوں کے بارے میں علمی اور نظری بحث تجربات ہیں، لوگ برا تجربے کر رہے ہیں اور کامیاب ہو رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس راہ چل کر جو حکومت قائم ہوگی وہ عام ہندوستان کی ہوگی نہ اسلامی حکومت۔ آپ اگر اس پروگرام کو غلط سمجھتے ہیں، تو کوئی دوسرا پروگرام پیش کیجئے جو واقعات پر مبنی ہو اور اس زمانے سے میل جھاتا ہو اور اگر اس پر آپ کو پورا عقیدہ ہو تو خود اس عمل کر کے دکھائے۔

عیاشی اور زنا کے بھی آپ بہت خلاف ہیں۔ مگر اس میں بھی آپ کی نگاہوں میں رام بھاجان اور بہت اونچی میسٹریں ہیں۔ آپ وسط طبقے کے نوجوانوں کو بھول گئے جو یوگین سے نوجوان اور نوجوان سے جوان اور پھر بوڑھے ہو جاتے ہیں، مگر کبھی اتنا پیسہ نہیں ہوتا کہ شادی کر سکیں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ شہوت کی طاقت کو بھول جاتے ہیں۔ بیسواؤں پر غور کرتے وقت آپ ان کروڑوں ٹکا ہیروں کو بھول جاتے ہیں، جو دودھ آنے پر تین تین چار چار انڈھے، لولے، کانے، بیہارا، بدو اور مردوں کے ساتھ رات بسر کرتے ہیں کیا ان کا پیشہ شہوت اور عیاشی کی وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ اگر صرف جرائم خلاف وضع فطرت کے اسباب پر غور کریں تو بھی زمانہ کا مسئلہ کافی واضح ہو جائے گا۔ ان پر غور کرنے کے لئے مناسب ہو گا کہ زندگی میں گھسن کر ذرا زندگی کے اُن طوفانی بہروں کا مطالعہ کیجئے۔

جو انسانی جوہروں کو بات کہ بات میں کھینچ کر لے دیتے ہیں، انسانی روح کی ان تباہیوں کو ٹھیکے باز یا بھگت چکا ہو، اس کی نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ آپ کی نصیحتوں کی میں آپ کو سیکڑوں صحیح واقعات سناسکتا ہوں جن سے شہور شدہ اور غریبی کا قریبی تعلق معلوم ہو سکتا ہے۔

مراسلہ نگار صاحب شکر یہ کہتے سختی ہیں کہ مکتوبیالیہ کے لئے انہما رخیال کا ایک اچھا اور مناسب موقع ہم پہنچا دیا۔ سوشلزم سے متعلق اس کا مفاد وسیع یقیناً نہیں لیکن جتنا بھی کچھ ہے۔ شاید انسانی وغیرہ قریب نہ کہا جاسکے، کارل مارکس اور لینن کے خیالات، خود انہیں کی زبان سے جہاں تک تجزیہ میں منتقل ہوئے ہیں، سن لئے گئے ہیں۔ برزورٹا، وغیرہ انگریز سوسلسٹوں سے تو اور کچھ واقفیت ہو، وہیں تجزیہ کی حکایت بعض سماج جان تجربہ ہی کی زبان سے سننے میں آچکی ہے، صنفیات و شہادیات سے متعلق مطالعہ تو ایک حد تک وسیع بھی کہا جاسکتا ہے۔

سوشلسٹ طبقہ کی قوانیناں نہ پہلے زیر بحث تھیں، نہ اب ہیں، لیکن صرف سوشلزم کی انعمیات کی صداقت کے باب میں ہے۔ اور قوانیناں حق و صداقت کی دلیل کسی معنی میں بھی نہیں بن سکتیں۔ اہل باطل نے باطل کی حمایت و نفرت میں ظاہر ہیں نظروں میں، ہمیشہ اہل حق ہی کی طرح جوش و علاوہ جیت غیرت کھلائی ہو، یہ آپ نے سچ لکھ کر صدیقی اصلاح حالات، خاصۃً اسلامی مہول پر کرنے کی دعوت دیتا رہتا رہا، اور اس کے تحت ہیں نہ کوہ کو ادائی، صدقات کی تقسیم، جائداد کی عادلانہ تقسیم، سود کی حرمت، اہل طرف کی حرمت چاندی، سونے، غلہ، وغیرہ کی تجارتوں پر عادلانہ قیود، مہر و دیگر مالی حقوق و واجبات کی ادائی کا اہتمام قریبداروں کے حق میں آسانیاں، غرض اسلامی الیات کا نظام پورے کا پورا آجاتا ہے۔ اس کے بعد وہ ”طبقہ دار کشمکش“ کمرے سے باقی ہی نہیں رہ جاتی، جو آج، عطا کیوں اور انار کیوں کے علاج کی بنا پر، دنیا کے سر پر کا بوس بنکر مسلط ہو گئی ہے۔ طبیب حادث کا نسخہ پوری طرح موثر جمی ہو سکتا ہے، جب اس کے ہر جزو، اس کی ہر تدبیر اس کے بتائے ہوئے پر ہمیں اس کی تجویز کی ہوئی

غنا، غرض سب پر چار عمل ہوئے: اسلامی نظام حکومت قائم ہو جانے کے بعد اول تو یہ بڑے بڑے کارخانے
یہ بڑی بڑی ملیں خود ہی زیادہ نہ رہ جائیں گی، اور اگر میں بھی تو اتنا تو بہر حال یقینی ہے کہ معاملہ
"مالکوں" اور مزدوروں کے درمیان نہیں، بلکہ معاملت و معاشرت دونوں بھائیوں
بھائیوں کے درمیان رہ جائے گی۔ جزئیات فقہی تو کام یہاں تک ملتے ہیں کہ قلمی حساب
اٹھوانا، کرایے کی سواری پر قدم رکھنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک قلمی سے یا سواری سے
اس کی مرضی کے مطابق اجرت ملے نہ کہی جائے اور مزدوروں کے لئے تو حدیث میں صراحت ہے
کہ ان کی اجرت فوراً ان کے حوالے کرو۔ قبل اس کے ان کی جلد کا پسینہ خشک ہونے پائے !
یہ باتیں محض خیالی اور نظری نہیں، بلکہ ان کا عملی نمونہ سالہا سال تک کچھ چکی پر عثمان جیسے غنی
(آج کی اصطلاح میں سرمایہ دار) اور عبدالرحمن بن عوف جیسے امیر کبیر ایک ہی دسترخوان پر بیٹھتے
مسلمان فارسی اور عربین یا سر اور ابوالدرداء اور ابوہریرہ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ آج رونا اس کا یہ کہ زمیندار
کا ہمتہ کاروں کو پیسے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور عمار بن عبد العزیز تو بادشاہوں کے
مالک تھے۔ اور ہر پیسے سے زمیندار سے کہیں زیادہ طاقت، اور حکومت، و قدرت رکھتے تھے، پھر
وہ اب بھی کبھی حکومت کے مظالم کا سختی گہریوں، تشدد کا روٹا پڑا یا یہ بات ہے کہ عرب میں آزادی خود ارادگی
احساس ہندوستانیوں سے کم تھا؛ اسلام کے حلقہ ملکوں کو چھوڑ گئے، اسلام کے نکتہ چین مورخ ان
بادشاہوں کے طریقہ عمل سے متعلق کیا لکھ گئے ہیں۔

اسی طرح امارت و ثروت کا اختلاف بھی ایک حد تک ناگزیر ہے۔ کوئی امیر ہوگا کوئی غریب، لیکن اہم
ہوگا کوئی محکوم۔ سوشلزم، کمیونزم یا کوئی بھی "ازم" جو ہو اس تزع کو مٹا دینا چاہی ہے دینا کو تاسف کہ کثرت

بجائے جنہ گاہ و حادث بنا دینا چاہتی ہے، وہ قدرت سے جنگ کر رہی ہے۔ قرآن مجید میں حکیمانہ نایت دکلا
تتمنوا بما فضل اللہ بعضکم علی بعض اسی جانب مشیر ہے۔ مراتب شکر میں شیون و طیرا دیں
اختلاف و تفاوت جزو فطرت ہی بلکہ اس کی بنا پر ظلم و تحقیر کا حق کسی نہیں۔ باعتبار حقوق بشری سب برابر ہیں
انسانی مشینوں کے پردوں کی طرح اس کائنات کی شہری کا بھی ہر پردہ اپنی جگہ پر اپنا فرض منصبی ادا کرے ہا ہر
اور بڑے پردہ کو ہر چھوٹے سے چھوٹے پردہ کی بھی تحقیر کا حق حاصل نہیں۔ بس یہ نکتہ خوب ذہن نشین
کر لیا جائے تو سارے سوالات از خود رفع ہو جاتے ہیں۔

تعاون یا تنازع :- شریعت فطری نے محض ایات پر قناعت نہیں کی، اخلاقیات، معاشریات
سب کے نظام الگ الگ مقرر کئے، سب ایک دوسرے کو روز تقویت پہنچانے والے۔ یہ تو فرنگیوں کا جملہ اند
فلسفہ تنازع للبقا
کلمہ، جس نے فرنگستان اور ہندوستان
سب کے دماغوں پر مسلط ہو کر، سرمایہ داروں، سرمایہ خنوں سب کے نزدیک ایک مستقل اور ستم صورت
تکشمش اور تنازع کی مختلف طبقات انسانی کے درمیان ناگزیر بنا دی ہے۔ اسلام نے اس تمام مخرطہ و
گمراہ کن فلسفہ ہی کی جرک کاٹ دی ہے اور وہ قائل تنازع کا نہیں، توافق للبقا

کے اصول کا ہے۔ اس نے جو امت کا تحقق قائم کیا ہے، اس میں سب ایک دوسرے کے
حریف و رقیب نہیں، شریک ہمدرد و شگسار رہتے ہیں احرار کا وجود اس کے ہاں اس لئے نہیں
کہ وہ غصب کے کر کے امیر سے امیر تر ہوتے جائیں بلکہ اس لئے کہ اپنی دولت جتنی زیادہ
غریبوں کے کام میں لگا سکتے ہوں لگائیں۔ بادشاہ رعایا پر حاکم نہیں ہوتا، محض "راعی" ہوتا ہے،
نہنگبان، خبر رکھنے والا، ٹرٹی، متولی۔ حاکم صرف حق تعالیٰ ہے اور تو اور بادشاہ قانون ساز ملک نہیں
قانون ساز صرف اللہ ہے۔ اسلامی بادشاہ کا کام صرف انہیں قوانین کا نفاذ کرنا، اس انتظام الہی کو
چلانا ہے۔ رعایا کا ہر فرد اس پر نکتہ چینی کر سکتا ہے اس کی ضرورت نہیں کہ فلان مامتحان پاس کر کے فلان

مقدار جانداروں کا مالک ہونے کے بعد دوش کا حق حاصل کر سکے۔

ساری امت میں مسئلہ ذہنیت کے پیدا کرنے اور ذمہ داری کی روح و جوڑا دینے کے لئے کیا
 چھٹا طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے کہ زور حقوق پر نہیں بلکہ تاثر و فرائض پر دیا۔ اور یہ مقام بخند
 اُن مقامات کے ہے جہاں قانون اسلام کی بلندی تمام دوسرے قوانین سے تمام
 انسانی شریعتوں سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔ آج سارے شرف و فساد کی بنیاد بھی حقوق طلبی کا
 خط ہے۔ اسلام نے حکم بڑوں کو دیا کہ اُن چھپوٹوں کے ساتھ نرم و شفقت و ادائے حقوق فرض ہر امیر کو
 بتایا کہ غریبوں مفلسوں مسکینوں کی خبر گیری ان پر فرض ہے۔ شہرہروں کو بتلایا کہ بیویوں کے
 ساتھ ہر سلوک ان پر فرض ہے۔ غرض امت کے ہر طبقہ پر، ہر طبقہ کے ہر فرد پر فرائض کا بیل لایا چکا دیا
 کہ اس کے بعد کوئی سوال کشاکش کا اس بقت کا ایک دوسرے کو کہنی سے مار کر بھیجنا دیتے۔ گرا دینے کا
 باقی ہی نہیں رہ جاتا !

دریافت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کو کتنا طبقہ قائم کیے گا؟ جواب میں
 عرض ہے کہ زردار اور نادار دونوں مل کر۔ وہ حکومت سب کی ملگی
 ہر طبقہ کا اس پر یکساں حق ہوگا۔ اور یہ طبقوں کا نام بھی آپ کے مذاق کی رعایت سے لیا جا رہا ہے۔ ورنہ
 حقیقت جس معنی میں ”طبقہ“ کا لفظ بولا جاتا ہے، اس کے لحاظ سے تو کوئی مستقل طبقات
 امت اسلامیہ کے اندر ہونے ہی کے نہیں۔ جو امیر مال اور دوسرے سوشلسٹ لیڈیاں ہمارے

کا نام لیتے ہیں، اس اسم کا معنی دنیا میں پایا گیا ہی تو وہ امت اسلامیہ ہی تو ہے۔

اسلامی حکومت قائم کرنے میں معین و شریک ہر وہ فرد ہوگا جسے اپنا اسلام عزیز اور عزت کا
 طبقہ قدرۃ اس میں پیش پیش ہوگا جیسا کہ اس کے قبل ہر اصلاحی و رہنمائی تحریکیں
 ہونا آیا ہے۔ صدق کے پاس بس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں۔ اور یہی پیام دو بیخود تار جتا ہے

طبقہ امرا سے زیادہ طبقہ عوام و غرباء میں امرا میں تو اس کے خیرباد دس ہی بیس ہوں گے باقی پچاسوں اور سیکڑوں کی تعداد میں وہ عوام اور غربا رہی کے ہاتھ میں پہنچتا رہتا ہے اس کی نصیحتیں جو بھی کچھ اور اور جیسی بھی کچھ ہیں، والیان ریاست اور قبیلمردوں کے لئے یکساں کھلی ہوئی ہیں یہی ایک پروگرام ایسا ہے، جو واقعات اور واقعیت پر مبنی ہے اور اس زمانہ اور ہر زمانے سے میل بھی کھاتا ہے۔

اسلام کا ظاہری قانون ہزار مکمل سہی ماس کا مالی نظام لاکھ حکیمانہ سہی اس کا تقسیم دولت کیسی ہی عادلانہ سہی، مفاسد کے سد باب اور شرم و معززت کے اسناد کے لئے قوت ہوا تھا کہ ان مادی قوانین کو مدد اور قوت پہنچائی جائے اخلاقی قوت تھے اور ایک بڑی اخلاقی قوت کا نام قناعت ہے اور اسلام نے اس کی تربیت کا حاصل اہتمام کیا ہے قناعت ضد سے ہوس کی اور قناعت نام ہے ضبط ہوس کا ایک بہت سادہ اور آسان سی ریاضت نفس ہے خدا معلوم آپ نے اسے اس قدر کیوں دشوار سمجھ لیا۔

بیس طرح دین اور شریعتیں صرف دو ہی ہیں، ایک توحیدی، دوسری لا توحیدی، اسی طرح حقیقتہً تمدن و تہذیب کی بھی دنیا میں کل دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں، وہی ایک توحیدی، دوسری لا توحیدی یہ لا توحیدی یا باطل تہذیبیں چونکہ زندگی کی غلط تفسیریں، مسائل کا کائنات کی غلط تعبیر ہوئی ہیں، اس لئے ان کے فتنوں اور رخنوں کے امکانات بہت زیادہ اور قوی رہتے ہیں۔

تقسیم دولت کے معاملہ میں بھی بنیادی غلطی یہ ساری باطل تہذیبیں کرتی آئیں، اور آج کر رہی ہیں افراد کے درمیان دولت کی نامساوی تقسیم ایک مشاہدہ اور واقعہ ہے اس سے تو کسوٹا نکال رہی ہیں سوشلزم اور کمیونزم کی لا توحیدی تہذیب نے اس کا علاج حسب معمول سطح بینی سے کیا یہ تجویز کیا کہ ذاتی ملکیت کو مٹا دیا جائے، اور دولت کو افراد کے ہاتھ سے نکال کر اسٹیٹ (حکومت) طرف منتقل کر کے، افراد کو اس کا مساوی حصہ دار بنادیا جائے۔ یہ علاج بالکل ایسا ہی ”عطائیانہ“۔

جیسے کوئی عطائی کسی مریض کو شدید بخار میں جلنے سے بچھلتے دیکھ کر علمیت شفقت ہمدردی سے یہ تجویز کرے کہ مریض کو خارجی ذرائع سے خوب ٹھنڈا پہنچاؤ، پنکھا جھلو، ٹھنڈا پانی خیم پڑاؤ، اس سے گرمی مٹ جائے گی۔

شرعیات اسلام نے اس کے برعکس، مرض کے اصل اسباب و حقوق نوعیت پر نظر کی، اور حسب معمول کیانہ وقت نظر سے کام لے کر نظام معاشرت ہی ایسا رکھ دیا جس میں ایک جگہ اجتماع دولت کی نوبت ہی حتی الامکان نہ آئے، اور اگر کہیں آجائے تو اس کے مفاسد تو بہر حال رونما نہ ہونے پائیں۔ ایک طرف تو اس نے ذاتی ملکیت شخص کی جائیداد کا حق پوری طرح تسلیم کر کے انفرادی بوجہ و جہد کو جاری رہنے کا پورا موقع دیا۔ دوسری طرف سود کو ہر صورت اور ہر حال میں حرام قطعی قرار دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑ ہی کاٹ دی، پھر ترکہ وراثت میں جائیداد کی تقسیم عادلانہ رکھی، مجرور کسی وارث کو بھی حصہ نہیں دیا، بزرگواروں پر نادرول کی امداد فرض کر دی یعنی یہ امداد نادرول پر کوئی احسان نہیں، اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں جسے وہ قبول کرتے شرمائیں یا اس کی بیست پر زرداروں میں کوئی جزئیہ افتخار پیدا ہو اور ان سب کے علاوہ دولت و ثروت کو ایک ایسا نکتہ ایسی کا مریض یا اس کی بیست پر نفس پرستیوں کو دین، اخلاق کی عدالت میں مستقل جرم قرار دیا، اس طرح دولت کی مساویانہ تقسیم کا خلا گوش بجائے اس کی عادلانہ تقسیم پر زور دیکر بجائے ایک بگڑا اور مخاصمت کی خیر کے لیے خلق کے حق میں ایک نعمت اور رحمت بنا دیا۔

اسلام کی حکیمانہ شان، مسئلہ دولت و ثروت کو بھی کچھ بڑھ کر مرد و عورت کے تعلقات جنسی کے باب میں نظر آتی ہے، عروہ کی شہوانی قوت کی طاقت کو اسلام بھولا ہرگز نہیں ہے، اس کی تو اس نے اپنے قانون میں ہر جگہ رعایت کی ہے، اور اپنے نظام معاشرت میں ہر قدم پر اس کی اہمیت تسلیم کی ہے نکاح میں شواہیاں کچھ بھی نہیں۔

دوڑا، اتحاد، بنائیت، بیعت، پھر عروہ سے چند گئے رشتہ داروں، مثلاً ماں باپ، بھائی بہن، چچا، ماموں، وغیرہ کے ہر مرد کا نکاح ہر عورت کے ساتھ جائز نکاح کے وقت مصادف کچھ بھی نہیں۔ عورت کی طرف سے جہیز مرد کی طرف سے رقم مہر، دونوں محض حسب حیثیت اس کے اہتمام کا یا کسی فرق پر بھی نہ پڑنے پالے، انعقاد معاہدہ نکاح کے لئے صرف فریقین کی رضامندی دو گواہوں کے سامنے بالکل کافی۔

محض خلی اور نظری مباحث پر اکتفا نہ کیے بغیر واقعات و مشاہدات پر لکھنے کی وجہ سے خلفائے اشیدین میں غرض میں تھی ہی نہیں؛ اسلام میں نظام معاشی نے ان کی تعداد اس میں شمول نہیں کر لیا وہ کو زیادہ گھٹادی تھی تاہم کچھ روکتھیں ہی پھر وہ تو کوئی بھی اس گندہ پیشہ پر مجبور نہ ہوئی؛ خود آج کیا تجویز ہیں میں تجاویز افلاس کا جو کہیں ہو، بائیں ہاں کتنی تعداد میں ملوٹکی ہے؛ یہ ملوٹکی تاریخ (ہماری آٹ پر اسٹیٹوشن پر اسکاٹ، بلوش، وغیرہ کی تصنیف کی ہوئی متعدد کتاب میں موجود ہیں، ان کا مطالعہ فرمایا جائے پیشہ کے اسباب و محرکات افلاس نے بے زری نہیں، عموماً دوسرے ہی دوسرے ملیں گے، ہندوستان میں تو یہ پیشہ مسلمانانِ دین کیسے یقین کریں گے؛ ایک نالغہ میں مقدس رہ چکا ہے بہت سے مندوں میں دیوداسیوں کا وجود اب تک اس عقیدہ کو زندہ رکھے ہوئے ہے؛ انگلستان، فرانس، بلجیئم، اور خود سویٹ روس میں مسیوائی کا جو دور ہے (خدا، حیثیت پرستہ ہو یا محض شوقیہ اور اتنے زیادہ تر شوقیہ ہی ہے) اس کا حال کیا نہیں ان متعدد تصانیف میں ملتا ہے فرمایا جائے جو بہترین کے محققین نے مردوں، عورتوں دونوں نے، شائع کی ہیں۔

حور کا مغسی کی بنا پر بجائے نکاح اور دوسرے جواز کے اللہ تعالیٰ کے عصمت فروشی پر لکھا ہے جتنا تو قابلِ فہم ہے کہ باقی مرد کا مغسی کی بنا پر اور حرمی متوجہ ہونا اور زیادہ بعد از فہم ہے؛ یہی کوئی لکھنے میں جو کچھ صریح ہوتا ہے کہ کیا وہ اس کو زیادہ جواز دہری حور توں (وہ اولیٰ طبقہ کی تھی) کی اجرتوں پر ان کی فرمائشوں پر بیماریوں کے علاج معالجہ یا اگر ان امراض خفیہ سے بچنا ہے تو اس بچاؤ کے لئے قیمتی آلات اور دواؤں پر برباد خرچ کرتے رہتا ہوتا ہے؛ کھانا، خیرات اس طریقہ کے اختیار کر لیں، امر تا سر دھوکا ہی دھوکا ہے حرام کاری، اگر انسان ذرا بھی سوچ بچار سے کام لیکر کرے نکاح سے کہیں زیادہ گراں پڑتی ہے، مرد کے لئے بھی اور عورت کے لئے بھی۔

اسی مرض پر جو میں طبعی غلبہ کیا ہے پر انکام ہے متفرق دواؤں کے رٹ لینے کا نام طب نہیں، شریعت اسلامی ایک مکمل علم ہے اور ہے ہر خود دوسرے جزو سے روکا ہوا شریعت، ہر شعبہ دوسری شاخ، دوسرے شعبہ کو دیکھ کر کسی ایک شعبے کی تحقیق کو نظر میں رکھتا ہے؛ یہ سب کا مجموعہ نظر نہ دیکھ کر شریعت اپنے سے معاشی اخلاقی، قانونی، معاشرتی پہلوؤں کے ساتھ جہاں ہیں قلم نہ جائے، وہاں مسئلہ دولت جہاں مسئلہ زکوٰۃ، اور کئی جزئیہ مسئلے مثلاً خود صلہ ہو کر ہم کے موت حال اس میں کیا کیا فیضیاتی کی یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں گئے۔

اشتراکی اور اسلامی نظریات

جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی۔ اے حیدرآباد دکن

اشتراکی اور اسلامی نظریات

جو لوگ اشتراکیت اور اسلام کے امتزاج سے ایک نیا مرکب تیار کرنا چاہتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ اسلام اور اشتراکیت کے درمیان کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے، وہ انتہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اشتراکیت ماورائے مادہ کسی حقیقت کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہے حالانکہ اسلام سب سے پہلا مصلحہ انسان سے یہ کرتا ہے کہ وہ چند بنیادی حقائق پر ایمان لے آئے، جو تجربہ کی رسائی سے ماوراءِ عقل کے حار و سردی، آتش و سلام کی مہاری تعلیم خدا کے تصور اور آخرت کے یقین پر قائم ہے، اور کوئی شخص اسلامی سوسائٹی کا رکن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ خدائی ذات و ربوبیت اور آخرت کے بنیادی حقائق کو پہچان و چار تسلیم نہ کرے، اس کے برخلاف کوئی شخص کمیونسٹ پارٹی میں شرکت نہیں کر سکتا ہے، جب تک کہ وہ خدا کے وجود اور آخرت کے تصور کا منکر نہ ہو، اس بنیادی فرق کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاشی امور کے متعلق اسلام اور اشتراکیت کے نقطہ نظر میں کیا فرق ہے۔

دائرہ معاشیات، اسلام و اشتراکیت کا فرق۔ غور سے دیکھئے تو معاشیات دائرے میں بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اشتراکیت معاشی خوشحالی کے حصول کو مقصد بالذات قرار دیتی ہے اس کا ابتدا و منتہا اور مقصد رغایت ہی مادی فراغت اور معاشی مساوات جو اس کے برخلاف اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ حصول مسیحت اور انکساریت بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ وہ ایک وسیعہ ہے اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کا، اسلام نے چونکہ انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب قرار دیا ہے، اور اس حیثیت میں اس کے تفویض یہ منصب کیا ہے کہ وہ انفرادی طور پر خدائی ذات

صفات سے قربت و مشابہت حاصل کرے اور اجتماعی حیثیت سے خدا کے قانون کو انسان کے خود ساختہ نظریات و قوانین پر بالائے کرے، اس لئے وہ معاشی اصلاح کو اس نصب العین کے حصول کا ایک ضروری وسیع قرار دیتا ہے اور انسان کے معاشی مسئلہ کو اسی حیثیت پر قائم رکھنا چاہتا ہے، اس کو نہ کسی خاص طبقہ سے دشمنی ہے، نہ وہ بچوں کو دو متمند افراد سے رشک و حسد کرنا سکھاتا ہے، اور نہ اسے بوز روایا متوسط طبقہ سے نفرت ہے، وہ معاشی اصلاح ذریعہ دولت کو محدود ہو جانے سے روکتا ضرور ہے لیکن اس کا اصل مقصد انسان کے اخلاقی احساس کو متاثر نہ کر دینا ہے، کہ ہر فرد اخوت و ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو جائے اور دوسروں کے مصائب و تکالیف میں، کومالی اعانت کرنا اپنا دینی فرض خیال کرے، وہ ایسی سوسائٹی تعمیر کرنا چاہتا ہے جس میں دولت سمٹ کر ایک محدود فہم کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے، بلکہ وہ سوسائٹی کے زیادہ سے افراد کے درمیان پھیلے اور گردش کرے۔

ہتم مصارف کی تاکید: اسلام کے اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کو ٹٹلانے کی پوری کوشش کی جو دولت کو عمل کرنے میں بڑی بیباک ہے، لیکن اس کے صرف کرنے میں سجدہ تنگی لے رہا، وہ کہتا ہے، کہ تم دولت کما سکتے ہو لیکن یہ حق نہیں کہتے ہو کہ اس کے انبار لگاتے ہو، یا صرف اپنی راحت و آرام پر صرف کرتے رہو، نماز اور زکوٰۃ کے بعد انجید میں شاید ہی کسی اور بات کو دہرایا گیا ہو جتنا اس بات کو کہ دولت خدا کی راہ میں صرف کر لے رہنا چاہیے،

انسانی تنظیم و تقسیم دولت: دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد میں تقسیم کرنے کی غرض سے اسلام نے انسانی نظام کو باقی رکھنا ضروری سمجھا، کیونکہ خاندان انسانی زندگی اور تمدن کی ایک قدرتی اکائی ہے، اور ناکے تمام خارجی نظامات میں سب سے زیادہ مستحکم اور بھروسہ کے قابل ہے، حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں، اسی اور معاشی انقلابات کی اندھیوں آتی اور گزر جاتی ہیں، طبقاتی تقسیم بدلتی رہتی ہے، لیکن خاندان اپنی جگہ منبوی سے قائم ہو، اور بھگیا، اشتراکیوں اور دوسرے خیال پرستوں کے باوجود انسانی تمدن پر وہ درگھی میں لیا ہے اور نہ آسکتا ہے، جب انسان خاندانی رشتوں اور بندھنوں سے اپنا چھپا چھڑ اسکے جہاں بھی دس ہیں ہی پس گئے شادی بیاہ ہوگا، شوہر بیوی، باپ بچہ، بھائی بہن، داماد و خسر کے رشتے ہوں گے اور انسان ان رشتوں

قانونوں کے ایک عجیبے ہوئے سلسلے میں منسلک رہے گا۔ انسانی زندگی کی اس فطری وحدت کو اسام اپنے اخلاقی اور معاشی مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے، اور اس باہمی امداد و معاونت کے جذبہ پر جو فطرتاً خاندان کے افراد میں یک دوسرے کے لئے موجود ہوتا ہے، مذہبی فرض و احساس کی مہر لگا دیتا ہے تاکہ انسان نفس پرستی اور خود غرضی کی ایسی ہی شدید حالت سے گذر رہا ہو، کم از کم ایک محدود دائرے میں وہ دوسروں کی امداد پر پرورش کا ذریعہ بنائے۔ اسی غرض سے اسلام نے خاندان کی زندگی کو چھوٹے پیمانے پر امداد باہمی کا ادارہ بنادیا ہے، اور اہل خاندان کے حقوق و فرائض پر مذہبی احکام کا وزن ڈال دیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر ذوی القربی کے حقوق کی نظر نوچ لائی گئی ہے، اور غیر مستطیع اقرباء کی امداد کو انسان کی پہلی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے، ایک جگہ نہایت ہی صریح انداز میں یہ حکم سنایا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
وَلِيُؤْتِي عِزِّ الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔
اور تمہیں حکم دیتا ہے انصاف کا، نیکی کا، اور
(غیر مستطیع) عزیزوں کی مدد کا، اور فحش
باتوں اور برے کاموں سے۔

اپنے قوانین وراثت میں بھی اسلام نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ وراثت افراد خاندان کی زیادہ سی زیادہ تقابلاً تقسیم ہو، اور اس بارے میں اگر اس کا مقابلہ مغربی ممالک کے مماثل قوانین سے کیا جائے، تو معلوم ہوگا، کہ مسلمانوں میں دولت اس طرح ایک جگہ جمع ہی نہیں ہو سکتی، جسے کہ مغرب میں وہ ایک خاص حلقہ میں گردش کرتی رہتی ہے۔
زکوٰۃ کی خاص نوعیت: اسلام کے معاشی نظام کا سنگ بنیاد زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ وہ قسم ہے جو صاحب استطاعت افراد سے لے کر غریبوں اور غیر مستطیع افراد میں تقسیم کی جاتی ہے، یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ اس قسم کی کوئی قسم ہے جو آج کل کی حکومتیں اپنی رعایا سے وصول کرتی ہیں، کیونکہ اس قسم کے جتنے ٹیکس عوام سے وصول کئے جاتے ہیں وہ ان منافع اور فوائد کے معاوضہ میں لے جاتے ہیں، جو عوام کو حکومت کی سرگرمیوں سے حاصل ہوتے ہیں لیکن زکوٰۃ وہ ٹیکس ہے

محض غیر مستطیع افراد کی مالی اعانت کے لئے وصول کیا جاتا ہے، اور اس کے معاوضہ میں محصول دہندگان کو حکومت کی جانب سے دنیا میں کسی اور شکل میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے، اسی لئے زکوٰۃ کے مصارف بھی معین کر دیئے گئے ہیں یعنی زکوٰۃ کی رقم صرف غریبوں کی مالی اعانت میں صرف کی جاسکتی ہے لیکن دوسرے مصارف میں نہیں لگائی جاسکتی ہے۔

چند اعتراض اور جواب :- یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ غریب اور حاجت مندوں کی تعداد کے مقابلہ میں زکوٰۃ کی رقم اس قدر قلیل ہوگی کہ اس سے ان کی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ حکومت جو معاشرتی خدمات انجام دیتی ہے، مثلاً سڑکوں اور پلوں کی تیاری، آب پاشی اور

ہر ساری کے انتظامات، ریلوں اور ہوائی سروس کا قیام یا اسی طرح کے دوسرے کام، ان کے لئے زکوٰۃ کی رقمیں سے ایک بیس فی صد صرف کرنے کی مجاز نہ ہوگی، اس کے علاوہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اسلامی حکومتوں میں عائد پر بھی خمس یعنی پانچواں حصہ وصول کیا جاتا ہے، اور اس کا شمار بھی زکوٰۃ میں ہوتا تھا، پھر یہ اعتراض اور بھی بے معنی ہو جاتا ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم خریدا کے لئے کافی نہ ہوگی، کیونکہ اس طرح زکوٰۃ کی رقم کھوں بلکہ کروڑوں تک پہنچ سکتی ہے، ایک اور یہ معنی اعتراض اس سلسلہ میں یہ کیا جاتا ہے، کہ زکوٰۃ کو غیر مستطیع افراد پر صرف کرنے سے یہ لوگ ناکارہ ہو جائیں گے، اور ان میں کام کرنے کا حوصلہ باقی نہیں رہے گا، معترضین نا یہ یہ سمجھتے ہیں، کہ اسلامی حکومت ہر غریب آدمی کو گھر بیٹھ زکوٰۃ کی رقم میں سے اس کا حصہ دیدیا کرے گی،

اور وہ کوئی کام کرے یا نہ کرے، یہ خیال بالکل غلط ہے، کوئی ہوشمند حکومت افراد ملک کو اس طرح یکساں نہیں کر سکتی، اس لئے اس کی سختیوں سے زکوٰۃ کی رقم پہنچانے کے ہزاروں طریقے ہو سکتے ہیں، جن سے ان کی احتیاج بھی ہو جائے، اور بیکار بیٹھ کر کھانے کی عادت بھی نہ پڑے، مثلاً غریبوں کے لئے سستے اور آرام دہ مکانات کر سکتی ہے، غریب بچوں کے لئے وسطانی اور تہذیبی تعلیم مفت کر دی جاسکتی ہے، غریب طلبہ کے لئے خوراک کا انتظام کیا جاسکتا ہے، غریب کسانوں کے قرضہ کا بار ہلکا کیا جاسکتا ہے یا انہیں شیار اور آلات خریدنے

کے لئے رقم دی جاسکتی ہے، جو پاؤں کے وظائف مقرر کئے جاسکتے ہیں، غرض کہ متعدد صورتوں میں زکوٰۃ اس طرح صرف کی جاسکتی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والے بیکار نہ بن جائیں، اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے، کہ اسلامی نقطہ نظر سے ملک کے تمام قدرتی وسائل اور اس کی قدرتی دولت افراد کی نہیں، بلکہ حکومت کی ملک ہے، ائمہ اگر اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آئے تو وہ تمام بنیادی اور کلیدی صنعتیں جن پر صنعتی نظام کا دار و مدار ہوتا ہے حکومت کی ملک ہوں گی، ایسی حکومت میں سرمایہ داروں کا زور بالکل ٹوٹ جائے گا، کیونکہ جو صنعتیں انفرادی طور پر اہل ملک کے قبضہ میں رہیں گی وہ بنیادی صنعتوں کی پیداوار سے استفادہ کئے بغیر قائم نہ ہو سکیں گی، اس دعویٰ کے لئے سب سے معبوط سند حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو آپ نے شام و عراق کی فتوحات کے بعد وہاں کی اراضی ملکیت کے بارے میں فرمایا تھا، ان ممالک کی مقتد اراضی کے متعلق اہل فوج کا یہ مطالبہ تھا کہ وہ ان سپاہیوں اور فوجوں کو دیدی جائیں جنہوں نے ممالک منکوحہ فتح کئے تھے، اپنے مطالبہ کی سند میں اہل فوج نے رومی سلطنت کے جاگیر کی نظام کو پیش کیا جس کے تحت شام کی اراضی اس کے اصلی باشندوں سے جھین کر زمیندار اور فوجی جاگیرداروں میں تقسیم کر دی گئی تھیں، اور زمینیں کے اصلی مالکوں کو مزدوروں کی طرح اجرت پر کام کرتا پڑتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل فوج کے مطالبہ کو نہیں مانا، اور ان کے لئے ماہوار تنخواہیں اور وظائف مقرر کر کے مقتوحہ اراضی کو حکومت کی ملک قرار دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں کو واپس کر دیں، اس طرح جاگیر داری نظام کو منکوحہ مٹا دیا گیا،

جہاں معاشی نظام، اسلام کے معاشی نظام کے متعلق اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام نہ تو خالص اشتراکیت ہے، اور نہ سرمایہ داری بلکہ ان انتہاؤں کے درمیان وہ ایک اعتدال پیدا کرتا ہے وہ ذاتی ملکیت کو باقی رکھنا ضروری خیال کرتا ہے، لیکن اس پر ایسے فیودل شراٹکٹا ہند کر وہ معاشی استبداد

سطحی مشابہت۔ معاشی اور سیاسی نظام اور اشتراکیت کے درمیان جو کچھ مشابہت نظر آتی ہے،

مرن سطح سے تعلق رکھتی ہے ورنہ اپنی بنیاد اور روح کے اعتبار سے تو وہ دونوں نظامات میں کوئی مناسبت نہیں ہے
 اخلاق و معاشرت اور تمدن کے مسائل میں اسلام اور اشتراکیت کے نقطہ نظر میں یہ فیضانِ سماں کا فرق ہے جو اخلاقی اصلاح
 کی بابت اشتراکیت کا نقطہ نظر خارجیت پسندی پر مبنی ہے یعنی وہ انسان کی اخلاقی برائیوں کو خارجی ماحول کی خطا پر
 محمول کرتی ہے اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر انسان کا عمرانی ماحول درست کر دیا جائے اسے معاشی ہمارا دوی دیدی جائے اور
 اور سیاسی غلامی کی زنجیروں سے اسے رہا کر دیا جائے تو اس کی تمام برائیاں دل و دھڑ و اندامات خود بخود دھو جائیں گی
 کیونکہ جسم اور دماغی ماحول کی ترغیب و شترتی مجبوریوں سے ہوتی ہے اشتراکیت انسانی فطرت کی طرف سے بہت خوش ہمتیہ
 واقع ہوئی ہے اس کے برخلاف اسلام نے نہ تو سینٹ پیال کی عیسائیت کی طرح انسان کو پیدائشی گنہگار قرار دیتے ہوئے
 اس کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اس کی سرشت سے برائی دور نہیں ہو سکتی ہے اور نہ وہ اشتراکیت کی طرح انسان
 متعلق خُشن ظن لکھتا ہے کہ خارجی ماحول عمرانی ماحول کے درست ہونے ہی انسان اور شر بن جائیگا اس بارے میں بھی وہ اپنے اس
 اعتدال و توازن کو نہیں چھوڑتا ہے جو اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے وہ ایم کرتا ہے کہ ایک حد تک انسان کا معاشرتی
 ماحول اسے برائی کی ترغیب دیتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ جہاں عمرانی اور معاشرتی ماحول کی اصلاح سے انسان کی بہت سی
 برائیاں دور ہو سکتی ہیں وہاں بعض برائیاں ایسی بھی ہیں جن کا عمرانی اور معاشرتی ماحول سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے اور
 جھبط نفس کی کمی، اخلاقی تربیت کے فقدان اور مادہ حقائق پر ایمان نہ لانے سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے اگر خارجی
 ماحول درست کر دو گے، اور یقیناً اسے درست کرنا چاہئے تو بعض برائیاں دور ہو جائیں گی، لیکن بہت سی برائیاں اس
 وقت تک نہیں مٹ سکتی ہیں جب تک انسان میں وہ اخلاقی احساس پیدا ہو جائے جو حکومت کے جبر و خوف ہواشی کی
 مدد و دم اور دنیوی نتائج کے خوف سے بے نیاز ہو کر بھی اسے نیکی اور سچائی پر قائم رکھے، جو انسان برائی سے اس لئے
 بچا رہے کہ اس کا ماحول ایسی ترغیبات سے خالی ہے جو اسے برائی کی طرف مائل کریں، وہ یقیناً بہت کمزور بنیاد پر کھڑا ہے، کیونکہ
 ماحول کی ذرا سی خرابی اسے برباد بنا سکتی ہے، سیرت کی مضبوطی اور کردار کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان برائی کے درمیان بہ کر
 بھی اپنی اخلاقی قوت کے باعث اس سے محفوظ رہے، یہ سیرت اور کردار اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسان اپنی ذاتی زندگی کو

آگے ایک حیات برتر کا یقین رکھتا ہوں جس میں بدیہ کا نتیجہ نقصان و کھیت کی شکل میں اور نیکی کا نتیجہ فلاح و راحت کی شکل میں ہی قطعیت و یقین کے ساتھ ظاہر ہو جیسے اس عالم میں طبعی اسباب کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں اسی لئے اسلام نے خدا کے تصور اور آخرت کے یقین کو اپنے اخلاقی نظام کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے، اسی کے ساتھ اس نے حاجی زندگی کی اصلاح کو بھی اترانداز نہیں کیا ہے، درحقیقت وہ زندگی اور تمدن کے مسائل پر ہر طرف سے حملہ آور ہوتا ہے، تاکہ ان کیلئے کوئی راہ قرار باقی نہ رہے، وہ نتیجہ کارل کاغز ملے کر اٹھا ہوا جبکہ دوسرے نظامات صرف جزوی تسخیر پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اپنا حاکم کسی ایک نقطہ سے شروع کر کے سارا کھیل بگاڑ دیتے ہیں، اکیڈمک اس غلط چال کی وجہ سے خود کو اور بعض وقت محصور ہو جاتا ہے،

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اشتراکیت کوئی عالمگیر تحریک نہیں ہے، بلکہ وہ مغربی دنیا کے حالات اور مغرب کے نفسیاتی اور اخلاقی مزاج کا ناگزیر نتیجہ ہے اس کے اصول اسی نفسیاتی اور اخلاقی اصول کے لئے کارآمد ہو سکے ہیں مشرق اور خصوصاً اسلامی ممالک اپنا الیکٹرانک اصول رکھتے ہیں اور ان کی تاریخ جن اخلاقی اور نفسیاتی موثرات سے بنی ہے وہ ان عوامل سے مختلف ہیں جنہوں نے مغرب کی تاریخ بنائی ہے، درحقیقت اشتراکی تحریک مغرب کے زوال کا مادہ و رشتہ ہو

تمدن کا آخری مایوسانہ وار ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ وار بھی خالی نہ جائے گا، اشتراکیت کی صداقت بہ اشتراکیت سے ہماری لڑائی اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر کوئی صداقت نہیں رکھتی ہے، وہ ایک بڑی صداقت کی حامل ہے لیکن اس لئے اس صداقت پر باطل اوہامات و فتخیرات کے ساتھ پردے ڈال کر اصلیت کا چہرہ مسخ کر دیا ہے، اسلامی نظام سے اس کا مقابلہ کرنا یکساں ہے، کیونکہ یہ نظام ایک ختم حقیقت ہے، اور دنیا انہوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو دنیا کو مجبوراً گھم بھگ کر اسی طرف آنا ہے،

یُرْنَا وَنُلَیْطُوْا اَنْفُسَکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ
وَ اِنَّہٗ حَالِمٌ لِّمِرْیَہٖ وَ کُوْکِرَہٗ اَلْکُفْرِ وَ نَہِیْہٖ
اکفار چاہتے ہیں کہ اپنی بھونک سے اللہ کا نور بجھادیں، لیکن اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا خواہ کافروں پر یہ بات کتنی ہی گراں گذرے۔ (صحت ۲)

۱۲۶۳
حضرت صدیق اعظم کا جہاد
(سماجی تحفظ کیلئے)

۱۲۶۳

مولف

غلام دستگیر شہید پروفیسر نطفہ کالج

حضرت صدیق اکبرؓ کا جہاد (سماجی تحفظ کیلئے)

”اگر ہم انہیں زمین پر حکومت دیں تو وہ نماز اور زکوٰۃ قائم کرتے ہیں“ (قرآن ۲۲)

سرمایہ پرستی اور سامراج پسندی بھی بڑی حد تک بے اطمینانی اور ہلاکت کے اسباب ہیں جن سے ہر انسان آج لرز رہا ہے جب کبھی اس بات کی کوشش کی گئی کہ عوام اس معاشی توازن مالی انصاف قائم کرنے کے لئے حکومت کی مرکزی طاقت معاشی رفتار کو اپنے قابو میں رکھے تو ہر طبقہ پرستوں نے مختلف بہانوں اور حیلوں کا سہارا لے کر اس کی مخالفت کی۔ آزاد معیشت کا بہانہ اس میں سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ مالی نفع کو انسان نے اپنا مقصود و مقبوضہ ٹھہرایا جیسے مقصود یا مقبوضہ ٹھہرایا

جاتا ہے۔ اس کی غاطر ضرورت پر سب کچھ قربان کیا جاتا ہے۔ سرمایہ جیٹ الہ فطیر کو بچھڑا دیا جاتا ہے۔ معاشی شرک کے ظالمانہ نتائج، ہر انفرادی نفع پرستی کی مشترکہ ذہنیت نے مخلوق خدا کی سود و بہبود اور جماعتی خوشحالی سے بے فکری ہو کر جس انہماک سے تریاق بچا یا اسی توجہ سے نہر کی بنیاد کی جس تندہی سے تندرستی کے سامان بنے کچھ اس سے زیادہ کمال حکمت کے ساتھ جان لینے کے ہتھیار بندے گئے۔ دولت چند ہاتھوں میں گھر گئی۔ مختار چند ہو گئے۔ مجبور بے شمار ہو گئے۔ تجارتی بحران میروں اور غریبوں کی معاشی بنیادوں کو ہلا دینے لگے۔

اصلاح کی جزئی تحریکات، مزدوروں کی انجمنیں بنیں اتحاد باہمی کی تحریک اٹھائی گئی۔ لیکن یہ سب جزئی تحریکات تھیں۔ ان سب سے زیادہ اہم انقلابی تحریک اشتراکیت کی ہے۔ اس میں اس کے عملی نتائج کی اہمیت قابل توجہ ہے۔ بقول اقبال جمع تیرنیٹہ بزرگ عالم زندا ست۔ لیکن

اس تحریک کی خلاف ورزی نہ ہو، انسانی ضمیر کے سارے تقاضوں سے کمال درجہ مربوط و متوازن نہیں تقسیم دولت کی پر غلبہ ہوا، پیداواریں دولت پر ناروا اثر پڑا تحریک بھی پورے معنوں میں کامیابی نہیں اس کی مقبولیت سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ انفرادی نفع پرستی جس معاشی نظام کی بنیاد ہو، اس کو انسانی اجتماع اب برداشت نہیں کر سکتا، سماج کے لئے یہ ناممکن ہے کہ دولت آفرینی کے ذرائع پر قابض ہونے والے کتنی کے چند افراد کی خاطر بے بس غلاموں کی طرح ان کی نفع طلبی کے قمار خانوں کا شکار ہو۔

سود ایک کالائٹوں کے لئے مرگ مفاجات ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جو اسے اسلام اور معاشی نظام، کلی اصلاح، اسلام نے بھی ایک ہمہ گیر انقلابی اصلاح کا نظام پیش کیا ہے معاشی توازن اس کے احاطہ سے خارج نہیں اس کے عقیدے اس کے اخلاق، تصورات اور معاشی نظام اور مالی شکلات کے حل میں نہایت گہرا ربط ہے اس کا معاشی حل اس کے الہیاتی اور اخلاقی بنیادوں ہی پر پائدار اور مطلوبہ جملہ نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

اللہ ہی الہ ہے وہی آسمان وزمین کے خزانوں کا مالک ہے تصرف اور ملکیت کا حق صرف اسی کا ہے معاش کے جتنے ذرائع انسان کو ملے ہیں وہ اصل میں خدا کی طرف سے امانت ہیں۔ وہ اصل میں متاع ہے۔

ملکیت اور تصرف کا اسلامی حل :- ایک خاص مدت تک ان سے تمتع کا حق انسان کو ملا ہے (مَتَاعُ إِلَىٰ حُلَيْنِ) اس لئے ہوس پرستی اور نفع طلبی کو بے لگام نہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔ تمتع اور تمتع کے حقوق خدا کی طرف سے محدود اور مشروط کئے گئے ہیں۔ نائب الہی اسٹیٹ یعنی اسلامی حکومت ان حدود کے نفاذ اور تعمیل کی نگران ہے انسان امین ہونے کی حیثیت سے ان کا پابند ہے اس کا موقفہ فرمان خداوندی وَمَا زَكَّيْنَهُمْ يُنْفِقُونَ (ہمارا دیا خرچ کرتے ہیں) کا

پابند ہے۔ البتہ نے زکوٰۃ کی فرضیت شخصی ملکیت، سود کی حرمت جو کسے اور سٹے کی ممانعت، وراثت کا قانون، پیدائش دولت، صرف دولت تقسیم دولت پر پابندیاں عائد کر کے چند سرحدی نشانات لگا دئے ہیں۔ اگر انسانی اجتماع ان حدود کے اندر رہ کر اپنے معاشی معاملات کی تنظیم کرے تو ایک طرف شخصی آزادی اور ترقی بھی محفوظ رہتی ہے دوسری طرف طبقاتی جنگ اور بے جا تسلط اور استحصال ناجائز کے ظالمانہ طریقوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اسلام کے اخلاقی احکام معاشرتی ضوابط اور قانونی احکام سب مل کر اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت: یہ اسلام نے معاشی مسائل کے حل کا جو نظام تجویز کیا ہے اس کا ایک نہایت اہم ایجابی عنصر زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ زرفند کی محفوظ بچت پر ۲½ فی صدی سالانہ ہے کالامنی محصول ہے علاوہ ازیں زرعی پیداوار، مولشی، سارے اموال تجارت پر زکوٰۃ مختلف شرح سے لازمی ہے۔ جو اموال زیادہ مشقت سے حاصل ہوتے ہیں ان میں مقدار زکوٰۃ زیادہ ہے۔ مثلاً نباتات پر خمس یعنی پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے، اسی طرح مدفون خزانوں پر بھی زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے۔ غریب طبقے کے لئے وقف رہنے والے آمدنی کے ذرائع حسب ذیل البواب ہیں (۱) زکوٰۃ کی کل آمدنی (۲) مالی غنیمت کا پانچواں حصہ (۳) معادین اور خزانوں کا پانچواں حصہ (۴) شافعی اجتہاد کے مطابق کی آمدنی کا پانچواں حصہ، اندازہ کیجئے، اسلامی مملکت میں محروم اور محتاجوں کے لئے کیا انتظام ہوتا ہے۔

زکوٰۃ اور بیت المال، اہل احتیاج کے لئے بے نظیر بیمہ اسلامی نظام معیشت میں
زکوٰۃ اور دیگر بے حساب دولت مشترکہ جماعتی خزانہ یعنی بیت المال میں جمع ہوتی ہے۔ یہ دراصل سوسائٹی کے لئے بیمہ یا انشورنس کی بہترین صورت ہوتی ہے۔ خزانہ ان سب کی ضروریات کا کفیل ہو جو مجتمعہ ہیں۔ بہ ان ساری خزانوں کو دور کرتی ہے۔ جو جماعتی امداد کا باقاعدہ انتظام نہ بنے ہوئے ہوئے ہیں۔

تقسیم زکوٰۃ کے نتائج سے سرمایہ داری نظام میں جمیدگی ضرورتاً اس شخص پر آتی ہے کہ ہر شخص کی زندگی اپنے ہی ذرائع پر منحصر ہے۔ غلے اور ٹھاکہ و کامرتا ہے۔ بے سہارا تقسیم جملہ نہیں، بھوکے نہیں پیچھا رہیں، ناگہانی آفت آئے بھیک بھی شکل سے ملے۔ بے سرمایہ مزدور، مجبور ہو کر سرمایہ داروں کے برے شرائط مان لیں۔

زکوٰۃ اور بیت المال کے نتائج کیا ہوتے ہیں :-

(۱) آپ حاجتمند مزدوروں، محذوروں، کام سے محروم ہوں، بیت المال جاکر اپنا حق لائے۔ بینک ڈپازٹ یا انشورنس کی حاجت نہیں (۲) آپ بغیر وراثت اگر اہل و عیال چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوں تو جماعتی خزانہ ان کا کفیل اور ذمہ دار ہے۔ آپ سستی پرستی میں آزادانہ اختیار کے لئے رہ سکتے ہیں معاشی بندھن آپ کو باطل کا غلام نہیں رکھیں گے (۴) بڑھاپے بیماری اور ناگہانی مصیبتوں میں بیت المال آپ کا مددگار ہے، فاقہ، جہل، بیماری کی تسلیت کا بھوت جائے گا۔ (۵) زکوٰۃ عوام کی قوت خرید بڑھاتی ہے۔ پیداوار اور اس کی کفایت کو متوازن رکھتی ہے زیادہ پیداوار اور کم قوت خرید کا مرض نہیں رہتا (۶) زکوٰۃ غریبوں کا معیار زندگی بڑھاتی ہے ان کی تخلیقی اور پیداوار قوتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ خوشحالی کے عالم ہونے سے بیت المال سے لینے والے اس کی آمدنی میں اضافہ کرنے والے بن جاتے ہیں :-

زکوٰۃ اور دین تقیم :- یہی وجہ ہے کہ ایمان اخلاص کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والے دین کے دو جزاء قرآن نے خاص بیان کئے ہیں (تَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَکُلُوْا مِنْ ثَمَرِهَا) (۱) اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم سارے انبیاء کی تعلیم کا جزو لازم رہی ہے اسلام نے ان کو تکمیل اور اعلیٰ تنظیم کی نشا بخشی ہے ان میں سے اگر نماز یا زکوٰۃ کو گرادیا جائے تو دین کی عمارت کے نصف حصہ کو گرا دینے کے برابر ہوگا۔ انہی اسباب کی بنا پر قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو اسلامی جماعت کی شناخت قرار دیا ہے۔

اسلامی اقتدار کی قرآن کے نزدیک یہی دو اصلی علامتیں ہیں۔

شرک اور انکارِ زکوٰۃ میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ عقیدۂ توحید یعنی اللہ ہی کو انہ اور مالک ماننے سے منطقی طور پر زکوٰۃ لازم آتی ہے یہ توحید کی علامت اور پہچان ہے، مومن کی آزمائش ہے کہ اس نے مال و جائیداد کو تو اپنا معبود اور مقصود قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ اللہ کی مرضی پر مال قربان کر سکتا ہے قرآن مجید نے زکوٰۃ ادا کرنے کو مشرکین کی صفات میں سے بیان کیا ہے۔ اس میں آنحضرتؐ میں خدا کے انعامات کے انکار کی جھلک بھی پائی جاتی ہے ارشاد ہے **وَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافُرُونَ**۔ تبنا ہی ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت سے منکر ہیں۔

مجسم اثیار اور زکوٰۃ، اسوہ صدیق اکبرؐ اس سے صاف اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت صدیق اکبرؓ جیسا موحد کس درجہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو گا انہوں نے زکوٰۃ تو زکوٰۃ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اور رسول کے مشن کی تکمیل میں صرف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں (بخاری باب اہل العلم وفضل عن مالک یا نبتہ) ان کے اثیار سے منکرین زکوٰۃ کے خلاف ان کی شدت کی توجیہ ہوتی ہے جو زکوٰۃ منکرین کے ساتھ صحابہ نے مشرکین اور کفار کی مانند جھاڑ دیا۔

زکوٰۃ کے منکرین اور باغی۔ زکوٰۃ کی اہمیت پر ایک سرسری نظر آپؐ ڈال چکے اب اس فتنہ اور بغاوت کی نزاکت کا خیال فرمائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے یہ وہ فر حضرت صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری لی بعض قبائل نے جو مال اور دولت کی محبت سے یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اسلام کے اہم رکن زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اسلام کے اہم رکن زکوٰۃ سے باغی ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ بعضوں نے یہاں تک کہا کہ نازوں میں یا کعتوں میں اضافہ

کر لیا جائے لیکن زکوٰۃ کا مطالبہ ترک کر دیا جائے۔

اس ذہنیت کی مثالیں گرد و پیش میں ملتی ہیں۔ وظیفہ ہیں، اوراد ہیں، مراقبہ ہیں، نوافل ہیں، نذر و نیاز ہے، لیکن ساتھ ساتھ رشوت ہے، خیانت ہے، حقوق تلفی ہے، غضب ہے، جھوٹے معاملے ہیں، عیا و خدا بھی دل میں ہے، عشق بتاں بھی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے اس معاشی نظام کی ترتیب کو مٹانے والے سرمایہ داروں کے خلاف حضرت خلیفہ اولؓ نے کیا روش اختیار فرمائی، خلیفہ بننے اور رعیت عام سے فارغ ہوتے ہیں آپؓ نے اپنی پالیسی کا اعلان فرمایا۔ جس کے بعض اجزاء حسبِ ذیل ہیں

”میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو۔ اور کچ روٹی کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ اگر میں خدا و رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔“

تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں دوسرے سے اس کا حق اسکو نہ دلا دوں اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسرے کا حق حاصل نہ کروں۔“

جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے۔ خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے (تائید اسلام معارف پریس) اب آپؓ غور فرمائیں کہ جس خلیفہ اور حاکم کے نزدیک قوت اور ضعف کا یہ معیار ہو۔ جہاد کی اس قدر اہمیت ہو۔ وہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ دردمند تھا۔ یہ کیسے گوارے کہ مسائل اور محروم کا حق سرمایہ دار چھین لیں۔ دولت کا تعلق چند اغنیاء کے ساتھ مخصوص ہو جائے معاشی توازن برباد ہو، مجلس شوریٰ طلب کی گئی، معاملہ نازک تھا۔ زکوٰۃ کے منکر حلقہ اسلام میں داخل تھے بعض بڑے بڑے صحابہ نے محتاط طریقہ عمل اختیار فرمایا۔ اور کہا کہ جان لوگ توحید اور رسالت کا افکار

کرتے ہیں صرف زکوٰۃ نہ دینے پر ان کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جاسکتی ہے۔ حضرت صدیق نے فتنہ اور ان شرکاء کا مقابلہ کیا، بڑے شہر کو بھانپ لیا اپنی دینی بصیرت سے فرمایا خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ دیتا تھا اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلے میں جہاد کروں گا (تاریخ اسلام: معارف پریس ۱۳۵۰-۱۳۶۰ء)

حضرت عمرؓ جو پس و پیش فرما رہے تھے۔ آپ کی اصابت رائے کے قائل ہو گئے، صحابہ نے ساتھ دیا ان کو شرح صدر رہا، حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلے میں فوجیں بھیجیں۔ اس معاملے میں اس قدر اہتمام مقصود تھا کہ بنی عیین اور بنی دینان کے مقابلے میں خود گھوڑے نہیں زیر کیا، آپ کی اس استقامت سے تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کر دی، بعضوں نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کر دی، تعلیم رسول کے مطابق اسلام کے نظام معیشت کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیا۔ بھوکے مسکینوں، پھٹے حال معذوروں، خاک، لبر، غریبوں اور سائلوں، مضطرب کمزوروں کا حق طاقتوں، متظم سرمایہ داروں سے دلایا گیا اور آغا، خلافت کا وعدہ پورا کیا گیا اور اسلام کا توازن معاشی برقرار رکھا گیا۔

بعض امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلامی اقتدار کے ماتحت ہونا اپنی شانِ امارت کے خلاف سمجھنے لگے تھے، اسلام کے دعویٰ کے ساتھ یہ ممکن نہ تھا تو انہوں نے ارتداد کی کڑی اپنی اپنی جگہ مطلق العنان اور بے لگام و آزاد حکمران بن بیٹھے، حضرت علیؓ نے نعمان والی بحریں کا استیصال کیا، حذیفہؓ نے لعیط کو قتل کیا اور زیادہ نے فرار وایان کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اسلام کو تالیفِ اعداء علامہ اقبالؒ نے حق کے مخالفین کو تین گروہ میں تقسیم فرمایا ہے۔ ۶۔

سُوخوار و والی و ملّا و پیر

ان میں سے آپ نے سرمایہ داروں اور سامراجیوں کی بغاوت کا حال اور انجام دیکھ لیا باغیوں کا

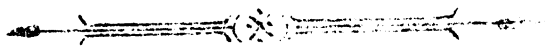
ایک تیسرا گروہ تھا ابنیاء اور ان کے پیچھے یانیشیوں کی اقبال مندی اور قبولیت دیکھ کر دوسرے پر توں کا ایک گروہ اس بھیس میں ناجائز استحصال کے وسائل پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ یہاں لوں اور احبار میں سے اکثر لوگوں کے مابین باطل طاقتوں سے پھیلایا کرتے ہیں۔ رسالت محمدیہ کی کامیابی دیکھ کر بعضوں نے یہ ہوس پکائی کہ ہم بھی اس حریت کے حصہ دار ہوں۔ مسلمانوں اور اس کی بیوی بچہ بنت خویلد، اسود عتسی اور طلحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت شریحینؓ، عمرؓ، خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ان فتنہ پردازوں کے خلاف ہم بھی چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ طلحہ و جندبہؓ اسلام کر کے مسلمان ہو گیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی منہی بصیرت اصابت رائے اور استقامت سے وہ تمام فتنے مٹ گئے۔ سیاسی، مذہبی، سامراجیوں اور سرمایہ داروں نے برپا کئے تھے اسلام کا دینی اور معاشی نظام مستحکم کیا۔ اسلام نے دوبارہ زندگی پائی۔

اسے صبا اسے پیک دور افتادگان اشک ماہر خاک پاک اور سار

عزیم ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ مسلمان دامنِ مدینتی سے وابستہ ہونے کا سلی ثبوت طرح دے سکتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کو پوری قوت سے قائم کریں، یہ اسلام اور انسانی مشکلات کے حل کی فتنہ ہے اگر ہم حضرت صدیقؓ سے عقیدت کا اظہار کریں اور یہ گواہ کریں کہ دنیا کی دولت کی آفرین قوت ہے مگر وہ بھوک کی مرے، جاہل رہے، مرضی رہے، مابے گھر رہے کپڑوں کے کارخانے زیادہ نہیں، وہ تنگی ذاتی نفع پرستوں کی قمار بازی اور غلط اندازیوں سے کسا و بازاری اور بے روزگاری کی سزا بن گئے۔

ان اس روشنی اور سبب سے ساری دنیا کی معاشی جہنمی دور کر سکتے ہیں اور معاشی مفادات کی جنگ کی نمائندگی ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی سیرت معاشی نا انصافیوں کے خلاف ایک چیلنج اور معاشی توازن کا ایک پیغام



اسلام میں ملکیت ذاتی پر پابندیاں

انس

آنریبل مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم

اسلام میں ملکیت ذاتی پراپتیاں

امتیاز میں صاحب قدوالی مرحوم کی ایک تازہ تصنیف ”پنیں اسلام“ اور بالشورم کے نام سے شائع ہوئی جو اس کتاب میں فاضل مصنف نے اسلام اور امتزاکیت میں مشابہت دکھانے کی کوشش کی ہے اور ایک عام چیلنج دیا ہے کہ۔

”جو تعلیم یافتہ اور سوچنے والا کمیونسٹ چاہے میرے پاس آئے اور مجھے بتائے وہ کن وجوہ سے اپنے آپ کو پین اسلام سمجھتا میں نہیں وجوہ کو سامنے لکھ کر اسے قائل کر دوں گا کہ اسی حد تک اس کا کمیونزم ناقص اور ادنیٰ درجہ کا ہے اور سوسائٹی کیلئے بصورت مجموعی یا سوسائٹی کا جزا نہیں بلکہ ان کے لئے نقصان کا موجب ہے“

”اسی طرح جو مسلمان چاہے میرے پاس آئے اور مجھے بتائے کہ کن وجوہ سے وہ کمیونزم کے اصول یا اصولوں کو پسند نہیں کرتا (مجھے کمیونزم کے ان متعلقات سے بحث نہیں ہے جو اس کے تحت بغیر ضرورت بطور پورا نہ سمجھی کی بنا پر وابستہ کر دئے گئے ہیں) اور میں اس کو اس بات کا یقین دلادوں گا کہ حق حاکم اس نے اسلام کو انہیں سمجھایا اس کا علم اسلام اور اس کی روح کے بارے میں ناقص ہے۔“

قدان صاحب کے نزدیک پین اسلام اور بالشورم میں خاص فرق یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد دیکھے عقیدے پر قائم ہے لیکن بالشورم کیوں نے کارل ماکس کے پیروی و موافق کی حیثیت سے بغیر ضرورت اور پورا نہ سمجھی کی بنا پر یہ بات خدا اور مذاہب مذہب پالیسی کو اختیار کر لیا ہے اور یہ غالباً اس پر ہے کہ ان یحییٰ در کے لئے ان کو کیسا خدا صحیح تصویر نہیں کیا تو اس کے علاوہ اختلاف فرق کو بعض دینی امور پر

عام مشابہتوں کے علاوہ جن خاص مشابہتوں کا قدوائی صاحب نے ذکر فرمایا وہ حسب ذیل ہیں

(۱) اسلام اور بائبل دونوں کا مقصد عالمگیر انقلاب ہے۔

(۲) دونوں نے خاص حقوق اور مراعات کو تسلیم نہیں کیا۔

(۳) دونوں رنگ و نسل پرناز کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

(۴) دونوں ساری داری کے خلاف ہیں۔

(۵) دونوں نے محنت اور کام کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۶) دونوں نے زمینداری کی مخالفت کی ہے۔

(۷) دونوں نے انسانی مساوات کو قائم کیا ہے۔

(۸) دونوں نے بین الاقوامیت کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۹) دونوں نے افراد کو ترقی کے لئے مساوی مواقع دئے ہیں۔

(۱۰) دونوں نے علم و تسلیم کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۱۱) دونوں نے عورتوں کو آزاد کیا ہے اور

(۱۲) دونوں نے ملکیت ذاتی کی تیسخ کی ہے۔

یوں تو قدوائی صاحب کی پوری بحث نہایت دلچسپ و پڑھانے کی مستحق ہے لیکن

گنجائش کی قلت کی وجہ سے یہاں صرف ان خیالات کا اقتباس پیش کیا جائیگا جن کا اظہار

قدوائی صاحب نے ملکیت ذاتی کی تیسخ کے ماتحت فرمایا ہے۔

مختصر الفاظ میں ممانوں میں ملکیت ذاتی کی جو صورت ہے اسے حسب ذیل طریقے پر

بیان کیا جا سکتا ہے :-

(۱) اگر کوئی شخص سچا مسلمان ہو اور اس نصب العین کی لفظاً اور معنایاً وی کرنا چاہتا ہے جو

جو اسلام نے فرمایا ہے اور جس کا نوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا پاک میں اور
دوسرے مسلمان اولیاء اللہ کی زندگی میں نظر آتے تھے تو ایسا شخص بہت زیادہ چیزیں بطریق
ملکیت میں نہیں رکھ سکتا تھے کہ ان میں اپنے کیلئے بھی وہ مال کو اپنے پاس رکھنا گوارہ نہ ہوگا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی ملکیت کی جو مقرر کی ہے وہ ایک حدیث میں
موجود ہے یعنی رہنے کے لئے مکان، پہننے کیلئے کچھ کپڑے اور کھانے اور پانی کی
ضروری مقدار۔ ملکیت ذاتی کی بس یہ حد ہے اس سے زیادہ نہیں۔

(۲) لیکن جو لوگ اس درجہ تک نہ پہنچ سکیں اور جن میں طبی طور پر مال اور
کی محبت کا غلبہ ہو تو اسلام اس ملکیت سے نفرت نہیں کرتا بشرطیکہ اسلام کی صحت
کے خلاف نہ ہو۔ یعنی اس دولت و ملکیت کو صرف ذاتی آرام و سکون کیلئے استعمال نہ
کیا جائے بلکہ جماعت کے فائدہ کیلئے بھی استعمال کیا جائے۔

راست اس پرز کو آہ اور دوسرے محاصل عائد کر لگی اور دولت مالک یہ تو
کیا جائے گی کہ وہ چند مقررہ جماعتی خدمات کیلئے اپنی دولت اور ملکیت کو صرف کرے۔
(۳) اگر کوئی شخص مذکور بالا اسلامی احکامات کی پیروی کرتا ہے تو اس کے

پاس ترک اور وراثت کیلئے بہت کم ملکیت باقی رہے گی۔ لیکن اگر باقی رہی تو پھر
قانون وراثت کا عمل شروع ہو جائیگا۔ اور اسکے ذریعہ ملکیت منصفانہ
طریقہ پر تقسیم ہو جائیگی اور بڑی بڑی جاگیریں، سود و خوار، سرمایہ دار اور کروڑ پتی
پیدا نہ ہو سکیں گے۔ اگر متوفی میسر آمدنی نوع انسان کا ہی خواہ اور سہرہ و ختم
وہ خود ہی خیراتی مقاصد کے لئے اپنی جائیداد کو وقف کر جائیگا اور اگر وقف کیا
اپنے خاندان کے تقاضوں کی باقی رکھنا چاہے گا اسے وقف علیٰ ان و لا ذکر دے گا۔

غرض کہ اس طرح اسلام ملکیت ذاتی پر نیز جبریہ قبضہ کے اور انسانوں کو
انکے قدرتی رجحانات سے روکے ہوئے اس مقصد کو حاصل کر رہا ہے۔

۱۴۶
 بالشوک ملکیت ذاتی کو جماعتی ملکیت بنا کر حاصل کرنا چاہتے ہیں
 اب مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو :-

اسلام نے نظری طور پر ملکیت کو جرّ سے اس طرح کاٹا کہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا
 مالک خدا کو قرار دیدیا۔ قرآن کہتا ہے ”جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے
 سب خدا کی ملکیت میں ہے“ (سورہ ۲ - آیت ۲۵۵)

”اللہ کی ملکیت“ کے معنی عملاً اسلام کی اصطلاح میں ہیں ”اجتماعی طور پر تمام بنی
 نوع انسان کی ملکیت“

اسلام کے اولین ایام میں ابوذر غفاریؓ کے لئے کنز (یعنی دولت اور ملکیت) کے بارے میں
 اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا اور آج بھی راسخ العقیدہ مسلمان صرف اس بنا پر کہ
 ہر چیز کا خدا مالک ہے وضو کے پانی کو بھی ضائع نہیں کرتے کیونکہ ان کا خیال ہے
 کہ چونکہ پانی ان کا نہیں ہے بلکہ خدا کا ہے اس لئے قیامت کے دن انہیں ان کا بھی
 حساب دینا پڑے گا۔ پانی انکی امانت میں ہے اس لئے استعمال کیلئے رکھا ہے اس طرح ایک
 حکامریہ ان یا زمین یا پکڑے بھی خدا مالک اسکے نہیں ہیں یہ سب چیزیں خدا کی امانت
 ہیں اور ان کا صرف غلط طریقہ پر نہ ہونا چاہیئے۔ انسان کو میرٹھا جو اس کے پیر کی
 گنتی ہے حساب نہ کیا ہو گا اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی آدمی کو کسی چیز کا
 امین یا سترونی بنایا جاتا ہے تو اسکی ذمہ داری کتنی سخت ہوجاتی ہے۔ اس ظاہر ہوا کہ
 جو چیز وقتی طور پر کسی کو سپرد کی گئی ہے اسے جہاں تک ہو سکے خدا کی راہ میں یعنی بنی نوع
 انسان کی بہبودی اور عام فائدہ کیلئے صرف کرنا چاہیئے۔

لیکن رسول اللہ کے سلسلے سے متسلک یہ کام تھا کہ اپنی قوم کے دل سے ملکیت کی
 اس محبت کو نکالیں جو انکے اندر راسخ ہو چکی تھی تاکہ ہر شخص اس مال کو جو اس کے قبضہ میں
 نہ انکی طرف سے امانت کے طور پر رکھا گیا تھا تبھی طور پر صرف کر کے پناہ خدائے کریم نے انکی

رہنمائی قرآن کی مندرجہ ذیل آیتیں نازل کر کے فرمائی :-

وہ دولت اور بچے اس دنیا کی زندگی کی زندگی ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔
بزرے کے نزدیک ثواب و امید کے لحاظ سے بہتر ہیں (سورہ ۱۸ آیت ۲۶)۔
وہ بیویا بچے سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور چھ نسل کے ٹکڑے اور
اور کھیتی یہ ہیں دنیاوی زندگی کا سامنا اور اللہ کے پاس انجام کی غول ہے (سورہ ۱۳ آیت)
وہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے جوڑا اور تمہارے
رشتہ دار اور تمہاری تجارت جس کے منہ پر جلنے کا مہنس ڈر رہتا ہے اور تمہارے مکان
جس میں تمہیں خوشی ہوتی ہے تمہیں تمہارا خدا سے اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے
سے زیادہ عزیز ہیں تو اس وقت سہا انتظار کرو جب اپنا حکم نازل کرے اور خدا حد و پیمانہ
کر جانے والے لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا (سورہ ۴ آیت ۲۴)۔

اس پر امن تبلیغ اور غریب سادہ سی نتیجہ تھا جو بالشرع نے روس میں بہت زیادہ فو
کے استعمال کے بعد اور لوگوں کو بہت تکلیف اور محبت میں منسلک کر کے حاصل کیا۔
ابتدائی مسلمانوں میں ملکیت اور دولت کا جادو ختم ہو گیا تھا اور لوگوں کے دل
ملکیت ذاتی کی محبت کم ہو گئی تھی، دولت کی تو طاقت ملتی تھی، زور و کار اور آزار کم ہو گیا
سب لوگ سادہ اور سخت زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ مدینہ میں رسول اللہ کی زندگی میں
ہی مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جس کے پاس کسی قسم کی کوئی ملکیت نہیں تھی، یہ لوگ
اصحاب صفہ کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے اور تعلیم یا دوسرے کاموں میں مصروف
ہوتے تھے۔ یہ باری باری سے دوسرے مسلمانوں کے ہماں رہتے تھے اور لوگ ان کی
غذا اور لباس فراہم کرنا اپنی عروت اور سعادت سمجھتے تھے ملک کے نہایت مسرور
اور دولت مند لوگ ان کی توفیق اور عظمت کرتے تھے۔

مسلمانوں میں دستہ برقیضہ کرنے یا جمع کرنے سے نہ کسی کو تشویش تھی نہ مذکور

استحقاق بلکہ اس کے برعکس ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ :-

جو لوگ اپنے مال کو مات اور دن اکھٹے طور پر اور پوشیدہ طور پر صرف کرتے ہیں انہیں ان کی خدا کی طرف سے اس کا انعام ملیگا اور انہیں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ انہیں کسی قسم کا بے ہوگا (سورہ ۲۵ آیت ۱۷)

جن لوگوں کے پاس مال تھا انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنا مال باوجود اس کی محبت اپنے رشتہ داروں کو یا یتیموں کو ضرور نیکو لوگوں کو مسافروں کو اور ان لوگوں کو جو اسے مانگیں اور قیدیوں کو رہا کرنے کیلئے دیدو (سورہ ۲ آیت ۱۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات بے اثر ثابت نہیں ہوئیں۔ ان کے پیروں کے دل پر ان کا پورا اثر ہوا اور وہ لوگ ان کی ہدایت اور احکامات کی نغفہ اور سنا پیروی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چجاز اور مدائن حضرت علیؓ نے اپنا سب مال عوام فائدہ کے لئے دے دیا۔ کچھ اور صحابی بھی جنہوں نے اپنا نصف مال اس طرح دیدیا یہاں تک کہ اپنی دیویوں میں سے ایک کو دوسرے مسلمان کی خاطر طلاق دیدی۔

اور ایسے آدمی بہت کم تھے جو ایسی حالت میں جب ان کے ساتھیوں کی زندگی کی اذیتاں پہنچ رہی تھیں وہی ہوں دو پر قبضہ کر بیٹے نہ شرماتے ہوں، دولت اور ملکیت دے دی اور جو بڑھاپا قرآن نے نہایت شد و مد کیا تھا ان لوگوں کی خدمت کی جو دولت کو جمع کرتے تھے وہی دیکھنے والے میں بند کر کے رکھتے ہیں (سورہ ۲۰ آیت ۸)

اس نے ان لوگوں کو برکت دی جن کے مال کا ایک مناسبت ان لوگوں کیلئے ہوتا جو سوال کرتے ہیں یا جو محدود ہوتے ہیں (سورہ ۷۰ آیت ۲۴ اور ۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا پورا خیال رکھا کہ وہ خود اور ان کے قریبی اور غریب رشتہ داروں کے پہلے ان باتوں کی پیروی کریں جن کی وہ یقین کرتے تھے اور ان کی

ان کو جاری کرنا ہوتے تھے سب سے پہلے وہ ان سے اپنے خاندان کے افراد کو مطلع کرتے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ان کے پاس دن میں ہوتا تھا شام کو اسے دے دیتے تھے۔ لہذا
تک کہ شام کے کھانے تک کھیلے ان کے پاس کچھ باقی نہیں بچتا تھا۔

اسلام میں ہر چیز خدا کی ملکیت ہے۔
آج سے نیزہ سو صدی قبل اس لاشائی مصلح نے یہ واضح طور پر بتا دیا تھا کہ
انسان کی اولاد کو اس سے زیادہ کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے اپنے کھیلے گھر
اپنی برہنگی کو چھپانے کیلئے ایک کپڑے کا ٹکڑا اور کھانے کیلئے روٹی کا ٹکڑا اور
حق و اپائی مل جائے“ (ترمذی میں بروایت عثمان)

تقسیم دولت تقسیم دولت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید خیر بنی قاعدہ
”جو جس شخص کے پاس لادنے والے جانور زیادہ ہوں اسے انہیں ان
لوگوں کو دے دینا چاہیے جن کے پاس بالکل نہ ہوں اور جس کے پاس کھانا نیکارا
زیادہ ہو اسے اس کو دیدینا چاہیے جس کے پاس بالکل نہ ہو“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کئی دوسری چیزوں کا ذکر کیا جس کی بنا پر ہم لوگوں
(جو وہاں موجود تھے) یہ محسوس کیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو کسی زائد چیز کے رکھنے
حق نہیں ہے۔ (مسلم اور ابوداؤد میں ابوسعید کی روایت سے)

نہایت سے کیا مراد ہے اس کا تقاضا اس حدیث سے ہو جانا ہے جسے اوپر درج
کیا جا چکا ہے اور جس کے ذریعہ سے نجی اور ذاتی ملکیت کو بہتے کے مکان پہنچنے کیلئے
کچھ کپڑے اور روزانہ کھانے کیلئے کچھ خوراک تک محدود کر دیا گیا ہے۔ طرح والی ملکیت
کو نہ صرف نظری طور پر بلکہ عملی طور پر بھی ختم کر دیا گیا تھا۔ اسلام میں انفرادی ملکیت
کسی گنہگار سے بھی کم تھی یعنی بالمشوکل کسی بھلا سے۔
وراثت ملکیت کو محدود کرنے کے غماز اسلام نے اپنے وراثت کے منصفانہ

توانین کی رو سے صرف جی بڑی جاگیروں یا کروڑ پتیوں کی نسل کو جاری رہنے سے روکا
 بلکہ ایک ہی خاندان کے لوگوں میں تقسیم دولت کو نہایت صحیح بنیادوں پر قائم
 کر دیا۔ اسلام کی ایک اور بنیادی خصوصیت اس کا وقف علی الاولاد قانون
 ہے جس کے ذریعہ اپنی اولاد کے وراثت کے حق پر بھی پابندی لگائی جاسکتی ہے
 اس کی صورت یہ ہے کہ والدین جس جایداد کو منفعت عامہ یا خیرات کیلئے وقف
 کر دیتے ہیں اس کی مکمل ملکیت سے انکی اولاد محروم ہو جاتی ہے اگرچہ ان کیلئے اتنی
 کافی آمدنی باقی رہتی ہے جس سے وہ بھیت یا اعلاس کا شکار نہیں ہو سکتے۔ وہ اس جائیداد
 کو محض متولی کی حیثیت سے استعمال کر سکتے ہیں اور اسکو تقیسات میں ضائع نہیں کر سکتے
 اسی طرح اسلام نے ملکیت ذاتی پر اور بھی گونا گوں پابندیاں لگا دی ہیں۔
 جب بوذرغانی نے قرآن کی آیتوں کی تفسیر اس طرح کی کہ اس ملکیت ذاتی کی
 تفسیح ہوتی تھی تو یہ سوال اٹھا تھا کہ اگر آج بھی علماء اس سوال کو اٹھاتے ہیں کہ اگر اسلام
 ملکیت ذاتی کو ختم کرنا چاہتا تھا تو اس لئے وراثت اور زکوٰۃ کے قوانین اور طریقہ ارادی
 کے خلاف دوسرے عادل اور پابندیوں کو کیوں بنایا۔

ہو تو گناہ لاشافی صحیح کے ذہن اور طریقوں کو جانتے ہیں ان کے لئے اس
 سوال کا جواب دنیا کچھ مشکل نہیں ہے۔

ان کا مقصد تو یہ تھا کہ تمام مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی غرضوں کو مقدم مانو
 اور مفاہم اور مہم شرعوں کیلئے چاہے وہ زنی کی کسی منزل پر کیوں نہ ہو منع کر دیں
 انہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انکی یہ خواہش تھی کہ قدرت نے انسان کے اندر
 جو نیکی رکھی ہے اس پر کمافی فائدہ معاشرت کی پیروی کیلئے حاصل کریں۔
 ہم جانتے ہیں کہ فطرت نے دنیا کو کھانا کچھ اس طرح پر بنایا ہے کہ اس انجان
 انداز میں آرام، دولت، ملکیت اور اضافہ نسل کی محبت کو بھی رتھ دیا ہے چنانچہ یہی

وجہ ہے کہ دولت اور بلکیت کیساتھ آرام و عافیت کی زندگی، انسان کے کاموں اور ان کی محنتوں کیلئے آج ایک بہت بڑی محرک بن گئی ہے۔ انسان فیضی کی توجیس کیلئے قدرت نے عورت اور مرد کے اندر اولاد کی محنت کو رکھ دیا ہے۔ جانوروں میں بھی نہ صرف اپنے بلکہ غیرول کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اطمینان اور شفقت کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن انسان کے جذبات اس لحاظ سے بھی دوسری مخلوقات سے مختلف ہیں جانور دنیا میں تو محبت اور الفت بچوں کے بڑے ہو جانیکے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن انسان کی محبت اپنی اولاد کے ساتھ زندگی بھر قائم رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ وہ موجود نہ ہو اور مر جائے جب بھی ان کے آرام و تسکین کیلئے کچھ انتظام ہائی ہے اسلام کی جامعیت ان خلافی کی موجودگی میں اسلام نے یہ چاہا کہ ایک طرف تو کام کے ان ارادی اور قدرتی محرکات کو برقی ختم نہ کیا جائے جیسا کہ بالمشو کہ انسان کو انسانی حقیقت اور قدرتی جذبات کیخلاف ختم کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اس چاہا کہ معاشرت اور ریاست کو ان میں خواہشات کے خلاف اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ ایسے اسباب کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا یہاں مقصد نہیں ہے کہ انسان نظر بدی کی طرف رجحان نیک پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو جس ذات نے پیدا کیا اور ترقی دی ہے وہ برائی سے پاک ہے۔ اس لئے نوع انسان میں بھی برائی کو پیدا نہیں کیا۔ آدمی اپنی قوتوں، اہلیتوں اور جبلتوں کا غلط استعمال کر کے اپنے لئے بدی کو خود پیدا کرتا ہے۔ چونکہ خدا نے انسان کو ایک حذراک آزاد پیدا کیا اسلئے صحیح راستہ پر چلانے کیلئے بھی خدا اپنی مرضی کو انسان پر ہمیشہ عاید نہیں کرتا۔ اس مطلب یہ ہوا کہ خدا نے انسان کو اس حق سے محروم نہیں کیا کہ وہ اپنی اچھی صفات کو بھی اگر وہ چاہے تو غلط طریقہ پر استعمال کر سکتا ہے۔ انسان کو ایک مشین کا پرزہ نہیں بنایا گیا ہے۔

مہ خدانے تمہیں اپنی خواہشات کو استعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔
انسان کے اندر بہت سے جذبات ہیں۔ اگر ان کا استعمال سناٹا تبصرہ کیا
جائے تو یہ فائدہ مند ہوتے ہیں انہیں تو ان سے جماعت کو بلکہ بعض وقت خود افراد
کو نقصان پہنچتا ہے بعض وقت اسکی عقل بھی اسے گمراہ کرتی ہے۔

انسان اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر اسے دولت سے محبت ہوتی ہے تو
وہ اپنی تمام داغی تو تون اور تمام جسمانی تو تون کو اس کے حاصل کرنے کیلئے قرب
کرتا ہے۔ وہ جس پیشہ کو بگاڑنا چاہتا ہے اس میں دھرم و سبقت لیجانے کیلئے
اپنی ہوشی و داغی قوت کو صرف کرتا ہے۔ وہ خطرے برداشت کرنے کیلئے قربانیاں
کرتے کیلئے بھی تیار رہتا ہے۔ فرض کیجئے حالات نامساعد گناہیں ہیں اور اپنے کام
اور پیشہ میں کامیاب ہوتا ہے فرض کیجئے وہ اپنے پیشہ میں ہمارے پیدا کر لیتا ہے اور
اپنے دماغ کے ذریعہ دولت پیدا کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنے ہمارے مشورہ کے
لئے معاوضہ طلب کرتا ہے اور آرام اور خوشی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اگر وہ
جماعت کو نقصان نہیں پہنچاتا تو اسلام اس کو اس بات کی اجازت دے گا
بالشوکوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ اس کو ایسا نہیں کرنے دیں گے اگرچہ وہ غیر ملکی
ہمارے کو زیادہ اجر میں اس وقت بھی دیتے ہیں۔ لیکن جب اسے بند کریں گے
تو صرف فرد کو نقصان پہنچائیں گے بلکہ جماعت کو بھی نقصان پہنچائیں گے کیونکہ
اس کے بعد لوگوں میں ہمارے کیلئے کوئی محرک باقی نہیں رہے گا۔

فرض کیجئے ایک آدمی کو دولت سے محبت، وہ اس کے لئے اپنے دماغ کے ہم
ایک ایسی کتاب لکھتا ہے جو جماعت کیلئے بھی مفید ہے اور بازار میں فروخت بھی
خوب ہوتی ہے اسلام سے اس وجہ ملامت نہیں کریگا کہ اسے اپنی کتاب کو دھم اچھے

لیکن اب تو ہمارے ملک ہمارے دلوں کو بھی زیادہ اچھے نہیں دیتے تھے ہیں۔ ایڈیٹر

ملک ہے ہیں لیکن اسلام اس اس بات کی توفیق کر چکا کہ جو وہ اس میں پہنچے
 دماغ اور فہم سے پیدا کیا ہے اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے۔ اسلام اس سے کہنے کا
 کہ مومن کا جمیع مال کا خدا ہے اور کئی بڑے مفسد صرف اس کا مال دیکھتے ہیں۔ ان
 کی زندگی کیلئے ہزاروں ناسازگار عبادت پیدا ہو سکتے ہیں اور وہ کام کی نہیں
 اور کامیابی میں مزاحم ہو سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے اس حلقہ کیلئے
 خدا کا مومن ہونا چاہیے اور مستحقوں کو ان کے عداوت میں استعمال نہ کرنا چاہئے۔ کوا
 بھی ادا کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اسلام دوسرے مومن کے ذریعہ سے جو ماریاں
 کے غلام ہیں اسے سزا بہ دار نہیں بننے دیتا۔ ایسا شخص ہر ایک سے بلکہ کل جماعت
 پر کہہ سکتا ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی دولت کا مالک وہ خود ہے لیکن خدا سے دیا
 نہیں کہہ سکتا کیونکہ خدا نے اس کو اعلیٰ دماغ عطا کیا اور خدا نے ہی اس کے لئے جلا
 کو سزا دیکھا رکھا۔

یا فرض کیجئے کہ ایک آدمی کو اپنے خاندان یا اولاد سے جو محبت ہے وہ اس تمام
 یا پیش کو بہترین طریقہ پر کرنے کی محرک ہے۔ اسلام اس محرک کو ختم نہیں کر سکتا۔ اس
 وراثت کے منصفانہ قوانین بنا دیے ہیں جن کے ذریعہ سے اس خاندان اور اس کی
 اولاد ان چیزوں کا فائدہ اٹھا سکے گی جو وہ ان کے لئے مرکب ہیں پھوڑ جائیگا اور
 طرح وہ افلاس اور محرومی سے بچ سکیں گے اور اس کے نام کو اس کے بعد جاری رکھیں
 پابندی کی حد۔ اسلام کی بہترین سی اس بات کا طرف یہی ہے کہ ایک شخص کی
 آزادی پر صرف اتنی ہی پابندی لگائی جائے جو جماعت کے مفاد کیلئے اور خود اسکے مفاد
 کیلئے تقاضی طور پر ناگزیر ہے اور ان کیلئے بہترین کوشش کرنے کی جو ترغیبات ہیں۔
 وہ باقی رہیں۔ اسی بنا پر اسلام کے قوانین غیر تغیر پذیر نہیں ہیں۔ جس کے استعمال
 کر نیے جہاں تک ہو سکا اسلام نے برہنہ کیا ہے اس نے کوشش کی کہ مفسد اچھے

اسلام اپنی مرضی، عادت کی قوت یا طبیعتی رجحان کی وجہ سے کرے۔ اسی لئے اس نے اچھے کاموں کے تابعی محرکات کو ختم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ چند اچھی پابندیوں کے بغیر کہ اور درانتہ کی اجازت دیا گئی۔ اور مرے کے بعد ایک شخص کی جاہداد کو جبراً ضبط نہیں کیا جاتا۔ اسلام ایسے قاعدے اور قانون بنا جن سے ایمانداری اور جلیلہ طور پر دولت حاصل کی جائے اور جب اس دولت کو ترک میں چھوڑا جائے تو بھی اس سے جماعت کو فائدہ پہنچتا رہے۔ وقف علی الاولاد کے ذریعہ باپ کی محنت کی کمائی ہوئی دولت کو اس کے بیٹے بھی ضائع نہیں کر سکتے۔ وہ پابند ہو جاتے ہیں کہ اسے اپنی مرضی یا مورچ یا ذاتی نقیض کیلئے خرچ نہ کریں بلکہ عام بہود کیلئے خرچ کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ خاندانی نام یا شہرت کے باقی رہے گا بھی اسکے ذریعہ بندوبست ہو جاتا ہے۔

اسلام کا خاص مقصد یہ رہا ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جو سرمایہ داروں کے خلاف ہوں جس سے دولت تقسیم ہو سکے اس کو مساوی مواقع مل سکیں اور ایک غیر طبقہ دارانہ جماعت وجود میں آ سکے اور تمام دنیا میں ایک واحد برادری قائم ہو سکے۔ مربوط اصول و احکام اگر اسلام کے تمام قوانین کی نطفہ اور منشا پیروی سمجھائے تو ملکیت ذاتی کی تمام خرابیاں رفع ہو جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک شخص اپنی دولت کو خدا کی امانت سمجھے تو ذاتی ملکیت یا خدا کی راہ میں صرف کر نیکی پوری آزادی جماعت کیلئے نقصان رساں ہو نیکی جگہ ایک نعمت اور برکت ثابت ہوگی۔ اگر آدمی اپنی دولت کو ایک وقف سمجھ کر استعمال کرے اور یہ جانتا رکھے ایک سمیع و بصیر اور رحمان و رحیم خدا نے اسے یہ دولت عطا کی ہے تو یہ جماعت کیلئے اس سے زیادہ مفید ثابت ہوگی کہ ایک آدمی بالکل غریب ہے اور صرف اتنا ہی جمع کرے جو صرف اس کو ذاتی طور پر زندہ رکھنے کیلئے کافی ہوگا۔

بالشو کہ جاننے ہیں کہ ان کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ افراد کو بالکل سہی
 نہیں دیتے یہ ایک مطلق العنان آمریت قائم کر دیتے ہیں چاہے یہ آمریت مزدور
 کے طبقہ کی ہی کیوں نہ ہو یہ کہہ جانا ہے کہ بالشوزم افراد کو غلام بنا دیتا ہے جیسے یہ
 جماعت ہی کیوں نہ ہو۔ بالشوزم میں ہر موقع پر ایک شخص کو دوسرے شخص کے سخت
 احکام کی اطاعت کو پابندی ہے یہ کہہ کر وہ اس حکم میں غلامی اور حکومت کو نیوالی
 جماعت کا اگر خنجر یہ کیا جائے تو صرف چند افسروں اور عاملوں تک محدود
 ہو کر رہ جاتی ہے۔ جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہو یہ چند اشخاص کی حکومت
 ہو جاتی ہے۔ بلکہ چند افراد کی بھی نہیں صرف ایک فرد یا حدیثی آمر مطلق کی حکومت
 ہو کر رہ جاتی ہے۔

۱۔ لاجہ: بالشوزم میں کوئی شخص یا کسی گروہ یا طبقہ کی آمریت
 نہیں رکھی گئی ہے۔ کوئی مسلم کسی دوسرے شخص یا کسی گروہ اور طبقہ کا غلام نہیں ہے
 وہ ایک اور صرف ایک آمر مطلق کا غلام ہے لیکن وہ انسان نہیں ہے بلکہ وہ ایک
 ایسا وجود ہے جو عقل و فہم سے بالاتر ہے ہر شخص چاہے وہ کتنا ہی طاقتور اور ذی
 اقتدار کیوں نہ ہو حتیٰ کہ رسولوں میں برگزیدہ ترین رسول بھی سب اس کے غلام ہیں
 لیکن اس غلامی اور دوسری غلامیوں میں فرق ہے یہ غلامی اسکی ہے جو بے نظیر
 اور ہمیشہ کی ہے جو ایک لامحدود وابدی اور ازلی وجود کا مالک ہے جس کی نہ کوئی
 شکل ہے نہ جگہ جس کے نہ اولاد ہے نہ اسکے مشابہ کوئی چیز ہے۔ جو ہمارے
 نہایت پوشیدہ خیالات کا راز دار ہے جو علیم و بعیر ہے جو اپنی قدرت کے لزوم
 کی وجہ سے موجود رہتا ہے اور اپنی ذات میں اپنی تمام خلاق اور ماضی توڑ ٹکڑ حاصل کرتا ہے
 ۲۔ اسلام میں صرف اسی وجود کو حکم دینے کا حق حاصل ہے وہی صرف انسان کا اعلیٰ اور
 برتر ہے لا غالب لا ایڈ وہی خطا اور قصور سے پاک اور مغز ہے ان لوگوں کی

اکثریت بھی ہمیشہ صحیح راستہ پر نہیں ہوتی بعض وقت صرف ایک آدمی مددگار ہوتا ہے
ایسے مواقع ملتے کہ زندگی میں بھلا پیدا ہو۔ اس لیے ایک آدمی کسی ایسے دوست آدمی کی
اطاعت قبول کرے جس کے متعلق امکان ہے کہ وہ غلطی پر ہو؟ آدمی کیوں آگے
وجود کے احکام کی اطاعت کرے جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ کبھی غلطی نہیں کرنا یہ جانتے
کے بندہ کوئی... انسان یا انسان کا گروہ یا انکی اکثریت یا ان کی اپوری تعداد
غلطی سے برا اور نذرہ نہیں ہے کون ایسا شخص ہے جو خدا کے سامنے سر نہیں جھکا سکے؟
کون ایسا شخص ہے جو دوسروں کا فرمان بردار غلام بننے کی جگہ نہ چاہے گا کہ
اپنے ضمیر خیال اور عمل کی آزادی کو قائم رکھے؟

انہی مصلحتوں کے پیش نظر اسلام نجی ملکیت میں کچھ بچک کچھ ہے تاکہ ہر آدمی
کی آزادی اور اس کا اختیار پوری باقی رہے نیز یہ کہ کام کے لئے جو اس کے
قدرتی محرکات ہیں جہاں تک وہ پسندیدہ اور فطری ہیں وہ بھی انہی ہیں
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اسلام ملکیت ذاتی کی تبلیغ نہ کرتا ہوتا تو قرآن میں وراثت
کے قوانین درج نہ کئے جاتے ان کی توجہ میں اس بات کی طرف مبذول کروں گا کہ
خدا کا ایک نام الوارث بھی ہے اور قرآن نے یہ اعلان کیا ہے کہ بکت خیر الوارثین
کہ تو بہترین وارث ہے اور وہ سوال کرتا ہے تو تمہارے پاس اسکی کیا دلیل
ہے کہ تم خدا کی راہ میں نہ خرچ کرو؟ درآخا لیکہ اللہ ہی تو آسمان اور زمین کا وارث
ہے (سورہ ۵، آیت ۱۰)

اسی ثابت ہوا کہ قانون وراثت کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ اس نجی اور ذاتی ملکیت
تین نہیں ہوتی۔ ہر سچا مسلمان اس بات کو زیادہ پسند کرے گا کہ وراثت کے قوانین کو نظر

خدا ذاتی ملکیت کو حق لگائی کی جو بندوں کی ملکیت کی مراد اضافی اور عارضی ملکیت ہے
اس ملکیت کا مطلب شیعہ کے حقوق ہیں جو خدا اور ذمہ دار یکتا خدا کے جاتے ہیں قرآن میں
دعا کو شیعہ الٰہی میں کہتے ہیں بسے نفع اٹھانے کی چیز جو ایک خاص نہ کیلئے دی جاتی ہے (معلق)

کرنے اور اپنے مال اور دولت کو خیر الوائین کی وراثت میں دینے۔

یہ سمجھنا غلطی ہے کہ بالشو کو کل تمام نجی و ذاتی ملکیت کو ختم کر دیا، ... بلکہ ملکیت بالشو کا خاص مطلب دو ذرائع پیدائش دولت سے ہے ”اثر کیوں اعمال حقوق میں یہ کھٹا کیا ہو گا کہ جو کم جماعت کی پیداوار پر قبضہ کر لینی طاقت سے کسی شخص کو محروم نہیں کرتا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ نجی ملکیت کی بعض شکلوں کو جائز طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً گھر، مکان، باغ، چھوڑا کھیت لیکن صرف ذاتی استعمال کیلئے تجارت یا نفع کیلئے نہیں۔

بالشوزم درمیانی طبقہ کے ان لوگوں کا جو جاہلاد کے مالک ہوتے ہیں دشمن ہے۔
 کمونسٹ یعنی فیڈو کہتا ہے کہ ”درمیانی طبقہ کے جاہلاد مالکوں کو بلاشبہ راستہ صاف کر دینا چاہیے۔
 ہمیں اس بات کا علم ہو سکتا ہے کہ روس میں ختم نہیں کیا گیا ہے پابندی لگا دی ہے
 عیسائی اسلامی تو لوگ باختم لگا دی گئی ہیں اگرچہ سما اور طریقہ مختلف ہے روس میں دوسرے
 کلمہ ”یوگنڈا“ لکھا گیا ہے مگر نیکی بد حکومت کی طرف سے ”محصول“ یا ”محصول ترکہ“ لکھا ہے جس میں
 بد حالی سوچو تو زمانہ میں روس میں تجربہ جاری ہے اور یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ عیسائی جنگ شروع
 ہو گئی ہو اگر بالشو کو کو فتح ہوئی تو اشتراکیت تمام دنیا پر چھا جائیگی اور ملکیت ذاتی آج صراطِ راستہ
 کا ذریعہ نہیں رہتا ہے اس حیثیت کے غائب ہو جائیگی۔ اگر انہیں ناکامی ہوئی تو کسی کس
 شکل میں ملکیت ذاتی کا رواج روس میں بھی ہو جائے گی

ہم نے حالات سے جو کچھ اندازہ کیا ہے اس پر ایسا معلوم ہوئے کہ بالشو کہ خود اس
 سمجھوتہ کو اختیار کر کے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔ نصب العین حکومتی باقی رہے گا
 کہ ملکیت ذاتی کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے لیکن ایسے ذرائع بھی اختیار کئے جائیں گے
 جن سے ذاتی محروکات اور بچوں اور خاندان کی محبت کے طبعی میلانات
 وغیرہ کو انہماک کا موقع مل سکے گا۔

قطع ید و اسلامی معاشیات

اس

جناب حافظ سراج الدین محمود صابى لے۔ بی۔ ٹی

قطعید اور اسلامی معاشیات

(از جناب حافظ سراج الدین محمود صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

ایک صحبت میں میرے ایک دوست نے جو ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی اور صلاح کو جوان ہیں دریافت فرمایا:

”دیکھا چو رکا ہاتھ کاٹ ڈالنے کی سزا بہت زیادہ سخت نہیں ہے؟ بھوک اور فادکشی سے مجھ بھوکا کیا آہی

اگر پیٹ بھرنے کے لئے اپنی خوراک کے قابل کچھ چڑھے تو کیا اس کا بات کاٹ ڈالا جانا چاہئے؟“

حم و کرم اور شفقت و محبت کے جذبات کا یہ لہار اگرچہ ایک اجتہادی رنگ لئے ہوئے تھا مگر ان جذبات کی کُوج

ہی نہیں بلکہ الفاظ تک علمائے سیاست و مصلحین فرنگت مستعار لئے ہوئے تھے۔ ایک فرانسیسی مصنف و کٹر مہیکو

نے انہی جذبات و احساسات کو اپنی مشہور عالم تصنیف

معیبت زدہ میں ایسے غمناک پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ قارئین کا اس سے متاثر ہوئے بغیر ہونا ممکنات میں

سے ہے اس میں شک نہیں کہ علمائے فرنگ کا ایک طبقہ نیک نیتی سے یورپ کے ان قوانین کی جو دور تار ایک کی یادگار

سختی و شدت کم کرنے میں سعی رہا ہے لیکن سیاسیوں مغرب کا ایک ایسا گروہ بھی وہاں ہمیشہ موجود رہا ہے جو کسی

دیانتداری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی استعمار پرستانہ اغراض کے حصول کی خاطر ہر اسلامی نظریۃ قانون کو خدا

پر پگینڈا کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھے ہوئے ہے۔ کوئی موقع اور محل ایسا نہیں جہاں اس طبقہ کے افراد اپنی

زہر چکانی سے باز رہتے ہوں۔ تالیخ کا مضمون ہو یا جغرافیہ کا علم معیشت کا مسئلہ ہو یا معاشرت کا نہایت ہی

صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ اسلام کی مخالفت کر جانا اور تریاق میں زہر ملا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا،

تا کہ اس جالم ہر کو آسانی سے نوش کیا جاسکے، ان کا شیوہ ہوتا ہے۔

دشمنانِ اسلام کو اپنی فوقیت برتری اور قوتِ استبداد کو قائم رکھنے کے لئے دانستہ دنیا کی آنکھوں میں خاک چھونکے پر آمادہ و مستعد ہوتے ہیں لیکن ان فتنوں تو فرزندِ اسلام پر ہر جو حقیقتِ حال کو سمجھنے کی جرات بھی گوارا نہیں کرتے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کے انفاذِ زبان سے ادا کرتے وقت اپنے اعتراض کی اہمیت کو بھی قطعاً نہیں سمجھتے بلکہ ہراسِ زوالِ اس کی طرح جوشے بس ہی بولتے یا کرتے ہیں لہذا اس قسم کے شکوکِ شبہات خارجی اور فاسد اثبات کی بیدار نہ ہوتے بلکہ ہماری اپنی ذہنی بلندی اور لہجہ کا ہی نتیجہ ہوتے تو بھی بسا اذیت تھا کہ اس صورت میں کم از کم یہ تائید کی جاسکتی تھی کہ جب شی طیف موجود ہے تو جس طرح وہ شبہات پیدا کرتی ہے اسی طرح تھوڑی محنت اٹھا کر شبہات کا حل بھی نکال لے گی۔

اس قسم کے مترصین کبھی خیال نہیں کرتے کہ اسلام ایک نظام ہے جو ایک خاص قسم کا تمدن اور مخصوص قسم کی تہذیب پیدا کرتا ہے اس نظام کی تمام کڑیاں مسلسل اور باہم مربوط ہیں کسی ایک کڑی کو اس پورے نظام یا سلسلہ و انگ کے مطالعہ کا تحقیقِ حال سے بے خبری اور جہالت کی دلیل ہو ایسا کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہو سکتا تھا کہ اسلام بھی بعض دوسرے مذاہب کی طرح چند غیر مربوط اخلاقی اصولوں کا مجموعہ ہو تا یا صرف مواضعِ حسنہ کا ایک فتر جو علی زندگی میں ہندوستان کے عقیدہ اہمسا اور عیسائیت کے عقیدہ مسکنت کی طرح ناممکن العمل ہو تا یا اگرچہ کہ اسلام ایک مرتبہ اور غیر مربوط نظام ہے تو اس کے اجزاء کو الگ الگ نہیں بلکہ پورے مجموعہ کے ساتھ دیکھنا ہی مشاہدہ حقیقت کا صحیح طریقہ ہو سکتا ہے قطعاً یہ دیکھنا کوئی اہم حکم، آپس کو اس کے صحیح ماحول میں مطالعہ کیجئے آپ کے شکوکِ شبہات خود دور ہو جائیں گے۔

قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں ہماری نقطہ خیال کی وضاحت کی جائے اس سوال کی تحقیق کر لینی چاہئے اور یہ کیا ہے سوال ہے کہ انسانی سوسائٹی میں آخر چوری ہوتی کیوں ہے؟ اس کے متعدد اسباب و وجوہ ہیں اور ہو سکتے ہیں مگر ان کے بعد بڑی قسم ان پر تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلی قسم کی چوری وہ ہے جو حاجتِ اصلیہ کے بغیر محض حرص و ہوس، آسان طلبی یا انتقام کی جذبات کے ماتحت کی جاتی ہے اور دوسری قسم کی چوری وہ ہے جس میں حقیقی حاجتِ مندی ہوتی ہے ان میں پہلی قسم کو

ی کے متعلق تو ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی صاحب عقل آدمی پہلی سیانہ ہو گا جو اس کے مرنے کی کسی قسم کے حم کا متعلق سمجھتا ہو
 اس کے ساتھ نرم برتاؤ کی سفارش کرنا پسند کرے کیونکہ اگر اس نابینا کی جاہلی اور اسے بھولنے کا موقع دیا
 نیگا تو ملک میں ظالم اور مظلوم دو ایسے طبقے پیدا ہو جائیں گے جن میں سے ایک طبقہ اپنے ظلم اور طغیان کی سرکشی سے دوسرے
 فکیلے زندگی تنگ کر دیگا، اور جب سڑ طبقہ اس ظلم سے تنگ آ کر جواب میں اٹھ اٹھائے گا تو فساد، بلامنی اور خونریزی سے
 راکھیں صرب جانیگا۔ اٹھ کٹنے کی صورت میں تو دو چار کے ہاتھ کٹنے پر قنفر تو ہٹتا تھا لیکن اب چار نہیں بلکہ سینکڑوں ہاتھ
 زمین کٹنے بھی شروع ہوئے اور فساد کا چشمہ شکل ہی سے زیادہ ہو گیا لہذا اسی عری کی حق میں کوئی شخص حم اور زری کا مشورہ نہیں دے سکتا۔
 اب صرف دوسری صورت باقی رہ جاتی ہے کہ افلاس و ناداری یعنی بھوک، فاقہ کشی و محبوبہ کی وجہ محنت مشقت کو باوجود
 بھی انسان اپنے اور سب ان بچوں کے سر چھپا دے جو جگہ اتنٹھا کئے ہو کپڑا اور پیٹ بھرنے کو ڈیڑی یا سبکے تو لامحالہ اسے چھپی
 بیسی لیل اور قبیح عادت کا سہارا لینا پڑے خصوصاً صبیح دیکھتا ہے کہ وہ اور اس کے ال بچے تو فاقہ کشی میں مبتلا ہیں، اور
 اسی کے مانند دوسرے انسان جو کسی طرح بھی اس سے بہتر و تری نہیں، اسی نسبت کم محنت کر کے یا بالکل محنت نہ کر کے
 بھی عین عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، بلکہ خداوندی نعمتوں کو اس طرف بے جا اور حیاشی میں اڑا رہے ہیں تو اس کا دل
 اپنی بے نیلے غرق ریزی اور جفاکشی سے بھر جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ جب میں سیدھے طریقہ سے یا غیر منصفانہ نظام کوٹ
 نہیں تھا تو کیوں بچہ بچہ کے ذریعہ تقسیم دولت کے اس منظم کو توڑ ڈالوں؟ جب ملت کا یہ سارے بچہ کر ایک ہی طبقہ میں رہے
 جا رہا ہے اور مجھ جیسے پیادوں کو اس کے قریب بھی پھیلنے نہیں دیا جاتا تو کیوں میں خیر طریقہ سے یا بڑی حق اس کے اندر سے ایک نامی
 اپنے لئے بھی نکال لاؤں؟

جو شخص اس ضرورت کی بنا پر پورے راجپوری کرتا ہے، اس کا معاملہ یقیناً سید محمد دانا غور کا مستحق ہے مگر اسلام
 نظام سرمایہ داری کی طرح تقسیم دولت کے اس نامانہ اور وطن کو باقی رکھتا ہے اور پھر ضرورت سے مجبور ہو کر چوری
 کرنے والوں کے ساتھ اس زری کا سلوک نہیں نہیں کرتا ہے نظام سرمایہ داری نے اختیار کیا ہے تو بلاشبہ اسے ظلم سے
 تعبیر کیا جانا چاہئے کیونکہ حاجتمندوں کی حاجت پوری کرنے کا سامان بھی نہ کر دیا اور جب حاجت سے محروم ہو کر

چوری کریں تو ان کے ہاتھ بھی کاٹ دو اسے کون نہ نظم ہے گا لیکن اگر اسلام انسان کی حاجاتِ اصلہ کا سوال پہلے حل کرتا ہے اور پھر اس حل کو عملِ قائم کرنے کے بعد ان مفسدوں کے ہاتھ بیکار کر دینا چاہتا ہے جو اپنی حرصِ بوسیدہ انسانِ طبعی یا انتقام کی خاطر تقسیمِ دولت کے عادلانہ نظام کو دہم برہم کرنا چاہتے ہیں، تو اس پر اعتراض کرنے والے کو بان کھولنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ وہ انسانیت کی دوستی میں زبان کھول رہا ہے یا دشمنی میں۔

اب قبل اس کے کہ ہم اسلام کے اس تجویز کردہ عمل سے بحث کریں، ہمیں ایک نظریہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ سوسائٹی میں یہ غیر مساوی حالت اور غیر منصفانہ تقسیم کُن وجوہ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان وجوہ کے معلوم ہو جانے کے بعد ہمارے لئے اس حل کو سمجھ لینا نسبتاً زیادہ آسان ہو جائے گا۔

انسانی سوسائٹی میں غیر مساوی حالت پیدا ہونے کی صرف تین ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ قلبی، ذہنی اور جسمانی ہم ان کی مزید تشریح کر کے ہیں۔

قلبی وجہ: ہر ایک عقیدہ انسان ایسے طبقوں میں تقسیم ہو جائے جن میں سے بعض اپنے آپ کو دوسروں پر ممتاز اور اعلیٰ تصور کرتے ہوں اور بعض اپنے آپ کو حقیر اور ادنیٰ خیال کرتے ہوں اس کی مثالیں ہندوستان میں خاص کر پائی جاتی ہیں دیگر غیر اسلامی ممالک میں بھی دولت کی وجہ سے انسان کو اعلیٰ اور ادنیٰ طبقات میں تقسیم کر دیا گیا موجودہ زمانہ میں حقیقی اسلامی روح کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے عملاً اسلامی طبقات بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں، اگرچہ عقیدہً وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ذہنی وجہ: یہ پیدائشی طور پر انسان اپنی قابلیتوں کے اعتبار سے بعض انسانوں کے مقابلہ میں فائق تر ہوں اور اس بنا پر ان کے معاشرتی درجے اور مادی حالات میں بھی تفاوت پایا جائے۔

جسمانی وجہ: یہ زیادہ اثنورسوخ اور زیادہ طاقت کھنڈنے والے لوگ دولت عامہ کی تقسیم اس طرح کر دیتی کہ مایہ ناجائیں کران کو دوسروں سے بہت زیادہ حصہ ملے اور خاص طور پر کمزور عادلانہ تقسیم نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے محروم مغس یعنی غرور اور دولت مند

بڑی کامیابی تھی جس کی مثال تاریخ عالم آج تک پیش کرنے سے قاصر ہو اسی تربیت سے وہ قوم پیدا ہوئی تھی جس کے ایک عام فرد کو جب رستم سپہ سالار ایران نے دربار ایران کی شان و شوکت، دولت و ثروت و عزت و عظمت کے ہوش بے انتظام کے کھلا کر عجب مبہوت کر دیا تو اس پر ہند لگے لباس میں لباس اور چھپے ہوئے پیام میں تواریخ کھلے سپاہی کھپائے استعمال میں اسی لغزش بھی نہ آسکی۔ وہ سپہ سالار ایران کے جواہر ت سے مصرع تحت پر اس کے پاس اس طرح بے تکلف جا بیٹھا جیسے کہ اس کی ساری عمر شاہی درباروں میں ہی گزری تھی اُسے بازو سے پکڑ کر تخت پہنچے اتارنے میں جمیوں نے حماقت کی لیکن اب وہ فرزند خداوندی پر بھی اسی بے تکلفی اور ان بان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گویا مجمع کا سر دار ہی ہے اور جب اس کی زبان سے یہ جملے ادا ہوئے :-

”ہم میں یہ دستور نہیں کہ کوئی ایک ہم میں سے خدا کو بیٹھ جائے اور باقی اس کے سامنے اس کے بندوں کا طرح

ہیں کہ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ہمارا جو ایر ہے وہ ہمارے برابر ہی فرش زمین پر بیٹھتا ہے۔ اگر اسے ایک کھیلے

بھی ایسا خیال آئے تو ہم اسے فوراً سوزل کر دیں ہم سب کئی بچائی ہیں اُقا و غلام نہیں ہیں۔“

تو اس انقلابی آواز کو سن کر ایرانیوں کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں اور طبقاتی امتیازات سے کچلے ہوئے ایران اسلامی جمہوریت کے اس مظاہرہ سے بہشت زدہ ہو کر رہ گیا اس طرح اسلام نے طبقاتی فرق و امتیاز کے عقائد باطلہ کا بے عمل طور پر پائش پاس کر کے رکھ دیا۔ پھر جب ذہنی اور فکری قوتوں کو اس فتنہ سے نجات ملی گئی اور انسان انسانیت کے رتبہ پر پھر سے فائز ہو گیا تو اسلام نے اس فکری آزادی کے حفظ و بقا اور انسان کی طبقاتی تقسیم کی قطعی منسوخ کنی کے لئے دوسرا قدم بڑھایا۔

(۲) دولتِ عامہ کی عادلانہ و منصفانہ تقسیم

قائم رکھنے کے لئے ایسے تمام کاروبار کی قطعی ممانعت کر دی جس سے بلا نجات دوسری

کسائی پر گھر بیٹھے قبضہ ہو سکے اور ہاتھ پیاؤں تک بھی ہلانے نہ پڑیں سود خواری، اجارہ، احتکار اور اکتاز اموال کا حرام قرار دیا جانا انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ اسے کم نہ تھا۔ وہ تمام ظالمانہ اور حریصانہ افعال

یکدم بند کر دئے گئے مجس دیوں سے انسانوں کا خون چوس رہے تھے اسے سوائی میں کوئی ہوشیار لوہا لاک انسان دھوکہ فریبے بغیر کسی محنت و مشقت کے، دوسروں کی کمائی پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور دولت عامہ کی غیر منصفانہ تقسیم اس سوسائٹی میں ایسا ممکن نہ تھی۔

(۲) اس حکم سے ناجائز ذرائع آمدنی کو تو قطعاً بند کر دیا گیا۔ جائز ذرائع اور مناسب محنت و مشقت سے حاصل کردہ آمدنی کو مستحسن قرار دیا گیا۔ مگر دولت کا چند افراد یا گروہوں کو پاس جمع ہو جانا پھر بھی سوسائٹی میں مفساد اور فتنے کے پیدا ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔ ہر جائز و جائز اور ضروری سے ضروری چیز کا جب غلط استعمال کیا جائے تو اسی چیز سے پھر مفساد پیدا پیدا ہو جاتا کرتے ہیں۔ اس لئے حد سے زیادہ دولت کا کسی ایک جگہ جمع ہو جانا اسلام نے گوارا نہیں کیا اسی کے تدارک کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ جائز محنت سے کمائی ہوئی دولت بظاہر انسان کی انفرادی محنت کا پھل ہوتی ہے اس لئے بادی النظر میں ہی سمجھا جاتا ہے کہ جس نے اپنی محنت سے اس دولت کو کمایا ہے وہی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق دار ہے لیکن اسلام اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا کہ کسی شخص کی کمائی ہوئی دولت محض اس کی انفرادی محنت کا ہی ثمر ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے کہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص کی محنت کا بار آور ہونا ان تمام لوگوں کی مشترک محنتوں کا نتیجہ ہوتا ہے جن کے ساتھ ان کا معاشرتی اور تمدنی رابطہ ہے۔ لہذا جن لوگوں کی محنت زیادہ بار آور ہوئی ہیں ان سے وہ ان لوگوں کا حق رکھوا لیتا ہے جن کی محنت کم بار آور ہوئی یا بار آور نہ ہو سکیں اس حق کو وہ سوسائٹی کے مشترک خزانہ یعنی بیت المال میں جمع کرتا ہے اور خزانہ کے ناظموں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ ان طبقوں تک اسے پہنچائیں جو تقسیم دولت میں اپنا مناسب حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں۔ اس طریق تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبِ نصاب اور نادار

میں اتنا بعد الشرفین باقی رہا جس سے اس میں کسی تصادم کا خطرہ پیدا ہو سکے یہی وجہ ہے کہ سولہ

محنت کی جنگ سے اسلامی ممالک آج تک کبھی آشنا ہی نہیں ہوئے۔ چونکہ جائز حدود کے اندر انفرادی جدوجہد کو کلیۃً مسدود کرنا بھی خلافِ فطرت ہے اور ساتھ ہی کسی ایک جگہ دولت کے انبار لگ جانا بھی فطری نظامِ تمدن کو خراب کر دینے کا موجب ہے۔ اس لئے اسلام نے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ اس خطرے کا سدِ باب بھی کر دیا اور انفرادی آزادی بھی باقی رکھی۔ یہ حل فطرت سے اس قدر مطابق اور حکمتوں سے اس قدر پر ہے کہ بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ العلیٰ العظیم نکل جاتا ہے۔

(۳) وراثت کے باب میں دنیا کا عام نظریہ یہ تھا کہ جو دولت ایک مرتبہ ایک جگہ اکٹھی ہو چکی ہے وہ جمع کرنے والے کی وفات کے بعد بھی اکٹھی رہے۔ اسی غرض کے لئے اولاد اکبر کے

حق کا اصول وضع کیا گیا اور بعض جگہ اس میں یہاں تک غلو کیا گیا کہ اگر مرنے والا اولاد نہیں رکھتا تو وہ کسی کو منتی کر لئے تاکہ اس کی جمع کی ہوئی دولت اور فراہم کی ہوئی جائداد ایک ہی جگہ بندھی کی بندھی رہے۔ اسی طرح سوسائٹی کے بعض طبقوں کو مستقل طور پر وراثت کے حق سے محروم بھی کر دیا گیا، مثلاً عورتیں۔ یہ بھی دولت کی حیرت انگیز تقسیم کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ اسلام نے اس حالت کو کلیۃً تبدیل کر کے رکھ دیا۔ نہ صرف تمام اولاد کو میں ہی باب کے ترکہ کو تقسیم کر جانے کا حکم صادر فرمایا بلکہ طبقاتِ انات میں صرف بیٹیوں ہی کو نہیں بلکہ بیوں تک کو بھی محروم نہ رکھا اور بہت سی صورتوں میں قریبِ بعید عزیز و اقارب سب فی القربیٰ کو بہرہ ور فرمایا۔ کمانے والے کو اپنی زندگی میں اپنی جائز کمائی سے، بعد از ادائے زکوٰۃ و صدقات و مبرات، جائز حد تک ہر طرح مستفید ہونے کا حق ضرور دیا لیکن اس کی موت پر باقی ماندہ دولت سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ زیادہ سے زیادہ وسیع کر دیا۔

(۴) اسلام نے اس سوسائٹی کے افراد کو زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور ملازمت سب ہی کی اجازت دے دی لیکن ان سب کے لئے ایسے حدود مقرر کر دئے کہ کوئی شخص دوسروں کو نقصان پہنچا کر یا

اپنی مناسب حد سے تجاوز کر کے کچھ حاصل نہ کر سکے۔ ملازموں نے اپنی پوزیشن کو دیکھتے ہوئے ہر تیکہ کو لینے سے احتراز کیا اور قبول ہدیہ کو بھی رشوت میں شمار کیا۔ قارض نے مقروض کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنے تک کو سود لینے کا ارتکاب تصور کیا۔ تجارت پیشہ نے اپنے مال کے ناقص خریدار کو کھلاؤ وغیرہ مال فروخت کرنا ناجائز اور حرام خیال کیا۔ زراعت پیشہ نے دوسرے بھائی کے کھیت سے بلا اس کی اجازت گھاس تک کے کاٹنے کو چوری سے تعبیر کیا پھر انصاف کے حصول میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مقدمات کے لئے بھی ایک پیسہ کا خرچ نہ تھا۔ کورٹ فیس، رشوت، بے جا رعب و دابہ حاجت دربان کی منتوں اور دکھاؤ کی قانون تراشیوں کا دروازہ بند تھا۔ اگر حکمران وقت کو کھلا بھی چارہ جھوٹی کی ضرورت پیش آتی تھی تو غریب سے غریب مزدور کے لئے بھی کوئی رکاوٹ یا مانع موجود نہ تھے۔ امانت، نکاح خوانی، غنی یا خوشی کی تمام تقریبات انجام دینے کا ہر مسلمان اہل تھا اور ان کاموں کے لئے بھی نہ کسی خاص طبقہ کے مخصوص حقوق تھے اور نہ ان کی انجام دہی کے سلسلہ میں کسی کی جیب پر کوئی بار پڑتا تھا۔ مرنے والوں کو قبر کے لئے زمین بھی مفت ملتی تھی اور اگر میت کے ورثہ کفن فرما کر نہ کے قابل نہ ہوتے تو کفن بھی بیت المال سے بلا قیمت مل جاتا تھا۔

(۵) اسی پر نہیں کی گئی بلکہ حقوق ہمسایہ کو استفادہ وسعت دی گئی کہ حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہمسایہ کے اتنے اتنے حقوق بتائے گئے کہ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں اس کو ترکہ اور وراثت میں شریک نہ کر دیا جائے“ مسلمان سے کہا گیا کہ ”تیرے لئے اس صورت میں کھانا حرام ہے جب کہ تیرا بڑا بھائی یا بھوپڑا اس باب میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی کوئی تمیز نہ کی گئی قرآن حکم عام تھا کہ **وَالْأُولَآئِیْنَ اِحْسَانًا وَبِذِی الْقُرْبٰی وَالسَّیْمٰی وَالْمَسَکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ** نیک سلوک کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، بڑوسی کے ساتھ خواہ وہ قرابت دار ہو یا غیر پاس بیٹھے اٹھنے والوں کے ساتھ، مسافر کے ساتھ

اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو خدا نے تمہارے بس میں کر دیا ہے۔

فلسفیانہ اور اعتدائی مجموعہ قوانین کے لئے تو کسی قوت نافذہ کی ضرورت نہیں ہو اگرئی کیونکہ اس قسم کے اختیاری فرض کسی سوسائٹی کے تمام افراد کی عملی زندگی پر حاوی ہونے کے لئے وضع ہی نہیں کئے جاتے۔ ان کی حیثیت اختیاری امور کی سی ہوتی ہے جو اشخاص انہیں پسند کریں ان پر عمل پیرا ہوں دیکھیں ورنہ بصورت دیگر ان پر کوئی الزام نہیں سبکی اسلامی قوانین کی حیثیت نہ تھی یہ اس دنیاوی زندگی میں ایک برتر و اعلیٰ سوسائٹی کی تخلیق و تنظیم کے لئے انسان پر فرض کئے گئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی پشت پر ایک ایسی قوت ہو جو راستے سے تمام موانعات کو دور کر دینے اور احکام کو جاری کرنے کی طاقت و صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہو چنانچہ حقوق العباد یعنی انفرادی اور اجتماعی انسانی حقوق کو صحیح حدود کے اندر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے نہ صرف قوانین دیوانی و فوجداری مرتب کئے بلکہ ان قوانین کے اجرا و عمل درآمد کے لئے ایک قوت نافذہ یا ہیئت حاکمہ بھی تشکیل کی جسے عرف عام میں حکومت اور اسلام کی زبان میں خلافت الہیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس امارت اسلامیہ اور عام دیناوی حکومتوں میں اتنا ہی فرق و امتیاز ہے جتنا کہ خدائی اور انسانی کاموں میں ہوا کرتا ہے۔ یہ خلافت اسلامیہ اگرچہ ہر ماحول و مبالغہ کے دوٹ پر منحصر نہیں تھی لیکن پھر بھی اس میں کسی ایک فرد واحد کے حقوق کو خواہ وہ کتنا ہی غریب اور دوچار افتادہ کیوں نہ ہو، پامال کرنے کی قوت باقی رہتی تھی۔ یہ حکومت اگرچہ موجودہ دور کی سچی جہلوی حکومتوں کی مانند بھی نہ تھی لیکن اس میں عوام الناس کے بالمقابل کسی ایک انسان کو بھی اپنی ذات کے لئے حقوق و امتیاز کے خاص حقوق حاصل نہ تھے خلیفۃ اللہ یا امیر المومنین اپنی رائے و منشاء سے اپنے ہر اکس فعل میں جمہوریت کی مہبودی کے لئے سر انجام دینا چاہتا تھا مطلقاً آزاد و خود مختار تھا لیکن حدود اللہ سے جو نہایت ہی واضح اور بین طور پر بیان کر دی گئی تھیں اور جن میں وہ ایک ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا تھا۔ بال بھر بھی ادھر ادھر نہ ہوتا اس کے لئے محال تھا۔ تمام اسلامی افواج کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھی

بیت المال کے تمام اموال و خزان اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتے تھے۔ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد اس کے حکام پر ہی نہیں اشارہ تک پر تسلیمِ خم کرنے کو اس حد تک تیار و آمادہ پایا جاتا تھا کہ دنیا بھر میں ایسی نسیم و رضاء اور فدائیت کی مثالیں نہ پہلے کبھی تھیں اور نہ ہی بعد میں پائی گئیں لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک تھا جب تک کہ وہ خود احکامِ خداوندی اور فرماں نبوی کی اطاعت میں سب سے آگے ہوتا تھا۔

قیصر و کسریٰ کے تمام خزان بیت المال میں جمع ہیں لیکن یہ مختار مطلق دوا کے لئے بھی شہد کی ایک معمولی مقدار قوم کی اجازت کے بغیر اس میں سے حاصل نہیں کر سکتا لٰن قہار افواج کے مالک کے سامنے جن سے شرق و غرب کانپتا تھا، جن کی ایک ضرب کے سامنے قیصر ہر قل گھبرا کر ”الوداع اوشم“ کہتے پر مجبور ہو گیا تھا، ایک بڑھیا کھڑی ہو کر کہہ دیتی ہے کہ مہر کی مقدار مقرر کرنے کے لئے آپ کا فتویٰ غلط ہے، اور وہ اپنا فتویٰ واپس لے لیتا ہے۔

یہ تو بس نظامِ حکومت میں مسلمانوں کی حیثیت تھی لیکن رحمۃ اللعالمین کے طفیل سے جو سوائے عالمِ وجود میں الٰہی تھی اس میں غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کو بھی وہ حقوق حاصل تھے جن کے متعلق دشمنوں کی شہادت موجود ہے کہ غیر مسلم رعایا کو وہ تمام حقوق حاصل تھے جو ان کو اپنی حکومت میں بھی حاصل ہونے ممکن نہیں تھے لیکن وہ صرف خلیفہ نہیں بن سکتے تھے۔ ایک بوڑھے اور ضعیف ذمی کا اس لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ بوڑھا لپے میں اس کو دوسروں کے سامنے سٹال دراز کرنے کی ذلت سے بچایا جائے ایک عیسائی نے جب ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو ان الفاظ میں اپنے متعلق یاد دہانی کرائی کہ میں وہی عیسائی ہوں جو آج سے قبل فلان وقت حاضر ہوا تھا تو حضرت فاروقؓ نے فوراً جواب میں فرمایا میں وہی مسلمان ہوں جس نے تمہارے حسبِ نشا اسی وقت احکام نافذ کئے تھے۔ ان سب بڑھ کر وہ واقعہ ہے کہ جب ایک بد بخت آتش پرست غلام نے حضرت فاروقؓ کو شہید کر دیا اور اس عمرؓ نے شہیدِ نجاتِ عالم سے مغلوب ہو کر اُس مجوسی کو قتل کر ڈالا، تو صحابہ کرامؓ نے ایسے سخت و غیر معمولی

جوش قومی کے موقع پر بھی عدل کو فراموش نہ کیا، اور نئے خلیفہ کے سامنے سب سے پہلا سوال یہ پیش کیا کہ خلیفہ شہید کے بیٹے نے چونکہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر باپ کے قاتل سے خود انتقام لیا ہے اس لئے اس سے قصاص لینا جانا چاہئے اگرچہ حضرت عثمانؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور وہ حق پر بھی تھے لیکن پھر بھی ان کو بیت المال سے مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کر ہی پڑی۔ غور تو کیجئے اس بیسویں صدی میں بھی حاکم قوم کے ایک معمولی فرد کو قتل کر دینے پر پوری قوم آپے سے باہر ہو جاتی ہے اور قاتل کی پوری قوم پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔ مگر اسلام کی شانِ عدل دیکھئے کہ خلیفہ وقت اور ملتِ اسلامی کا نامور ترین ہیرو مار ڈاجاتا ہے اور پھر بھی بیروانی سلام عدل و انصاف کو نہیں بھولتے۔ قاتل کی قوم تو رہی درکنار، خود قاتل سے بھی غیر قانونی انتقام لینے کو جائز نہیں رکھتے۔

عرب کے مفلس و قلاںچہ و شاہانِ مدیران کے محلات میں داخل ہوتے ہیں اور آلِ ساسان کے صدیوں کے جمع شدہ اموال و خزان، زر و جواہرات دولت کے انباران کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں مگر ایک ٹی سے لیکر زر و جواہر سے مرصع اونٹنی تک صحن محل میں بھینس لاکر جمع کر دی جاتی ہے۔

اب اس تمام بیان کو ایک بار پھر پڑھو، ایک ایسی سوسائٹی جس میں جواہر، ستارے، اجارہ، احتکار، بیعِ غرر، سود اور دوسرے تمام دھوکہ فریب سے کئے جانے والے کاروبار حرام کر دئے گئے ہوں جس میں عزیز و مفارب، رشتہ دار و ہمہ گیر اور قریب و بعید ہر ایک کے حقوق کی حفاظت کر دی گئی ہو، جس میں دولتِ عامۃ کی تقسیم کو صحیح اور مناسب حدود کے اندر رکھ کر کسی ایک جگہ دولت کے انبار جمع ہو جائے کہ امکان کا بھی متدبَاب کر دیا گیا ہو جس میں حکومتِ سید القوم خادِ مہم کے اصول پر اس حد تک عمل پیرا ہو کہ لباس، خوراک، رہائش اور آسائش سمجھی چیزوں کے لحاظ سے حکمرانِ وقت کی نسبت عالمِ عیال کو

زیادہ خوشحالی، فارغ البالی اور سہولتیں نصیب ہوں، جس میں انصاف، مفت، تعلیم، مفت، نکاح و طلاق، مفت تجویز و تکفین، مفت، عرض خدمت عمومی کے تمام کام مفت ہوں، جس میں حاجتمند کی ہر حاجت کا کفیل بیت المال ہو، جس میں عاتقہ انسان کی اخلاقی تربیت اتنے بلند پیمانہ پر کی گئی ہو جس کا ہم بزرگ کر حکمرانوں کی ایسی سوسائٹی میں چوروں اور سارقوں کے لئے کوئی جگہ باقی رہ گئی تھی؟ آپ مذکورہ صدر حالات پر قطعاً خالی الذہن ہو کر غور فرمائیں اور اگر پوری دیانتداری سے غور و خوض کے بعد بھی آپ اس تجربہ پہنچیں کہ اس سوسائٹی میں بھی کسی ایک انسان کے چوری پر حقیقتہً مجبور ہونے کا کوئی امکان، تو پھر ہم اپنی رائے پر اصرار نہ کریں گے لیکن اگر اس کا جواب نفی میں ہے، اور حقیقتہً اس کا جواب ہم ہی نفی میں تو پھر آپ خود ہی فرمائیں کہ کیا ایسی سوسائٹی میں سر قہ یا چوری جیسے فعل قبیح کا ارتکاب کرنا لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی برتی جاسکتی تھی؟ کیا وہ لوگ بدترین قسم کے مفسد نہ ہوں گے جو ایسے عادلانہ نظام اجتماعی میں رہ کر بھی چوری سے باز نہ آئیں؟ ایسی سوسائٹی میں چوری کرنے والا خود اس بات کا ثبوت ہم نہیں پہنچا تا کہ وہ حاجت سے مجبور ہو کر چور نہیں بنا ہے بلکہ کھچو کی طرح اس کی طبیعت ہی ناپاک ہے؟ پھر اگر کھچو کے لئے سر کھینچنے کی سزا سخت نہیں تو اس سزا سے اور زیادہ خطرناک اجتماعی کھچو کے لئے قطعید کی سزائیوں سخت ہو؟

علم النفس کا یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ فطرت کی سختی و شدت کو انسان گھٹا نہیں سکتا البتہ اسے متعدد درجے تقسیم کر دے سکتا ہے، اسلامی تفریزی قوانین کو غلطی سے انسان نے آج کل سخت تشدد کر لیا ہے مگر وہ ان کی مفرور شدت کو کم تو نہیں کر سکا البتہ اپنی حماقت سے اس کو متعدد درجے تقسیم کر کے بنی نوع انسان کو عام طور پر پتلا لے آلام و مصائب ضرور کر رہا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں ہر ایک کی تکلیف کی مقدار کم نظر آتی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے انسانیت کی روح اس شدت کو یقیناً بہت بُری طرح محسوس کر رہی ہو جہالت جدیدہ نے اسلامی تعزیرات کو سخت تصور کیا اور جرائم کے لئے ہلکی سزائیں تجویز کیں لیکن ان

ملکی سزائوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ شہرارت پسند عناصر نے ان کو درخور اعتنا بھی نہ سمجھا اور جرائم اور مجرموں کی تعداد روز افزوں ہوتی چلی گئی کیا حقیقت نہیں ہے کہ بعض پیشہ ور مجرم اور شدید ترین قسم کے سارق جیل سے رہا ہوتے وقت حکام جیل سے کہہ آتے ہیں کہ ہمارا پیارا اور کبیل سنبھال کر رکھنا، ہم غنقریب واپس آئے! قطعید کی سزا اگر محض معدومے چند آدمیوں کو دے دی جاتی تو بہت سے انسان چوری کے جرم اور اس کے مادی و اخلاقی نقصانات، اور جیل کی بدترین زندگی سے بچ جاتے اور ہماری معاشرت میں اس بدترین ادارہ کو زیادہ نشوونما کا موقع نہ ملتا جسے ”جیل خانہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جیل میں بہت سے مختلف قسم کے مجرم مل کر مجربانہ زندگی کے لئے ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں۔ جینے بھرنے کو اس طرح سختی سے بچایا گیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے لا تعداد انسانوں کو جرائم کی ترغیب ہوئی اور زلے جرائم کا ارتکاب کرنے کی تدبیریں بھی وہ ایک دوسرے سے سیکھ گئے، اور جیل کی زندگی سے مانوس بھی ہوتے گئے! اس پر مزید یہ کہ سوسائٹی کو جرائم کے مدد سے کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑا دارو گیر اور پکڑ دھکڑ کے لئے زاید پولیس۔ عدل و انصاف کے لئے نزدیک عدالتیں، مجرموں کے قیام طعام اور ان کی نگرانی کے لئے بہت بڑے اسٹاف کے مصارف اور ان سب کے ساتھ کثرت جرائم کی وجہ سے جو ذہنی پریشانی قوم کو لاحق رہی اس کا کوئی حساب لگایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی کوئی قیمت مشخص کرنا جاسکتی ہے۔

پھر کیا تہذیب جدید کی پیدا کردہ سوسائٹی آج کل شدید سزائوں سے ہر معاملہ میں اجتناب کر رہی ہے؟ قطعاً نہیں جبرنی اور بعض دوسرے ممالک میں تہذیب اور قوم کے نام پر موروثی امراض کے مریضوں اور ناکارہ افراد کے لئے آج جو قانون نافذ ہے کیا وہ قطعید کی سزا سے کم سخت ہے؟ اس کا نام ”تولید نسل صالح“ رکھ دیجئے اور اس مہذب نام سے لوگوں کے صنفی اعضا کا کاجھلپٹ بجئے تو کوئی عیب نہیں لیکن تولید جماعت صالحہ کے لئے یہی قطعید اعضا کا طریقہ اختیار کیا جائے تو عیب ہے اور اس کو وحشت و بربریت سے تعبیر کیا جاتا ہے! یہ اگر تو عجیب نہیں تو اور کیا ہے؟

اس سلسلہ میں ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس تہذیب کے دور میں منزلے انتظام مشہور نہیں ہے بلکہ اصلاح اور ترقی قلب مقصود ہے، لہذا مہذب ممالک کے حیل خانوں میں سخت نراؤں کی نسبت مجرم کی اصلاح پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تاکہ مجرم ان حیل خانوں کی بہتر شہری اور زیادہ دیانت دار انسان بن کر نکلیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مغرب اور مغرب زدہ انسانوں کی فطرت الٹی واقع ہوئی ہے۔ وہ دُکھ درد کی پکار پر اس وقت تک کان نہیں دھرتے جب تک کہ انسان اپنے ساتھ خود ان کو بھی لے مرنے کی نہ ٹھان لے جب علاج کا وقت ہوتا ہے تو یہ بحرِ مانہ غفلت اور بے پروائی سے کام لیتے ہیں۔ لہذا جب پانی سر سے گزرتا ہے تو پھر علاج کی فکر کرتے ہیں۔ ان کی یہ حالت صرف سیاست ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسی پران کا عمل ہے مجرموں کی اصلاح کی کوششیں اسلام سے زیادہ کون کرے گا؟ لیکن نتیجہ اصلاح کا وقت وہ نہیں ہوتا جب مجرم جرم کا ارتکاب کر کے نرا کا مستحق ہو چکا ہو بلکہ اس کا صحیح وقت بطورِ مادر سے نکلنے کے بعد اور جس میں داخل ہونے سے پہلے ہو اور اقوام کی اخلاقی اور ذہنی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ ان کی بُرائیاں و جباہلیاں چمکا بھٹیں۔ یوسالسی کا نظام ایسا بنایا جائے کہ اس میں کسی کو اپنی حقیقی ضروریات کے لئے جرم کرنا ہی نہ پڑے یہی طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے۔ وہ اس وقت سے مجرم کی اصلاح کا طالب ہوتا ہے جب کہ اس نے ابھی آغوشِ مادر میں آنکھیں ہی کھولی ہوں وہ قرآن اور سنتِ رسولؐ کے فریادِ عجز اس کو بہترین اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے ساتھ اجتماعی زندگی میں خرابی کے تمام اسباب و علل کی چھان بین کر کے ایسی فضا پیدا کر دیتا ہے کہ اس میں جرم کا نشو و نما ہی نہ ہو سکے۔ اس طرح ارتکابِ جرم اور گرفتاری سے پہلے اصلاح کی تمام تدبیریں پوری کر لیتا ہے پھر جب اس کے مادرِ جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اس صورت میں اس کو فردِ حد کی اصلاح کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی ان دوسرے بہت سے افرادِ جہنم نے ابھی جرم نہیں کیا ہے ارتکابِ جرم سے بچانے کی فکر ہوتی

سلام اور اشتراکیت

آخر
علامہ اقبالؒ

ایسا سیاسی ادارہ جو متوسط طبقہ کے مسلمانوں کی قسمتوں کو سنوارنے کا ذمہ نہ لے تو میرا شخصی ابقان ہے کہ وہ مسلم عوام کے لیے جاؤب توجہ نہیں ہو سکتا۔ دستور جدید کے تحت بڑے بڑے عہدے اعلیٰ طبقہ کے افراد کو اور چھوٹی چھوٹی ملازمتیں وزراء کے احباب اور اعزہ کو ملیں گی۔ دوسرے امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا خیال تک نہیں کیا۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے مسلمانوں نے محسوس کرنا شروع کیا ہے کہ گزشتہ دو سال سے وہ انحطاط پذیر ہیں ویسے تو انہیں یقین ہے کہ ان کی غربت ہندو مہربا یہ داری کا نتیجہ ہے مگر یہ ادراک کہ غیر ملکی حکومت بھی اس میں برابر کی شریک ہے، انکے ذہن میں پوری طرح پیدا نہیں ہوا۔ لیکن آئندہ اس خیال کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جو اہل لالی کی ملحدانہ اشتراکیت کی طرف مسلمانوں کے مائل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے اب سوال ضروری ہے کہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلہ کا حل کیا ممکن ہے لیگ کے بسوئے مستقل کا دار و مدار ان مساعی پر جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں و اختیار کرے گی اگر لیگ اس قسم کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتی ہے تو یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس کے بغیر رہیں گے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید تصور کی روشنی میں اسکو وسیع تر کرنے میں اس مسئلہ کا حل نکل آنا ہے اسلامی قانون کے طویل اور گہرے مطالعہ بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر عملی جامہ پہنایا جائے تو کم از کم ہر فرد کے منہ کی حق کا تحفظ ہو سکتا ہے لیکن اس ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ اس کی توسیع ایک آزاد مسلم مملکت یا

مملکتوں کے بغیر ناممکن ہے۔ کئی سال سے یہ میرا ایمان رہا ہے اور اب بھی ہے کہ
 مسلمانوں کے معاشرتی مسئلہ کے حل اور پر امن ہندوستان کے حصول کا یہی واحد طریقہ ہو سکتا ہے
 اگر ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ہے تو دوسری صورت صرف خانہ جنگی کی ہے جو فی الحقیقت
 ہندو مسلم فساد کی صورت میں کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں
 شمال مغربی سرحدی صوبہ میں فلسطین کے حالات کا اعادہ ہو جائے۔ ہندوستان
 جو اہرلال کی اشتراکیت کا شمول بھی شاید خود ہندوؤں میں غور زیری کا موجب
 ثابت ہو اشتراکی جمہوریت اور برہمنیت کے مابین جو امر تیقح طلب ہے، وہ اس امر
 کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جو کبھی برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان پیدا ہوا
 تھا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ ہندوستان میں اشتراکیت کا وہی انجام ہو سکا جو بدھ
 مت کا ہوا تھا۔ لیکن اتنا تو بالکل واضح ہے کہ اگر ہندو مت نے اشتراکی جمہوریت
 قبول کر لی تو پھر وہ ہندو باقی نہیں رہے گا جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اگر وہ اشتراکی جمہوریت کو
 اپنے قانونی اصول کے مطابق اشتراکیت کی بعض مفروضات و مناسب نکلوں کو قبول کرے تو کوئی
 انقلاب نہیں بلکہ اصل اور خالص اسلام کی طرح جمع کرنے کے مشن ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ
 جدید مسئلہ کا حل ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کیلئے آسان تر ہے لیکن جیسا کہ میں اوپر
 ظاہر کیا ہے مسلم ہندوستان کیلئے ان مسائل کے حل کو ممکن بنانے کی خاطر ملک دوبارہ تقسیم کے
 ذریعہ بڑی مسلم اکثریت کے واسطے ایک یا زیادہ مسلم مملکتوں کی فراہمی ضروری ہے، کیا وہ
 نہیں سمجھتے کہ اس فہم کے مطابق کد وقت آ گیا ہے۔ جو اہرلال کی ملحدانہ اشتراکیت شاید
 یہی بہترین جواب ہے جو آپ اس کو دے سکتے ہیں۔

چند بنیادی معاشی مسائل اور اس کا اسلامی حل

از
حمید اللہ ام۔ اے

مترجم

عبدالرحمن سعید بی۔ اے

یوسف الدین ام۔ اے

چند بنیادی معاشی مسائل اور اس کا اسلامی حل

عدم مداخلت کی معاشیات (LAISSEX-FAIRE ECONOMIC) میں بنفسہ

ایک طرح کا تصادف پایا جاتا ہے جو اکثر صورتوں میں معاشرتی ترقی اور شخصی ترقی میں ایک قسم کی کشمکش یا مشغول ہے۔ کیونکہ ہر فرد آزادی کے ساتھ رخصت معاشی ضروریات کی بنا پر اپنے خاندانی مفاد کیلئے کام کرتے ہوں یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو عام ترقی کی خاطر قربان کر دیں گے جس کی اکثر صورتوں میں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ماسوا اس کے عدم مداخلت کی معاشیات، عوامل پیدائش کے بارے میں مساوی یا حسب ضرورت قوت مسابقت کی اقسام میں یہی غلطی کرتی ہے منظم طریقہ پیدائش کے تحت مزدور طبقہ ”مقررہ پیدائش“ کے برابر اجرت طلب کرنے کی اپنے میں قوت نہیں رکھتا محنت کی رسد کو بین طور پر کسی عوض مدت کے لئے بھی روکا نہیں جاسکتا۔ پیدائش کے

ان ہر دو عاملین میں مسابقت کی غیر توازن قوت پائی جاتی ہے یہ معاشی آزادی بہت جلد عدم مداخلت کے مفروضات کا خاتمہ کر دے گی ابتداء حالات خواہ کیسے ہی پاکیزہ کیوں نہ ہوں۔ ان مفروضات کی عدم تکمیل خاص طور پر مزدور طبقوں کے حق میں جن کی کثرت ہے غیر فائدہ بخش ہوتی ہے جو جوں جوں حالات ان کے ناموافق ہوتے جائیں ان کے حالات بہت بدتر ہو جائیں گے اور ان کا اثر

ہمہ گیر ہے ایک طرف تو محنت کرنے والوں پر غربت و افلاس طاری ہو جائے گا اور دوسری طرف انھیں سال بالآخر کرنے والے انہی آجین جیسے زیادہ دولت مند بن جائیں گے۔ مرقوں سے انھیں عدم مداخلت دنیا میں کا فرما رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ دار سے ان تھک جائیں گے انسان تو

بڑا تک عسرت و فدا کرتا کا شکار ہیں اور اس کے برخلاف چند خوش باش دولت میں مگن ہیں۔ اس نظام کی نذر اذیت و ترویح کے باعث انسانوں کا ایک گروہ تو کہیں کا بھی نہیں رہتا اور دوسرے کا دولت کے پیچھے پڑے رہنے کے ہوا کسی اور چیز میں دل نہیں لگتا۔ وقتاً فوقتاً مذہب اور آئین حکومت نے ایسی حالت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ اسلامی قانون بھی اس انقلاب کی تلقین کرتا ہے۔ اور یہ ہی وہ پہلا نقطہ ہے جہاں سے مذہب کا علم المعیشت کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے، قبل اس کے کہ لوگ مذہب کی طرف راعب ہوں مذہب کو اپنے پیروں اور باطنیہ سے ان کی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی معاش فراہم کرنے کا نہ صرف وعدہ بلکہ اس کا تحفظ بھی ضروری ہو۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے اسلام نے ایک جدید معاشی نظام کی داغ بیل ڈالی ہے۔ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ معاشرت میں افلاس و غربت کا کوئی تصور نہیں۔ ہمارے رسول صلعم نے غربت کی تعریف کی ہے کہ ”جو ایسے وسائل نہیں رکھتا جس کے ذریعہ سے وہ معاشی نقطہ نظر سے اپنے آپ کو فارغ ابدال بنا سکے اور اسلامی حکومت اس طبقہ کی روزی کی ذمہ داری سنبھالتی ہے اور اس طرح محنت کی لاینفک نقص کو دور کر دیتی ہے۔ اس مسئلہ پر توجہ میں بحث کی جائے گی۔ لیکن انتہائی اور عام غربت ہمیشہ دولت کے لامتناہی اکتناز کے باعث معرض وجود میں آتی ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، شخصی مفاد کو (خالص معاشی نقطہ نظر سے) بسا اوقات معاشرے کی بیش از بیش فلاح و بہبود سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور وہ طریقہ کار جو شخصی مفاد کو زیادہ سے زیادہ وسعت دیتا ہے یعنی مائٹی معاشی جدوجہد، سماجی ترقی کو (جو ایک عقیدہ پیدوار یعنی مساوی تقسیم دولت سے پیدا ہوتی ہے) ناممکن بنا دیتی ہے۔ معاشی تحلیل سے اس پر کسی نہ کسی طریقے سے جوہم زور دیا ہے۔

جامع نظام :- معاشیات میں سلام کا موجد ہے اس کی نرالی شان یہ ہے کہ اس سے

اشتراکیت اور آزاد معیشت (معاشریات عدم مداخلت) کو اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ اگر دونوں کے نقائص کا نہ صرف ازالہ ہوا ہے بلکہ ان کے محاسن ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ الغرض اسلام ایک ایسا معاشی نظام پیش کرتا ہے جو (۱) اپنے اسباب و لوازم اور نتائج کے ساتھ لازماً مربوط ہے کہ اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں اور یہ خصوصیت خالصتاً اسلامیہ یا اشتراکی نظام میں منصوص ہے۔ (۲) اس کا رجحان مساوی تقسیم کی جانب ہے جو اصول عدم مداخلت میں پایا نہیں جاتا (۳) بیدار کش کے ایسے طریقے فراہم کرتا ہے کہ کم سے کم ہم آفاقہ زیادہ پیداوار پر منتج ہوتے ہیں اور یہ صورت مساواتی نظامات میں نہیں پائی جاتی (۴) کار اور صنعتی ماحول کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرتا ہے اور یہ بات عدم مداخلت کی معاشریات کے لیے نہیں (۵) قومی منافع اور معاشرہ کی خوشحالی میں اس درجہ اضافہ کرتا ہے کہ اس معیار کا معاشریات کے دونوں نظام آزاد معیشت اور اشتراکیت کی رسائی نہیں ہو سکتی اس نظام خانگی جدوجہد برپا ہوتی ہوئی مساوی تقسیم میں حارج نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک دوسرے تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔

چند خدو و خال :- اب ہم اس نظام کے چند خدو و خال پر غور کریں گے جس کے ذریعہ اصل نوعیت بے نقاب ہوتی ہے اور جن کا ہمارے بنیادی معاشی مسائل سے راست تعلق ہے پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام غریبوں کے لئے وافر روزی بہم پہنچانے کی تدبیر اختیار کرتا ہے۔ مذہب اپنے لئے کل فقرا اور ماحول قیام پزیر نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ معاشی و اقتصادی نجات دلا کر دوسری چیزوں کے لئے فرصت فراہم نہ کر دے اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر جائیداد کی روزی کا مدار خدا کے رزق پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ قانون ربوہ میں اس حق کے لئے معین طور پر گنجائش پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ خدا کے تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ :-

اپنے بچوں کو شرفِ اقداس سے ڈر کر قتل نہ کرو تم
ان کو اور تم کو روزی دیتے ہیں۔

وَالصَّلَاةُ وَالْزَّكَاةُ وَالْخَيْرُ
وَالْحَقُّ وَالْإِثْمُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ
وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ

ہم نے ان میں ان کی دنیاوی زندگی کیلئے
روزی تقسیم کی۔

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ
وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ

اور ہم نے تمہیں زمین بسایا۔ اور اس میں
تمہاری روزی مہتیا کی تم حقوقِ اشکر
کرتے ہو۔

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ
وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ

بیت کی ترجمانی: چنانچہ اسلامی معاشیات میں حکومتِ خداوندِ تعالیٰ کی جانب سے
کو زکوٰۃ یا نہویٰ محصول کے ذریعہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ یہ محصول ہر جاہل و
مقررہ سے زائد ہو مانگ لیا جاتا ہے اور جب یہ کہ خود سرور کے حکامات صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کی علت غائی یہ ہے کہ

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ
وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ

زکوٰۃ کے فطری معنی "اسانہ" اور "لشتمائے" ہیں اور
کہا جاتا ہے پہلے معنی کے لحاظ سے اس محصول کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس
میں خوشحالی کو بڑھاتا ہے اور آخرت میں بھی دینی مرتبہ میں اضافہ کرتا ہے

زکوٰۃ یعنی منوی محصول کی دوہم قسمیں ہیں صدقہ اور عشر، ان کے بعد ایک سو دس المانی پر حاصل ہونے والے امکانی (بالقوة) یا حقیقی منافع کا ایک بڑا حصہ لے لیا جاتا ہے اور دوسرے کی ذریعہ زراعتی فاضل پیداوار حاصل کرتی جاتی ہے۔ مال نامی (ضالیہ) پیداوار و جائداد کی کامل ملکیت سے صدقہ واجب الادا ہو جاتا ہے اور اس کی شرح اراضی کے استثنائی کے ساتھ چوبیس جائداد ہو اس پر $\frac{1}{40}$ فی صدی کے حساب سے عائد کی جاتی ہے عشر ایک منوی محصول ہے جو زمین کی پیداوار پر لگایا جاتا ہے اور یہ معاشی لگان پر عائد کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں
 وَالزَّكَاةُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ فِيهَا
 اور اس میں جو حق واجب ہر فصل کا شرک
 پارہ ۸۰ اللغات مع
 دن ادا کرو۔

اور یہ کہ
 اَلْفُقَرَاءُ مِنَ طِبَّاتٍ مَا سَبَّحْتُمْ وَمَا ذُكِّرْتُمْ
 اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز کو اخلاقی راہیں خیر
 اور اس میں سے جو کہ تم نے تمنا کی اور زمین پر پیدا کیا
 اس کی شرح کا تعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ذریعہ کیا گیا ہے کہ
 جس چیز کو آسمان (کاپانی) پہنچے اس میں عشر واجب ہے اور جس کو پر خیر یا ڈول کر
 ذریعہ سنبھا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ (مشکوٰۃ)

زکوٰۃ حکومت کے دیگر مالیاتی محصل سے بالکل جدا ہے جو بلا شرکت غیرے عربا کو
 اس طرح دی جاتی ہے کہ اس کے ادا کرنے والے راست کوئی تمتع حاصل نہیں کر سکتے (مجمع
 البحرین کا ص ۱۲۲) ملاحظہ فرمائے یہی وجہ ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو قرآن میں تفصیل کے ساتھ
 میں کر دیا گیا ہے کہ
 اَتَاكُمُ اللَّهُ رِزْقًا فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ اِنَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
 زکوٰۃ تو مومن فقیروں اور محتاجوں اور

وَالْعَالِبِينَ عَلَيْهِمُ الْمَوَاقِفَةُ قُلُوبِهِمْ
 وَفِي الْمَوَاقِفِ وَالْأَعْيُنِ وَفِي
 سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ
 یاد: البقرہ ۹۷

زکوٰۃ وصول کرنے والوں اور جن کا دل
 پر پانا ہو اور قیدیوں کے چھڑانے میں
 اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور
 جہاد کے لئے ہے۔

اس ادارہ کا راست مقصد مالی بنیاد اور امداد ہے تاکہ مدافعت اور مہارت کی
 قوت بخش کر ان کی خوشحالی میں اضافہ کیا جائے۔ یہ محصول جنس کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے
 اور مقامی طور پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ رسول کفایت شعاری کے مطابق ہے اور اس کے ذریعہ
 غریبوں کو بہتر قسم کی مدد ملتی ہے۔ یہ کہ قرآن حکم دیتا ہے کہ
 اَنْفِقُوا مِنْ طِبَاطِ مَا سَبَقْتُمْ وَاَمَّا
 اَخْرُجْنَا الْكَفَّةَ مِنَ الْاَرْضِ
 یاد: البقرہ ۲۷۶

اپنی کمائی میں عمدہ چیز کہ (خدا کی راہ میں)
 خرچ کرو اور اس میں سے جو کہ ہم نے
 زمین سے پیدا۔

ان دو طریقوں کے ذریعہ یہ بھی محنت کرنے والے طبقہ کے پیداوار کارکردگی میں اضافہ
 کرتا ہے جو بالآخر قوم و ملت کی خوشحالی کا باعث ہوتا ہے۔ مزدور طبقہ کے لئے یہ ایک قسم کی
 حفاظت و کفالت ہے اور انہیں اپنے حالات کو درست کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس محصول کی
 عرض و غایت کفالت قبول کرنا (سوشل سکوریٹی) اور اس طرح معاشیات عدم مداخلت کی ایک
 ایسی کمزوری کا ازالہ کرتا ہے جو اس کا جزو لاینفک ہے۔ مزدوروں کو اس قابل بنا کر کہ وہ مقررہ
 پیداوار (SPECIFIC PRODUCTION) کے تناسب سے اپنے معاوضہ کا مطالبہ کریں
 اس نظام میں ہی اہم ترین کریں کیونکہ اگر مزدوروں سے استحصال کیا جائے تو وہ ہڑتال کر سکتے ہیں
 وراجوں کو بالآخر پیہا بنائی پائی گی۔ ارادہ مند کوران کی قوت مقابلہ کا خاتمہ کر دیتا ہے یہ ایک

غیر منصفیت پس ہو گا کہ تمام کارخانے بند کر کے مزدوروں کو شکست دیں۔ لازمی طور پر حکومت ان پر ٹیکس عائد کرے گی اگر وہ کارخانہ بند کر کے مزدوروں کو شکست دینے کی کوشش کریں کیونکہ ملک کو جائیداد پر ٹیکس عائد ہوتا ہے۔ اور ان کی جائیداد پر بھی ٹیکس عائد ہو گا اور وہ منقسم ہوتی جائے گی۔ اس لئے علماء و غوراء مزدوروں کو اتنی اجرت دے دیں گے جتنی کہ انہوں نے پیدائش دولت میں مدد دی یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ پیداوار اور اغراض کے لئے دولت کے استعمال پر محصول کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ فاضل دولت کو پیدا اور قرار دیتا ہے اور وہ ایسی دولت پر محصول عائد کرتا ہے جو اس کا وہ کاروبار میں لگی ہوئی ہو خواہ بیکار پڑی ہوئی ہو اور اس طرح یہ اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اسے استعمال کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ

الاھن ولی یتیم الھ مال فلتنجرفیہ ولا
اگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے جو کوئی یتیم کا ستون ہے
یترکہ حتی تا کله الصدقة
اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو وہ اس سے
تیزی۔ ابواب الزکوۃ تجارت کرے اور یوں ہی ڈال نہ رکھے۔ ایسا

نہ ہو کہ زکوۃ اسے ختم نہ کر ڈالے

سماجی تحفظ کی اہمیت معہ اہم کی وضاحت مقصود ہے کہ یہ اسلام کا کتنا بڑا بنیادی ادا لہ ہے یہ اسلام کے ایک اہم سماجی مسئلہ کا حل اور مذہب کا روح رواں ہے یہ وجود باری تعالیٰ کے یقین اور غلام کے بعد صوب سے اہم رکن ہے۔ بار بار قرآن مجید اس کا اعادہ کرتا ہے کہ "ما دقائم کہ داووز زکوۃ ادا کرو۔" کوئی دولت مند نہ تو مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ مسلمان ہی رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ زکوۃ (معمولی محصول) ادا نہ کرے کیونکہ یہ فرض ہے۔ سماجی تحفظ اور معاشی حالت کی فرہیت اور ذمہ داری تسلیم کے بغیر وہ اسلام میں داخل نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن وسائل معیشت میں زکوۃ کا شانوی اور جسے یہ انسانی عزت و وقار کے منافی ہے کہ وہ حکومت کی بھی مدد

حاصل کرے اس کے علاوہ اسلام کب معیشت پر جو زور دیتا ہے اس میں حکومتیں اعانت کے مسلسل حصول کی ناپسندیدگی مضمر ہے۔ نیز اسلام جیسا کہ آگے اس کی وضاحت ہوگی پیدائش دولت کا وہ طریق سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کو اختیار کیا جائے تو دولت میں اس قدر اضافہ ہوگا اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ اس کی تقسیم عمل میں آئے گی کہ بجز ایک عارضی مدت کے زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے مستحقین معذور ہو جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دو کیونکہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ لوگ صدقہ کو لئے لئے پھریں گے اور کوئی لینے والا نہ ہوگا۔

الغرض اس ادارہ کی تسہیل اہمیت یہ ہے کہ جب تک لوگوں کے پاس فاضل دولت موجود ہے وہ ایک امکانی ذریعہ تنظیم کی حیثیت سے مفلوک الحال طبقہ کو ایک خاص معاشی سطح سے نیچے گرنے سے روکتا ہے۔

خطرناک اثرات کا ازالہ :- اسلامی معاشیات کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ گویہ شخصی جدوجہد اور جائداد، عائلی دستور و رواج وراثت اور اعلیٰ معیار زندگی کو تسلیم کر کے پیدائش دولت کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایسی تدابیر بھی اختیار کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے خطرناک اثرات کا ازالہ ہو جائے اس طرح یہ ان معاشی مسائل کا حل پیش کرتا ہے جو ان اداروں سے متعلق ہیں۔

دخل نہ دینے والی حکمت عملی (LET ALONE POLICY) کے تحت شخصی جدوجہد ہر ایسی راہ کو جس کے ذریعہ دولت کی مساوی تقسیم کی جائے ناممکن سا بنادیتی ہے اور خاندان کی محبت جس کی قانون وراثت حمایت کرتا ہے۔ لوگوں کو دوسرے امور پر توجہ کرنے سے روک دیتی ہے۔

اور دوسرے شعور و محرمین پیدائش کے دریو محنت کے بالجہ استحصال پر متوجہ ہوتی ہے
 اشتراکی معاشیات پیدائش دولت کا نقصان اشتہائی معاشیات نے اسی وجہ سے
 اخلاقی اور نفسیاتی احساسات کا تنزل ہوا۔ ان ادارہ جات کے خلاف اس الزام کے
 ساتھ کہ ان اداروں نے باعث دولت و ثروت بننے والوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے اور بیشمار
 لوگ اس سے محروم کر دیئے جاتے ہیں علم لغاوت بلند کیا ہے لیکن ان ادارہ جات کے انسداد کے
 انفرادی اچھے خاتمہ ہو جائے گا جس سے ملتی دباؤ کے تحت غیر شخصیات پر سب معین مقدار
 دولت کی پیدائش کی حکیمانی تدبیر کی عدم افادیت بہت زیادہ ہو جائے گی۔ معاشی فلاح و
 بہبود کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے لئے محض مقدار پیداوار کی ضرورت ہے غیر اصولی طریقہ پر
 اس کی مساویانہ تسلیم پیدائش دولت کے محرکات کو کچل دے گی۔ اور اس طرح مجموعی پیداوار کی
 مقدار میں کمی واقع ہو جائے گی۔ لہذا اس امر کا کوئی یقین نہیں ہے کہ ان ادارہ جات کی
 مسدودگی سے معاشرتی ترقی میں اضافہ ہوگا۔ البتہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ
 مقررہ مقدار کی عدم افادیت میں حد سے زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان کے علاوہ بہت سی
 مفہوم مستہ زین زندگی کی دلفریبیاں اور رحمدلی کے جذبات کی تعلیم عائلی اداروں کے ساتھ
 رخصت ہو جائے گی اس کے دوش بدوش جبری مساوی اور بڑی سے بڑی انسانی قربانیاں
 بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ خانگی ملکیت کے خاتمہ کے ساتھ اس اخلاقی ترقی پذیری کا بھی خاتمہ
 ہو جائے گا جس کے وجود کو شخصی جائداد کے سلسلہ میں ذاتی پسند کا استعمال ممکن بنا دیتا ہے
 یہ تمام امور انسان کی نفسیات پر اور اس کے توسط سے اس کی پیداوار کی کارکردگی پر اثر انداز
 ہیں گئے اشتہائی نظام صرف تقسیم پر زور دیتا ہے اور پیدائش سے اعراض برتتا ہے۔ اسلامی
 معاشیات ان دونوں امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان ادارہ جات کو نظر انداز کرنا نہیں چاہتا

چند قیود کے ساتھ ان کی توثیق کرتا ہے۔

اسلام اور خاندانی نظم و - اسلام میں خدا ہی کے ارشاد کے بموجب عائلی نظام کا وجود پایا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا
فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا - پارہ ۱۹۔ الفرقان ۴۵
اور وہ خداوند تعالیٰ اس کو انسان کے لئے فائدہ مند بنا کر کرتا ہے کہ
نَمُدُّهُمْ مِنْ مَالٍ وَبَنَيْنَ -
ہم نے ان کو مال اور اولاد سے مدد دی۔

پارہ ۱۸۔ المؤمنون ۷۳
اور وہ اس پر حقوق بھی رکھتے ہیں کہ
وَأَتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ
اور ناتے والے کو اس کا حق دے۔

پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۷۱
اور ان کے حقوق مقدم ہیں۔

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ لِعَصْمِهِمْ ۚ وَلِي بَعْضٍ
فِي كِتَابِ اللَّهِ - پارہ ۱۰۔ الانفال ۷۸
اور ناتے والے آپس میں حکم خدا زیادہ حقدار
ہیں ایک دوسرے کے۔

تاہم عائلی وابستگی جزوی قدر اور ثانوی حیثیت کی مالک ہے۔ خاندان پرستی میں
مخالفانہ عنایت کے اساسی اقتدار سے قطع نظر نہیں کرنی چاہئے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر
اس کا مطالعہ کریں گے اس کے نہایت قوی مدد ہیں خانگی جائیداد سے متعلق رسول اکرم
اعلان فرمایا ہے کہ تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہارے جائیداد قابل احترام (اور قابل حرمت)
ہے لیکن اس کو زیادہ تر ایک ذریعہ کی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے نیز اسلام کا دوا میں

خانگی مساعی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے صلہ کو قرآن "عطیہ الہی" سے موسوم کرتا ہے اور واضح طور پر اجازت دیتا ہے۔

أَحْلَى اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا
خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو
پارہ ۳۔ البقرہ ۲۷۵ حرام کیا ہے۔

تاہم معاملات میں ایمانداری برتنے کے لئے بہت سی اہم تاکیدیں کی گئی ہیں۔
أَوْفُوا بِالْكَيْلِ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْخَسِرِينَ
پورا ماپ بھر کر دیا کرو۔ اور نہ بونہی والے
فُضِّلُوا بِالْقِسْطِ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ الْيَوْمَ
اور ترازو سیدھی تولو اور لوگوں کو انکی
وَلَا تَحْسَبُوا النَّاسَ شَيْئًا هُمْ
چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔
پارہ ۱۹۔ الشعراء ۲۶۷

اس سلسلہ میں مزید تفصیلات سورہ لقابن میں مل سکتی ہیں۔
احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی مزید توضیحات دستیاب ہو سکتی
ہیں جن سے مسلم فقہانے خرید و فروخت کے بہت سے قوانین مستنبط کئے ہیں۔
اسلام نے وراثت کو بھی معین کیا ہے کہ

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيًّا مِمَّا تَرَكَ
اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین
أَوِ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔
اور رشتہ دار چھوڑیں ہم نے وارث
مقرر کر دیئے ہیں۔
پارہ ۵۔ النساء ۷۵

للرجال نصيب مما ترك الوالدان
مردوں کو بھی حصہ ہے اور اس میں سے جو
والدین اور رشتہ دار چھوڑیں اسی طرح
عورتوں کو بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور
ترک الوالدان والاقربون۔ وللنساء نصيب مما
ترک الوالدان والاقربون حوا

قُلْ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا
قربت دار چھوڑیں۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر
یہ ایک مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

وراثت تقسیم سرمایہ کا ایک نظام ہے۔ تاہم وراثت کے اتنے حصہ دار ہیں کہ
ایک ہی جگہ کثیر دولت کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کے ذریعہ دولت تقسیم ہوتی ہے۔ سرمایہ
زیادہ سے زیادہ پھیلتا ہے اور دوسروں کو اس سے انتفاع کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ حقوق
جائیداد رکھتے ہوئے بھی کوئی صاحب جائیداد اس کے ایک ثلث سے زیادہ حصہ حکومت کے
یا فی سبیل اللہ اغراض کے سوا وصیت کے ذریعہ کسی کے نام نہیں کر سکتا مذہب نے بہتر
معیار زندگی قائم کرنے کی جوتائید کی ہے اس سے پیدا اور محرکات کو تقویت حاصل ہوتی ہے
اسلام نے دیگر ہم عصر مذاہب میں رہبانیت کی مخالفت کی ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس
دین سے بھی انتفاع کا ادنا کر دیا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ
لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّشْقِ
تو کہہ کہ کس نے منع کیا ہے اللہ کی زینت کو
جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے
اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْرُجُوا طَيِّبَاتِ
مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ
اے ایمان والو! خدا نے جو عمدہ چیزیں تمہارے لئے
حلال کی ہیں تم انہیں حرام مت کرو۔
صرف دولت یا اعلیٰ معیار زندگی کے حدود۔ لیکن اعلیٰ معیار زندگی کے
بھی حدود ہوتے ہیں چنانچہ فضول خرچی کی مذمت کی گئی ہے۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ
بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند ہی

زکوٰۃ کی مدد اور معاشی خوشحالی۔ اس طرح ان ادارہ جات میں اعتدال پیدا کر کے ان کو باقی رکھا گیا ہے اور معاشی خوشحالی میں اضافہ کرنے کے لئے بطور اعانت زکوٰۃ کا محصول قائم کیا گیا ہے۔

خانگی شخصی جدوجہد کی آزادی اور قیود۔ مذکورہ بالا حدود کے اندر رہ کر اسلام شخصی جدوجہد میں کائنات کی آزادی عطا کرتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام صنعتی تغیرات کے فنی مسئلہ کو کس طرح حل کرتا ہے جو انیسویں اور بیسویں صدی میں شخصی جدوجہد کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوئے۔ اور جن سے بہت سی اقوام کی فلاح و بہبود متاثر ہوئی ہے۔

اسلامی معاشیات صنعتی تغیرات کا انسداد۔ اسلامی معاشیات کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد ان تغیرات کا سرے سے خاتمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سے معاشیات نے لکھا ہے کہ ان کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قیمتوں کا معیار بہت بلند کر دیا گیا ہے اور ان کو اس تناسب کے ساتھ گرنے سے روک دیا جاتا ہے جس تناسب سے بڑھتی ہوئی رسد کو ضرورت ہوتی ہے بشرطیکہ رسد تمام و کمال صرف ہو جائے قیمتوں کے بڑھنے کے ابتدائی اسباب بذات خود خلل اندازی کا باعث نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ اگر بواغیلا فکلی، موسمی اور طبعی اسباب بھی زیادہ خلل انداز نہیں ہوتے وہ جزوی طور پر ایک دوسرے کی تنسیخ کی جانب مائل ہوتے ہیں اور معاشی سٹہ بازی کے ساتھ ذخیرہ اندوزی اور خصوصاً عالمی بازار کی ترقی کے ساتھ اگر دیگر عوامل صورت حال کو نازک بنادیں تو ان کا وجود ہی باقی نہ رہ گیا۔ قیمتوں کے بڑھنے کا ابتدائی سبب خواہ کچھ ہی ہو لیکن حسبِ فی الواقع صورت حال نازک اور بدتر ہو جاتی ہے۔

(۱) سرمایہ کو سود پر چلانا۔

(۲) حد سے زیادہ پیدائش اور ضرورت سے کم خرچ۔

(۳) ترقی پذیر عدم مساوات۔

(۴) حد سے زیادہ ذخیرہ بندہ زری۔

سود اور اس کے چند معاشی مفاسد و مان میں سے زیادہ اہم سود ہی کا روبرو کار

ادارہ ہے اچھی فصل کے ساتھ یا کوئی ابتدائی سبب مثلاً سونے کی رسد کی فراوانی یا حکومت کی

جانب سے افراط زر (INFLA) کے باعث صنعتی و تجارتی ہیں اور آج کے زیادہ سے زیادہ

نفع حاصل ہوتا ہے لوگ ادھار روپیہ کے ذریعہ بڑی سے بڑی پیداوار حاصل کرتے ہیں اور

ادھار روپیہ سے جدید کاروبار آغاز کرتے ہیں۔ کچھ زمانہ تک کے لئے خوب نفع حاصل ہوتا ہے

رجائیت (خوت) میدی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ قرض دینے والے اداروں کا ضرورت سے

زیادہ اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سٹہ بازوں کو زیادہ سے زیادہ قرض دیتے ہیں اور اس طرح کہ

اہل آجرین کو کاروبار کا موقع مل جاتا ہے اور بہت جلد قرض کا میدان اپنی انتہائی حدود تک

وسیع ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ روپیہ پیداوار میں لگ جاتا ہے اور مصارفین کے پاس

اس کے مقابلہ میں بہت کم باقی رہ جاتا ہے اور یوں قوت خرید گھٹتی اور قیمتیں گرنی شروع

ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد آگے بھل کر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ حالت ایک حد تک دیگر

عوامل کے سبب سے بھی پیدا ہوتی ہے جو ہمیشہ تغیرات (FLUCTUATIONS) کا باعث

بنجاتے ہیں۔ لیکن یہ تغیرات اسی وقت زیادہ شدید ہوتے ہیں جب کہ آجرین یا تاجرین اپنے

کاروبار کو ایسے ادھار روپیہ سے چلاتے ہیں جو سود کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو اب وہ اپنے کو

جکڑا ہوا سا پاتے ہیں۔ سود کو وہ روک تو نہیں سکتے کیونکہ انہیں اپنے قرضہ سے بیباک کر رہیں

زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے وہ قیمتوں کو بھی گھٹا نہیں سکتے کیونکہ قیمتیں اس سے بھی

تخفیف عمل میں آئے تو سود کی شرح اور اسباب کی شکل میں اصل کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ پروفیسر فشر نے کہا ہے کہ قرض ادا کرنے کی کوشش ہی قرضوں میں اضافہ پیدا کر دیتی ہے علاوہ بریں اس وقت مقابلتا وہ بہت کم اسباب فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ محنت تو یکا پر پڑی نہیں رہتی اور یہ صورت حال صارفین کی قوت خرید کو گھٹا دیتی ہے۔

سود سے پیدا ہونے والی معاشی پیچیدگیاں ہر زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے قیمتوں میں قابل لحاظ تخفیف کرنی پڑتی ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرض کی اصل قیمت بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ آج رین اپنے معاہدات کی تکمیل کر سکنے کے قابل نہیں ہوتے اب یہاں لازمی طور پر سود خوار اور پیداوار اعراض کے لئے ادھار لینے والوں کے مابین مان کے مفادات کی دوئی اور غیریت علانیہ ایک دوسرے سے متصادم ہونے لگتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ صنعت و حرفت کا فطری نقص جس کا ایسے ادارے پر ہمارا ہوا کرتا ہے نمایاں ہو جاتی ہے جو ہی آجروں کا اہم مفاد پیدا شدہ صورت حال سے بٹھنے کے لئے مالی وسائل کی فراہمی کا مطالبہ کرتا ہے تو قرض دینے والے طبقہ کا مفاد نہ صرف ادائی قرض کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ تجدید قرضہ کا بھی مطالبہ ہو جاتا ہے نتیجتاً آج رین اپنی قوت مزاحمت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں وہ رسد کو روک نہیں سکتے جو حکم میں اگر جو چیز فروخت کی جائے اس کا لازمی طور سے دیوالیہ اور بینکوں کی ناکامی کے دو گونہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ سودی قرض دینے والا ادارہ ہی ان تمام مشکلات کا باعث ہے یہ قیمتوں کو حد سے زیادہ نقصان دہ حالت تک گرا دیتا ہے۔ اور رسد کی روک تھام کو ناممکن بنا دیتا ہے غرض یہی ادارہ بد بیمار طریقوں سے معاشی تغیرات کا باعث ہے۔ اگر ایک طرف یہ غیر ضروری سرمایہ کی صنعتی کاروبار میں استعمال کرنے کی سہولتیں فراہم کرتا ہے تو دوسری طرف یہی جیسا کہ مارشل کا خیال ہے قرضدار کا یہ خطرہ کہ وہ بوقت ضرورت قرض کی تجدید نہیں کر سکتا۔ اس کو ناموافق

صورت حال سے دوچار کر دیتا ہے۔ بہر حال قرضدار کو اس شخص کی بہ نسبت زیادہ نقصان دہ جو ضرر پہنچے سرمایہ کو استعمال کرتا ہے۔ تجدید قرضہ میں ان کا یہی جیسا کہ مثال کہتا ہے ”اسکو بری طرح منسوب کر لیتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ ذاتی سرمایہ استعمال کرتا ہو تو یہ اس کی اپنی خوشنات نہ ہوتی۔“

منوم معاشی بحران یہ کسی ایسی صنعت کی قیمتوں میں خفیف سا اضافہ کا باعث بنی اور بازاری قیمتوں سے اور اس پیداوار کی طلب بڑھ جاتی ہے جسکی تعمیر، صنعتوں میں خاص ضرر ہوتی ہے۔ طرح خاص صنعتوں کے تیز رفتاری تعمیرات کو صنعتوں سے ربط پیدا ہوتا ہے اور وہ پی ایچ اے کی نوعیت کی بنیاد پر زیادہ تیزی سے تعمیر پذیر ہوتی ہے اور بالآخر ملکوں کی نامکافی کے باعث اس ایک صنعت کی تباہی دیگر تمام صنعتوں کو بربادی کا موجب ہوتی ہے اور دوسرے نازک تر مواقع پر کامل تباہی کا سامان پیدا کر دیتی ہے۔ جو غریب تجارتی کساد بازاری کے بحران اور اس سے پیدا ہونے والے مشکلات کا باعث یہی ادارہ ہے اور انٹرا کیوں نے غلط طور پر سرمایہ کو انکی علت قرار دیا ہے مثلاً امریکا اور برطانیہ نے *South India* میں کہا ہے کہ ”یہ سرمایہ داری کا بحران ہے اور یہی عارفہ سرمایہ داری کی روح کا مسموم ہوتا ہے“ اس مرض کا حقیقی باعث صرف سود پر تو قفل دینے والا ادارہ ہے اسلامی سرمایہ دار مسابحات سودی قرض ہی کو نکال کر چھینکتی ہے لیکن سرمایہ کو برباد کر دیتی ہے اور یوں تمام معاشی بحران سے نجات نہ پا جاتی ہے۔

سود، سبب بازاری قوت خرید کی بے ترتیبی اس ادارہ کے وجود کے منہ ہنگامی خوشحالی، قابو سے باہر تباہ حالی ہی یہی ہیں کہ کاروباریں سود سے مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ صنعت و حرفت کی لائیف لائن سرمایہ داری کا باعث ہے۔ یہ نہ صرف صنعت و حرفت کی کامل تباہی کا ناسخ ہے بلکہ قوت خرید

بے ترتیب نقطہ پر پہنچ جاتی ہے یہی صنعتِ حرفت کو اس نقطہ پر پہنچانے میں بنیادی طور پر مدد دیتا ہے بلکہ یہی صرف ایک ایسا آلہ ہے جو کہ حد سے زیادہ سستہ بازی کو ممکن بنا دیتا ہے۔ جیسے یہ خوشحالی کو تیزی سے لے آتا ہے اور اس طرح یہ خوشحالی تیزی سے مفقود بھی ہو جاتی ہے۔ اسلام اس خوش حالی کو نقلی قرار دیتا ہے اور اس کے خلاف تنبیہ کرتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو گوسود کا وجہ سے ابتداء پیشی ہوتی ہے لیکن بالآخر قلت کا باعث ہوتا ہے اور فرار کا ہوتا ہے کہ۔

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَيْلٍ لِّتُرَدَّ اَمْوَالُ
النَّاسِ قَلِيلًا بَرِيًّا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا
آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ
خَاوِلُكُمْ هُمْ اَمْضِعْفُونَ
اور جو سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا اور تم خدا کی خوشنودی چاہ کر جو دیتے ہیں تو یہ وہی ہیں جو اپنے مال میں اضافہ کر رہے ہیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحی طور پر فرمایا ہے کہ یہ تباہ کن ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مہ سات تباہ کن چیزوں سے بچو اور تیسری چیز آپ نے سود کو بتایا (بخاری، مسلم اور ابوداؤد) اس ادارہ کی وجہ سے جو عظیم الشان صنعتی تیز رفتاری وقوع میں آتے ہیں۔ پیگمنٹر اور چند دیگر سائنس بھی ان تیز رفتاریوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ تاہم اسکی معقولیت کوئی الحالِ تسلیم کیا جا چکا ہے۔

کچھ سود کی بات

سود کس معاملہ میں عام طور پر ایک رجحان میں پایا جاتا ہے کہ سود بھی مثل معاملہ آمیز تصور دیگر عاملینِ پیدائش کے (محض ہی کی طرح سے لینے

خدمت انجام دینے کا سوا ہے لیکن کبھی یہ دیکھا نہیں جاتا کہ یہ مذہب کس قدر مشکوک ہے
 قالوا انما البيع مثل الربوا و
 احل الله البيع وحرم الربوا
 ہے در آل حالیکہ اللہ نے تجارت کو
 حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔
 قرآن پ ۱ البقرہ ۳

شرکتی تجارت و زراعت۔ اسلام مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کا بہت زیادہ حامل ہے
 اور فراہمی سرمایہ۔ ضرر (Debt holders) حاملین نسیئہ و تجارتی قرض
 مشترکہ سرمایہ۔ بنیادیں ہونگی بنیاد پر ناجائز قرار دئے گئے ہیں۔ رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرکتی کاروبار بہت مقبول تھے حتیٰ کہ زراعت میں
 بیکار و بار رواج پانچے تھے۔ اگر تم فاضل و پتہ رکھتے ہو تم کسی کاروبار میں شریک نہ
 ہو یا ایک حصہ خرید کر نفع اور نقصان میں شریک ہو سکتے ہو لیکن تمہیں اسکی ایجاد و جوگی
 قوت ممانعت کی ہر با دہی نہیں کہ تم جو کچھ بڑے وقت میں دھکا پہنچاؤ اور اسکی ممانعت کی
 قوت کو ہر با د کرو۔ اور نہ صرف اسکو تباہ کرو بلکہ معاشرتی حوالی پیدا کرو۔ سوچی سمجھا کر
 ادارہ میں حد زیادہ انصاف ہے اور ایک منصف میلان بنے گا جو ہونیکا پایا جاتا ہے
 سود اور نفع کا فرق حقیقت یہ ہے کہ سود کی تائید میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے اگر تم
 سود کا بے دلیل دعویٰ کہیں کہ ہم مساوی اس وجہ طلب کرتے ہیں کہ وہ اس کے
 ذریعہ نفع کماتا ہے تو تمہیں صریحاً ہی اس معاوضہ طلب کرنا چاہیے جبکہ وہی لینے
 والا اس نفع کماتا ہو۔ اگر اسکی کامیابی حد کر یا د حقیق ہو یا اس کے ترقی کے مواقع کم ہوں
 تو سود کی شرح میں بھی کمی ہونی چاہیے۔ جدید معاشیات کے خلاف خطرات کے چھ سو کی
 شرح ہر تناسب عکس تغییر پذیر ہونی چاہیے۔ ہر ہدایت کی جو دلیل ہے وہ کاروباری
 اصول کے خلاف ہیں نہ مالی کوئی ہے

اونا انصافی ہے۔ اصل مسئلہ قرض۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ یا تو تم قرض لینے
 لینے والے کے نفع و نقصان سے روکا جائے کہ مقصد سے سحر و کار زکوہ

اس میں حصہ رکھو تم اس کے نفع میں شریک ہو کر اسکی مصیبت کیوقت اس کو
 میں چھوڑ سکتے۔ سود کا معاملہ تمام تر انصافی سے۔ اور ہم نے اس کی ضرورت
 دیکھا ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے تم صرف اس کے شریک کار بن سکتے ہو۔
 پائدار ترقی۔ مضبوط بنیاد۔ اسلام سرمایہ دار آج کو برقرار رکھتا ہے اور
 سلام سود خواہ سامو کار کو۔ غلام سرمایہ دار جس کو ہم سامو کار سے تعبیر
 حاشی نظام کی نکال دیتا ہو کر سکتے ہیں، کو نکال چھینتا ہے اور یوں
 منعت و حرمت کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے اس کی ترقی ابتداء کو کچھ کم
 ہوتی ہے لیکن بعد میں نہایت تیز ہو جاتی ہے اور پھر ہمیشہ متعین اور پائدار رہتی ہے
 نفع کے مستقامت و لوازم سود کی اہمیت دکھانے کے لئے پرنسپل شلٹن
 سود نفع کے مفہوم میں بہت اچھے طریقہ سے بیان کرنا شروع کیا ہے کہ
 پس اندازی کی توجہ مستقبل کو ذہن نشین کرنے اور اس کے لئے اہتمام کرنے
 سے ہوتا ہے اور صحیح طور پر اس بات کو نمایاں کیا کہ لوگ اپنے بال بچوں کے
 لئے محنت اور پس انداز کرتے ہیں گو بعض اوقات اکتسابی عادت کی وجہ سے
 بھی بچاتے ہیں فرق یہ ہے کہ اسلام پس اندازی۔ انٹریگرٹیشن اور خطرہ مول لینے
 کے عناصر و لوازم کو ایک دوسرے سے منسلک کرنا نہیں چاہتا۔ وہ منافع یا سود
 کے کسی ایسے نظریہ اعتقاد کو رد نہیں رکھتا جس میں اس کے مستقامت و
 لوازم سے قطع نظر کر لیا گیا ہو۔ دراصل یہ کیا جاسکتا ہے کہ روپیہ بنگلانے کا
 نظریہ سود ہے۔ کاروبار میں روپیہ بنگلانے سے جو آمدنی ہوتی ہے اس
 مفہوم میں سود نامی بھی ہے اور حق بجانب بھی۔ اس مفہوم میں سرمایہ کو
 ایک باج ملنے کرنے کیلئے ایک معقول ترغیب جس پر ساری ترقی کا دار و مدار ہے۔
 اس مفہوم میں کہ وہ مختص سو پر قرض دینے کا معاملہ ہے تو تب یہ ایک
 باج ملہ جدا گانہ شے ہے۔ اس قسم کے سود کو خارج کر دیتے سے سرمایہ کے حامل

جسے ہونے میں کچھ بھی رکاوٹ پیدا نہ ہوگی بلکہ اس صورت میں تو وہ سادہ باری
پائیداری، سادگی اور اخلاق میں حمد و معاون ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ کھارک نے
کہا ہے کہ لوگ مستقبل میں متعین آمدنی کے لئے پس انداز کر رہے ہیں اس مسئلہ
میں معیار زندگی کے قیام و بقا کا خیال سب سے زیادہ اہم عنصر ہے۔ سودی
کاروبار کی ممانعت سے لوگ اس امر پر مجبور ہوں گے کہ اپنے مستقبل کی آمدنی
کیلئے بالراست کاروبار میں روپیہ لگائیں یعنی بلا واسطہ شغل اصل کو اختیار کر لیں۔
زراعت سے بحث بازار اعلیٰ کے باب میں

سود علاج نہیں مرض ہے۔ بظاہر زراعت میں سودی کاروبار کو ممنوع قرار دینا اس
ممانعت سود کے خواہ سو مندرجہ معلوم ہوتا کیونکہ کاشتکاروں کے ذرائع محدود ہوتے
زراعت میں ہیں انکے کاروبار کو منفعہ بخش ثابت ہونے کے لئے ایک عمل
عمرہ درکار ہوتا ہے۔ ان میں بہت سے توبہ قرض کے پیدائش کے ذرائع ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت
سود کو ممنوع قرار دینے سے زیادہ تر فوائد زراعت ہی میں مل سکتے ہیں۔ کیونکہ سود جس مرض
کی دوا تصور کیا جاتا ہے خود ہی اس مرض کا اصلی سبب ہے۔ اگر خیال نہ ہو تو لوگ ایسے چھوٹے
چھوٹے قطعان زمین پر محنت کرنے جس پر انہیں اپنی محنت کے مقابلہ میں اس سے
سے بہت کم معاوضہ ملتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو زراعت میں پیدا ہونے کا طریقہ سب سے
دوسرے ہی شکل اختیار کر لیتا کاروبار میں نام کا کافی سرمایہ کی بنا پر زراعت میں مشترکہ
سرمایہ دار کمپنیوں کا طریقہ نشوونما پاتا۔

زراعت میں۔ زراعت میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں سے زیادہ سادہ اور سائزیت
شریکی کاروبار پر عمل نہیں ہے۔

زمین اور حصص کا تقسیم۔ ان میں حصص نہ صرف زمین کی تقسیم کی شکل میں لگائے
جاسکتے ہیں بلکہ رقم کی صورت میں بھی رکھائے جاسکتے ہیں زمین کی نوعیت کے لحاظ سے
حصصوں کا قدر قیمت کا تقسیم ہو سکتا ہے (حتیٰ کہ زمین کے حصص کی درجہ نہ ملتا)

عارضی کارروائی میں ہوگی) جس کو کسی آئندہ مضمون میں تفصیل سے بیان کرنے کا

خیال ہے۔ اس قسم کی کمپنیوں کے فوائد بے شمار ہوں گے جن پر میں آئندہ کسی علیحدہ مضمون میں بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے ہر کیف یہاں سرسری طور پر چند نقاط کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔

(۱) کاشتکار زیادہ عرصہ تک زمین کیساتھ وابستہ نہ رہے گا اور محنت کی بہتر نقل پذیر می حاصل ہو سکے گی۔

(۲) ممالک زمین کی ترقی سے زمینیات کی مکمل منتقلی ہو سکے گی۔ زمین کا عالمی بازار وجود میں آئے گا۔ اور قیمتوں کی مساوات حاصل ہوگی۔

(۳) زمین کے سائے خزانے کو جن سے افراد استفادہ نہیں کیا جاسکتا مشینیں مگر کے تحت لایا جائیگا۔ غذا اور خام اشیاء دستی قیمتوں پر ملنے لگیں گی۔

(۴) زراعت پیشہ لوگوں کو مالیہ اور بازاری جو مالگیر کا وٹن پیش آتی ہیں وہ آسانی سے مدد ہو جائیں گی

(۵) طاقتور مشینوں اور حرب ضرورت کافی کیمیائی کہاؤ کا استعمال قدرت کی مفاو پر غالب آجائیں گے اور قانون تفصیل حاصل کو غیر معین عرصہ تک کیلئے بے اثر بنایا جائیگا

(۶) زراعت میں مشترکہ طریقہ کار کیمیاں موجودہ طریقہ کاٹنے اور فیکری مرزوعہ یا کیمیائی طریقہ پر قدامت کی تیاری کے درمیان گمشدہ کرٹھی ثابت ہوں گے اور سلسلہ

آبادی ایک امید افزا پہلو اختیار کریگا

(۷) لوگوں کی ایک بڑی تعداد غیر یقینی اور بے قاعدہ مزدوری سے آزاد ہو جائے گی۔ اور دیگر صنعتوں میں مزدور بن کر مصنوعات میں نہیں گھسنے کی مزدور بدل ہوگی۔ کو ممکن بنادیں گی جس کو باہن روسما جی نامی مقدار سے منسوب کرتا ہے۔ اور یہ ہمارے مجوزہ صورت میں بہت زیادہ ہوگی کیونکہ کسی قوم کو

بھی سود کے لئے منہا کرنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اس کی مدد سے مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ فرصت دلائی جاسکے گی اور زیادہ سے زیادہ مزدوروں کو کم سے کم وقت کے لئے مناسب جوتوں پر رکھا جائے گا

(۸) صحیح التعلیم و تربیت سے اس فرصت کو زندہ دلی اور حیات بخشی میں متبدل کیا جاسکے گا۔ اور صرف اسی طریقہ سے انسان مشینوں کا آقا بن سکتا ہے اور صرف اسی طریقہ سے موجودہ بے حسی اور مردہ دلی کی حالت ٹٹوٹ کر غذائے حیات کے لئے راستہ کھل سکتا ہے۔ آسانی سے یہ محسوس ہو سکتا ہے کہ اس طریقہ کار کے فوائد زرعی مسائل کے سلسلہ میں پیش کئے جانے والے کثیر جزئی حل کے مقابلہ میں کس قدر زیادہ ہیں۔ ایسی زرعی ترقی فطرت کے تغیرات پر غالب آسکے گی اور بہت آسانی سے اچھی اور بری فصلی میں ایک توازن قائم رکھ سکے گی۔ یوں کاروباری تغیرات کے ایک بنیادی سبب کو سرے سے دور کر دے گی۔ علم حیاتیات سے انسان کا قابو سٹی بیج اور موسم پر بڑھ رہا ہے۔ کیمیا کی کہا دیں میڈل (ماہر حیاتیات) کا قانون اور (Vernalization) کے سبب وراثت ذراعت ہی کو ترقی دینے حاصل ہی ہیں۔ طبیعیات بھی بعض ایسے اوقات مثلاً (

سے مدد سے رہی ہے۔ ایک صنعتی ٹیکنیکی جز کی ضرورت ہے۔ اور یہی اس کا زیادہ عرصہ تک انتظار کرنا نہ پڑے گا۔

سکول کے فریبہ زراعت کو نہ کوڑہ بالا اور اسی قسم کے دیگر ایسا تو کی مدد سے ممکن ہے کہ زمین کی زرخیزی میں جو فرق ہے وہ فرق دور ہو جائیگا۔ اور آبادی کو منقسم کر دینے یہ بھی ممکن ہے کہ رگن بھی مسدود ہو جائے۔ اس نقطہ کو بھی کسی عمدہ مضمون میں واضح کیا جائے گا۔) قومی منافع کے حصہ دار صرف دو عالمین ہی رہ جائیں گے۔ محنت اور اصل

سود کا خاتمہ اور۔ حد سے زیادہ سرمایہ لگانا، بڑھتی ہوئی عدم مساوات زرکی خطرناک اثرات کا خاتمہ قیمت میں تبدیلی اور ایسادات یہ چند دیگر عالمیں جو سودی قرض دینے والے ادارہ کے سامنے ملکر اس غیر متوازن کبلہ و مردوجہ خلیقہ پر بحران پیدا کرتے ہیں۔ اس ادارہ کے خاتمہ کے سامنے ہی اس کے خطرناک اثرات بھی بہت بڑی حد تک گھٹ جائینگے۔ ممکن ہے کہ تب بھی ان میں توازن کو بدلنے کی کچھ استعداد باقی ہو لیکن اسلامی معاشیات اس کو دور کر دیتی ہے۔ حد سے زیادہ سرمایہ لگانا حد سے زیادہ بچت کو نیا حد سے زیادہ پیدا کرنا بھی اسی نوع کے عناصر ہیں۔ اس کو حالیہ بحران سے تعلق ہونے کی بنا پر پرہیزگارہ کے علماء فوٹر اور کیا جنگ یون بیان کرتے ہیں۔ حد سے زیادہ رقم کو پیدا ہونے سے زیادہ بار میں لگانے سے قوت خرید گھٹتی ہے اور معاشرہ پریشانی و خوریدنے کیلئے بہت کم رقم رہ جاتی ہے۔ یہ حالت یا کافی طور سے ایسا صرف کو خرچ نہ کر بیٹھ پیدا ہوتی ہے یا مناسبات جرمیں بدوینے سے اس بیان کا مدلل غور کیا جاسکتا ہے۔

زکوٰۃ واجبہ قلیل اجرتوں اسلام معقول اور فوری اجرتوں پر زور دیتا ہے کونا ممکن بنا دیتی ہے نیز زکوٰۃ کا ٹیکس تمام کیلئے جس کو دور دور کی حالت میں مستحکم ہو جاتی ہے۔ یہ انہیں اس قابل بنادیتا ہے کہ وہ مناسب معاوضہ سماعت اور کریکس بنا دجی علیل اجرتوں کو قریب قریب ناممکن بنا دیتا ہے اور نونے خریدنے میں ہی کے ایک بنیادی سبب کو دور کر دیتا ہے

دور یہ کہ اسلام نے صاف طور سے جب یہ دیکھا کہ بنی نوع انسان سمے روزانہ کاروبار کی کارکردگی کا محض اس کے روزانہ کی عادت پر ہے تو اس نے خرچ کرنے پر زور دیا ہے۔

نخل اور اکنڈناز کی شناخت۔ نہ ہنے اسی کے پیش نظر نخل اور اکنڈناز کو ممنوع

ایک غیر منحصر جو تغیرات کا باعث ہو سکتا ہے وہ دولت کی تقسیم
 عدم مساوات کو ترقی دینے کا رجحان ہے۔ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ معاشیات
 کے اصول عدم مداخلت میں اس رجحان کا وجود ہے۔ کیونکہ اس اصول کے تحت
 مزدور کی حیثیت الزاماً کمزور ہو کر رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ اربابِ اقتدار اندر
 قومی منافع کا بہت بڑا حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ حقیقت موجودہ معاشی بحران
 خصوصاً امریکہ کا اس کے اسبابِ علل کا مطالعہ کر نیسے اور زیادہ مسلمہ ہو جاتی ہے
 چنانچہ پروفیسر تنہا من اس کو ایک بہت اہم سبب قرار دیتے ہیں۔ اسلامی مسئلہ
 خاص طور پر اس میلان کو قانون وراثت میں اعتدالی پیدا کر کے نیز بعض دیگر
 تدابیر کے ذریعہ جکی ابھی وضاحت کی جا سکی انسداد کر دیا ہے۔ یہ میلان تین
 سے مفر ہے (۱) جو لوگ دولت مند بنتے جاتے ہیں ان میں روپیہ کی حرص و
 ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ وہ اپنی دولت کو خرچ نہیں کرتے وہ اس میں مسلسل
 اضافہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ حد سے زیادہ پیدا کرتے ہیں (۲) جو لوگ
 بڑی جائداد ورثہ میں پاتے ہیں ان کو اکثر تفریبات میں خرچ کرتے ہیں اور
 قومی وسائل دولت کا رخ کم پائیدار صنعتوں کی جانب پھیر دیتے ہیں (۳) وہ
 لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ انہیں ورثہ میں بڑی جائداد ملنے والی ہے تو اکثر ان
 میں محنت و مشقت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اور ان میں صلاحیت کبھی پیدا
 نہیں ہوتی جب کامیاب داران کے ہاتھ میں آتا ہے تو عموماً ناکام ہو جاتا ہے اور
 یہ صورت حال معاشی استحکام میں خلل اُٹا رہی ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اسلام نے خرچ کرنے پر زور دیا اور
 مزدوروں میں مابقت کی قوت پیدا کر کے پہلے خطرہ کا ازالہ کرتا ہے
 اور ایسے نقطہ نظر کی تحقیر کرتا ہے جو حد سے زیادہ پیدائش پر متوجہ
 معاشرہ کے وہ آخری حدود ایک دوسرے سے قریب تر کر کے لئے

اسلام میں تین ذرائع ہیں۔ پہلا تو زکوٰۃ کا ادارہ کا قیام لینے معاشی لگان اور اثبات سرمایہ کے منافع کا ایک حصہ (حقیقی ہو یا امرکافی) بالکلیہ غریبوں کیلئے مختص کر دیا گیا ہے۔ یہ طریقہ کار ان کی حالت کو بہتر بناتا ہے اور اس میں مزید ترقی کو دینے میں مدد و معاون ہوتا ہے تاکہ وہ بہتر معیار زندگی کی طرف قدم بڑھا سکیں چونکہ غریب طبقوں میں زر کی گردش بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کا اثر بہت قابل لحاظ ہوتا ہے رکاز اور خراج بھی اس قسم کے محاصل ہیں، معاشیات کا اصول، عدم مداخلت، مالک زمین کو اجازت اور حد سے زیادہ متنوع کاموقع دینا ہے۔ تمام معاشی لگان احرا کو اس سے بھی زیادہ فائدہ اسی کو حاصل ہوتا ہے

زمین ایک مشترکہ عطیہ ہے اسلامی تعلیم کے مطابق زمین تمام انسانوں کے لئے قدرت کا ایک مشترکہ عطیہ ہے۔ تاہم تمام کے تمام اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔ اس کی ملکیت تو آزادانہ مسابقت کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے لیکن اس سے جو لگان پیدا ہوتا ہے وہ تمام باشندوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے گو زمین کو تو نہیں البتہ لگان کو مشترکہ طور پر تقسیم کیا گیا۔ زکوٰۃ (دنوی محصول) رکاز اور خراج یہ سب لگان کو اشتراکیت کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ رکاز عدلوں کی $\frac{1}{5}$ پیداوار کو غریبوں کے لئے مختص کرتا ہے۔ خراج میں زمین کی پیداوار کا $\frac{1}{2}$ فی صد لگان وصول کیا جاتا ہے۔ یہ کس خواہ مالک زمین اشت کرے یا نہ کرے واجباً نادا قرار پاتا ہے۔ اور عام تعمیری اغراض بلئے مختص کیا گیا ہے اور اس طرح تمام لوگ زمین کے مالک کہیں ہوتے تمام لگان کو استعمال کرنے کا ہر ایک حق رکھتا ہے۔ غرض یہ بھی مزدور طبقہ کی کمزوری دور کر دیتا ہے اور ان کی حالت کو سنوارتا ہے۔

اسلامی قانون وراثت فیملی ذریعہ جس سے اسلام بڑھتی عدم مساوات کا

نہاد کرتا ہے وہ اس کا حق لون دانت ہے۔ جو بڑی سے بڑی دولت کو بے شمار قربت حتیٰ کہ دور کے رشتہ داروں کے مابین تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ان کی انج کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس طریقہ عمل کو بیدار نام نہ صرف معاشرہ کے بلند طبقہ کو ادنیٰ طبقہ سے قریب کرتا ہے بلکہ بڑے بڑے کاروبار کو ترقی دینے کا شوق پیدا کرتا ہے۔ اور خوشحالی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح کاروبار کے بہت سے حصہ دار ہوا رہیں اور پھر عدم صلاحیت اور نااہلی کی وجہ سے دولت تباہ و برباد ہونے کا بہت کم خطرہ باقی رہ جاتا ہے۔

اس جدید نظام ترکیب کی ترویج سے نیکو جو مرفع و سحالی حاصل ہوتی ہے اس کا باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس کا بہت ہی مددگار اثر پیدا ہونے لگتا ہے جو مختصر جو تغیرات کے امتداد سے اس کو ساری قرب لگتی ہے۔ نئی نئی ایجادات کی ترویج بھی تغیرات کا ایک سبب ہے جن پر جدید ارتقا کا انحصار ہے۔ جو بدو فیرونیوں نے اشارہ کیے دی ایجادات کو عمل میں لائے تھے ساری کی ضرورت اس کا اندازہ ہے کہ ایجادات سے اسی وقت استفادہ کیا جاسکتا ہے جبکہ ساری تمام حصول ہو لینے قرضہ کے کاروبار میں وسعت پیدا ہو رہی ہو۔ لہذا وہ تصور کرتا ہے کہ ایجادات نہ صرف تغیرات کا سبب بنتی ہیں بلکہ صورت حال کو نہایت نازک بنا رہیں۔ اسلامی ماسیحات میں سودی قرضہ کے کاروبار کی ساری کوئی شے نہیں۔ پس ایجادات کے مرض وجود میں آنے کا اسی وقت امکان ہے جبکہ مرفع و سحالی میں بھی اضافہ ہو رہا ہو اور جبکہ انکی ترویج کے باعث جو خفیف سا اختلال پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ اس کو برداشت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

محران کا انداد و دوسرے جو تغیرات کا سبب بنتا ہے وہ تغیرات ہیں جن کو

ہمت میں رونما ہوتے ہیں ان تغیرات کو سودی قرض کے تعلق کی بنا پر سماج میں
ہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلام اس قسم کے قرضہ جات کو منوع قرار دیتا ہے
اور اس طرح وہ اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ غرض اس طریقہ کے ذریعہ اسلام
مماشخی تغیرات کو ازالہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی
س فکر و ترو کا بھی ازالہ کرتا ہے جو ان کو اپنے روزگار کے عدم استقلال کے
عشاق بناتا ہے۔

اسلام بیروزگاری کے علاوہ اذیت اور طریقہ سے اسلام بیروزگاری کو دور کرتا
ہے کیونکہ بیروزگاری کسی حد تک اوقات فرصت کی غیر مادی تقسیم کا نتیجہ ہے اسلام
نے مسکین کو روزانہ کی مقدار میں روزانہ کی مقدار میں مقرر کی ہے۔ لوگوں کو مرقعہ الحلال بنا کر
درماد کی غلات و مہجور کی خاطر حرکات کی کے مفہوم پر زور دیکر اسلام کے ٹیکر بنانے
نیت سے حصول علم عبادت، خلق خدا کی جانب انسان کی توجہ منطقت کرتا ہے۔
اس طرح اس کو اوقات فرصت کا مثلاً مماشخی بنا دیا ہے

اس آیت خلق آلاءا امات کا حوالہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے صرف
ناہی تھا دنیا کا کافی ہے کہ اسلام کوئی مماشخی تنظیم نہیں بلکہ ایک مذہب ہے۔ اسلامی
مایشات جس میں ہمارے اعلیٰ کا حل ہمارے اسکی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اصول
مداخلت کے بنیادی نقص کو ازالہ کرتی ہے یعنی وہ ان تمام مماشخی طریقہ کا
مل کو ناجائز قرار دیتی ہے جن کے ذریعہ مخاص مماشخی پیداوار کی بدولت
مخاص خانگی پیداوار حاصل ہو مثال کے طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ مہنگانے والی کنیزوں کو نہ صرف فروخت کرو اور نہ خریدو۔ نیز اپنے ارشاد
مایا ہے کہ مہجور کوئی حد سے زیادہ قیمتوں پر فروخت کرنے کیلئے مال کو اٹھا رکھتا ہے
ہنگامہ گمار ہے۔ ۲۔ ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ اسلام کس طرح غلط ناپ تول۔

ذخیرہ اندوزی اور سود کو ممنوع قرار دیا ہے۔ نیز یہ دیگر معاشرتی مضر رساں اعمال مثلاً گداگری، چوری اور آرام طلبی کو بھی روکتا ہے وہ ایسا عالم اصول بھی مرتب کرتا ہے جس کی بنا پر تذکرہ صدر اعمال سے قریب نزا اور مشابہ المرد کا عدم جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

پیدائش دولت کی اسلامی معاشیات، اشتراکیت اور عدم مداخلت کے بین میں معین راہ اختیار کرتی ہے اس طرح ان سے متعلقہ اکثر و بیشتر مسائل اسلامی معاشیات میں پیدا ہوتے نہیں ہوتے، ایک آخری خاص بلکہ توجہ خصوصیت یہ ہے کہ اسلام بہت بڑی بین الاقوامی تحریک ہے۔ طبقہ داری، لونی اور ملکی وحدت کے مقابلہ میں مذہبی وحدت کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ساری دنیا کے مسلمانوں میں ایک ہی ملکیت قائم کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ قومی خود اکتفا کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا صنعتوں کی مکمل رجحان تقسیم ممکن العمل ہے۔ پیدائش دولت میں اس سے زیادہ اضافہ کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔

تقسیم دولت کی معاشیات

جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے اسلامی تقسیم دولت کی معاشیات مجموعی پیداوار کے طور پر خوشحالی حاصل ہوتی ہے۔ دولت کی زیادہ مساوی تقسیم کے ذریعہ اس میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ پیشہ ور قرض دہندگان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے رکان کو مشترکہ ملک قرار دیا گیا ہے صرف آبرو اور مزدور ہی قومی منافع کے حقدار تصور کئے گئے ہیں۔ اسلامی تقسیم دولت کے طریقہ کو اس وجہ سے بھی نمایان اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اس میں ملو درمیانی طبقوں کا وجود پایا نہیں جاتا لیکن عام فلاح و بہبود میں اضافہ کرنے کے لئے صرف مکمل مساوات کی واحد ذریعہ نہیں ہے۔ مقررہ مجموعی حاصل یا پیداوار کی بدولت جو موزوں الحالی نصیب ہوتی ہے

گو نظری حیثیت سے اس میں اضافہ تو ہوتا ہے لیکن عموماً تحفیف پیداوار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگر نامل مزدوروں کو اہلیت رکھنے والے مزدوروں کے برابر معاوضہ دیا جائے تو اول ذکر کی اپج کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا اس کے برخلاف اگر باہمارت محنت کا معیار پست کر دیا تو ہنرمند مزدوروں کی کارکردگی متاثر ہو جاتی ہے۔ اس طرح مکمل مساوات کا اصل مقصد ہی فوت ہو جا بیگا اور نتیجہ معاشرتی فلاح و بہبود کی توسیع میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ صحیح طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مساوات کی جانب صرف اس قدر قدم بڑھایا جائے جتنی کہ معاشرتی فلاح و بہبود میں اضافہ کی مناسبت سے اس کی ضرورت پائی جائے اور عدم مساوات کو صرف ایک خاص حد تک برقرار رکھا جائے تاکہ اس کے ذریعہ زیادہ بڑا خدمات کا صلہ حریت کی قیمت ادا کرنے کا موقع ملے۔ اسلام میں بالکل یہی صورت پائی جاتی ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کے ذریعہ حنیفیات کے مغربی دولت کی تعمیر عمل میں آتی ہے اس لئے خلفائے راشدین نے عہد میں بڑے پیمانہ پر زکوٰۃ کا ہونظام قائم ہوا تھا اس کے بعض لوگوں میں لٹا بھی پیدا ہو گئی ہے جس کی بنیاد پر اسلامی تقسیم دولت کے اصول کو وہ شائبہ سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ اسی بنیاد پر خان کو میر نے یہ رائے ظاہر ہے کہ حضرت رافعہ کی بیسارت کا اشتعالی الہی نظام تاریخ کا ایک نہایت ہی اہم نکاح ہے۔ ... تمام مسلمانوں کو مکمل طور پر مساوی حقوق حاصل تھے۔ حکومت کی کل آمدنی نیز ام مفتوحہ اراضی ملت اسلامیہ کی مشترکہ جائداد سمجھی جاتی تھی اور اس کا برادری ہر فرد حکومت کے خزانہ سے ایک مقررہ سالیانہ پاتا تھا، اور وہ بخش و بخشے انہادی اسلام، کو قطعی طور پر جمہوری اور اشتراکی تصور قرار دیا ہے۔

لہذا ہم اسلامی نظام نہ تو اشتراکی ہے نہ شتمانی تقسیم دولت کا اسلامی اصول
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب کو کم از کم اسکی بنیادی ضروریات کے موافق دیا جائے۔
 (اگرچہ کہ محنت کے لحاظ سے اجرت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو) اور امیر کو اسکی مذمت
 مطابق دیا جائے۔ مفید ترین معاشی ہنر و کمال کو ممتاز درجہ اور بہتر صلہ عطا کیا گیا ہے
 خود خدانے یہ انتظام فرمایا ہے اور معاشی نقطہ نظر سے درجہ بندی کی اجازت دے دی ہے
 نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں
 ودرعنا بعضهم فراق بعض درجات ان کی روزی تقسیم کی اور بعضوں
 لیتخذ بعضهم بعضا سخريا۔ کا درجہ بعض سے بلند کیا اور بعض

پ ۱۲ التوفيق ۴۳ ع لوگ بعضوں سے کام لیں۔
 ایک اور جگہ ایشا فرمایا گیا ہے جس کی روزی چاہتا ہے کٹا وہ کٹ دیتا
 يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر ہے اور جس کی چاہتا ہے تناسل
 پ ۱۳ ردع ۱۳ ع کر دیتا ہے۔
 "ہم معاشی مراتب اور پیشے معاشرہ میں کسی فرد کی حیثیت کو متاثر نہیں
 کرتے۔"

انما الطوٰصنون اخوة

پ ۲۶ ع ۴۹

بے شک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں

Orient under the Caliph

یہ مراتب تو صرف معاشی تقسیم عمل کے لئے ہیں۔ انسان کی قدر و قیمت کا معیار نہیں ہے۔ اسلام نے دولت کے فریب کو نیست و نابود کر کے اس کے بجائے امتیاز اور قدر و قیمت کا ایک جداگانہ معیار مقرر کیا ہے۔ اس سے ہم کو اسلام کی اس بنیادی خصوصیت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے جس کو ”معمولی کاروبار زندگی“ پر قابو حاصل ہے۔ محبت اور ایثار کی اہمیت کے مقابل میں اس کی قدر و قیمت کو تابع اور محدود قرار دے کر اسلام نے اس بنیادی مسئلہ پر کارسی ضرب لگائی ہے جو تمام معاشی مشکلات کا سرچشمہ ہے۔ نظریہ اسلام کے مطابق

قد جعل اللہ لكل شیء قدراً۔

خدا نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

پ ۲۸۔ الطلاق ۶۵ ع ۱

شخصی اور انفرادی ترقی کا راز اسی اصول کی پابندی میں مضمر ہے۔ ان اقدامات کے مجملہ کسی ایک کے ساتھ غیر متناسب محسوس کا اظہار انفرادی ترقی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ معاشی مسائل سے قریب تعلق رکھنے والے اقدامات کے معیار کا قرآن کی روشنی میں مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر معیار کی پابندی کی جائے تو چند بنیادی معاشی مسائل باسانی حل کئے جاسکتے ہیں۔ خانگی زندگی اور دولت کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے باوجود وہ دُنیا کی قدر و قیمت کا ایک جزو ہیں اور بذاتِ خود ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

فما متاع الحیوة الدنیا فی الاخرة
دنیاوی زندگی کما متاع آخرت کے مقابل میں
الاقلیل۔ پ ۱۰۔ التوبہ ۶۹ ع ۱

ان کو تو صرف واسطہ کی حیثیت سے نہ کہ بجائے خود مقصد کے لحاظ سے کوئی اہمیت حاصل ہے۔ قدر و قیمت کی قطعی تعین میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتى
اس دن مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔

اللہ بقلب سلیم۔ پ ۱۹۔ الشرح ۲۶ ع ۵۴
ہاں مگر جو خدا کے پاس پاک دل لے کر آئے
اس دنیوی زندگی میں وہ کچھ سہہ سکتے ہیں۔ وہ زندگی کے لئے مفید بھی ہو سکتے ہیں
اور مضرب بھی۔

چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ

یا ایہ الذین امنوا ان من امنوا احکم
اے مسلمانو! تمہاری بعض بیویاں اور
بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار
رہو۔

پ ۲۸۔ الطلاق ۵ ع ۲۴

یا ایہ الذین امنوا لا تلہکم اموالکم
یا ایہ الذین امنوا! تمہاری اولاد اور تمہاری
دولت تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ
کر دے۔ پس جو بھی ایسا کرتے ہیں

پ ۲۸۔ المنافقون ۶۳ ع ۲۴

والذین یکنزون الذہب والفضة
جو لوگ سونا اور روپیہ انداختہ کرتے ہیں اور
ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے
محمد! انہیں سخت عذاب کی خوشخبری سنا۔

پ ۱۰۔ التوبة ۵ ع ۵

تو ان کے یہ ارشادات اہل و عیال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور دولت کسی مجبور
حرم یا آزکے لئے کافى ہے۔

آخری اور قطعی فیصلہ کے وقت صرف اعمال ہی کو اہمیت حاصل ہے۔

بہرحال یہ کئے گئے ہیں پھنسا ہے۔

کل نفس اکسبت رھینة

پ ۲۹۔ المائدة ۲۴ ع ۲۴

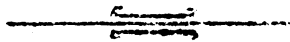
والباقيات الصالحات خیر عند ربک اور باقی رہنے والی نیکیاں خیر کے لیے بہتر ہیں۔
 فقہا و خیر مرد: ج ۱۶، ص ۲۹۔ لکھتے ہیں اور بہتر پھر جان کی جگہ ہے

اسلام نے قطعی طور پر اس تصور کو مٹا دیا ہے کہ دولت ہی اصل مقصد دنیا کا
 جزو لا ینفک ہے یہی وجہ ہے کہ دولت کے حصول سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا، اس برخلاف
 اچھے اور مفید عمل کرنے والوں کو فضیلت دیا گئی ہے۔

ان الذین امنوا و عملوا الصالحات بے شک لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام
 لکے اور خیر البریہ: پ ۳۰، البیت ۱۴۹۸ کے تو وہ بہترین خلائق ہیں۔
 والصلح بریف: پ ۲۲، خلاصہ ۲۶۲۵ اور اچھا کام اسی کو پہچانا ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تم میں سب اچھا ہے جو لوگوں کے
 پاس سب اچھا ہے۔“ (التزیدی: ابو داؤد) اس قسم کا تعمیری مبادی فضیلت تمام کر نیے جو سود
 اثر مرتب ہوا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس قسم کی تعلیم کے ذریعہ اسلام مساویات کے مرکزی مسئلہ کو حل کرے گا
 جسکے متعلق پروفیسر کنز (PRSKYNE) نے حربہ لے لے ظاہر کی ہے ”بہر حال روزانہ
 مجھ پر غلطی ہر متناجیابا ہے کہ ہمارا زمانہ کا اخلاق مسئلہ دولت کی محبت رو کیا نیکی ۹ زندگی
 کے کاروبار کے مفاد میں مل طور پر توجہ مبذول کرانیے افراد کی معاشی کفالت کیسے علیحدہ
 جدوجہد کر نیسے زر کی معاشرتی پسندیدگی سے کہ وہ تعمیری کام کا پیٹا ہے اور اندوختگی کی
 خواہش کی طرف توجہ مبذول کرانیسے کہ بال وہ بحول اور ناکامی کے زمانہ میں ضروری ہو گا
 اور اس قسم کی تعلیم کے ذریعہ اسلام اس تنا کی تکمیل کرتا ہے۔“ زمرہ متعلق ہمارے تصور اس
 حساس میں ایک انقلاب کی تخلیق شاہد عصر حاضر کے فکر کی نظر نامہ کا ایک نئی پذیر
 مقصد قرار پائے۔

اسلامی معاشی نظام کی یہ چند خصوصیات ہیں جن کی سادگی نے انہماک کی
 گہرائی کو مخفی رکھا۔ آج دنیا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے قابل ہے۔ گراں قدر
 تجربات کے بعد اشتراکیت اور آزاد میشتن کی بے بسی آشکار ہو چکی ہے۔ آخر الذکر
 مسا پیشہ کا تو فائدہ ہی ہو چکا ہے۔ دوران جنگ مابعد جنگ کے زمانہ میں یورپ کے
 تمام ملکوں نے یکے بعد دیگرے اس تصور کو ترک کر دیا ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ تو
 شعبہ ہائے جیٹا کی کل تنظیم کی طرف متوجہ ہے یہی تبدیلی چین میں بھی نظر آتی ہے چنانچہ
 متوحی دستور و عبوری دور کے لئے تباہی رخ۔ ارمی اسکے ۱۹۳۷ء مرتب کیا گیا اس میں
 ظاہر کیا گیا ہے کہ خانگی جائداد کے حق ملکیت کے استعمال کا قانون کے زیر
 تحفظ کیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ عوام کے مفاد سے متصادم نہ ہو۔ برخلاف اس کے
 فاسٹی ٹریڈک سائنٹفک اشتراکیت کو مغفل کرنیکا مطالبہ کر رہی ہے۔ ان
 دونوں کی زندگی اور کارکردگی کی بقا اسے اس کے حدود و عمل پر منحصر ہے۔
 معاشی تاریخ نئے صاف طور پر واضح کر دیا کہ عدم مداخلت اور اشتراکیت
 کو ہی اہم پندہ کی وجہ غیر مستحکم ہے، موزوں اور منفعت از معاشیات کے لیے
 مذکورہ بالا حد اصاب کے تقاضے دور کرنے ان میں اسلامی اصولوں کے مطابق
 توازن قائم کرنے کا مسئلہ یقیناً غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔



آجر اور مزدور اسلام میں

یوسف الدین ام۔ آ (عثما) متعلم پی ایچ ڈی

آجرا اور مردور اسلام میں

محنت کی عزت اور مردور کا وقار۔۔۔ اجرتوں کی بحث کے سلسلہ میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ محنت کی عزت اور مردور کے وقار کا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج سیویں صدی کی مہذب دنیا میں بھی سوائے ممالک متحدہ امریکہ کے باقی کم و بیش تمام ممالک میں ابھی تک مزدور پیشہ طبقہ کو چنداں وقعت اور عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ جسمانی محنت کرنے والے دستکاروں اور مردوروں کی الموم کوئی وقعت حاصل نہیں۔ آج دنیا کی اس قدر ذہنی اور عقلی ترقی کے باوجود لوگوں کے دل و دماغ پر بھی تک یہ تعصب چھایا ہوا ہے کہ جسمانی محنت حقیر چیز ہے اور اس کی وجہ سے جسمانی محنت کرنے والا مردور بھی چنداں عزت کا مستحق نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل کے پڑھے لکھے نوجوان بھی ان ہی کاموں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جن میں جسمانی محنت نہ کرنی پڑے۔ یا ہاتھ سے کام نہ کرنا پڑے خواہ اس میں اہلکاری سے زیادہ اجرت لگائیوں نہ ملتی ہو۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ جنگ سے پہلے بھی میٹرک کامیاب اہلکار سے بڑھائی اور معیار زیادہ اجرت کھاتے تھے۔ اور اب تو اور بھی زیادہ کماتے ہیں۔ نوجوان بے کاری کو پسند کرتے ہیں لیکن اس قسم کے پیشہ میں جانا پسند نہیں کرتے۔ یہ حال صرف ہندوستان کا نہیں بلکہ پوری حد تک یہ مثال دنیا کے اور بھی اکثر و بیشتر ممالک پر صحیح طور پر صادق آتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ باوجود اس قدر ذہنی ترقی کے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ابھی تک ہاتھ سے کام کرنے والوں کے خلاف تعصب باقی ہے۔ آج بھی بہت سے ایسے خاندان موجود ہیں کہ اگر ان کے خاندان کا

کوئی فرد دستکاری کا پیشہ اختیار کر لے تو خاندان بھر کے لئے باعثِ تنگ و عار سمجھتے ہیں۔
جسرا معاشرہ کے ایک بڑے طبقہ کے خیالات یہ ہوں تو اس میں مزدور پیشہ طبقہ کی بہتری اور
بہبودی کی کیا امید قائم ہو سکتی ہے؟

اس سلسلہ میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے ان تمام مصنوعی
امتیازات کو یک قلم مٹا دیا اور صحیح معنوں میں نہ انسانِ انوث کا ثبوت دیا بلکہ علی طور پر صرف
مزدور کے وقار کو بلند کیا بلکہ محنت کو نہایت باعزت بنا دیا کیونکہ اسلام میں تمام پیشہ ورانہ امتیازات کو
مٹا دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل تو ہم پیدائش دولت کے باب میں محنت کے تحت کر چکے ہیں۔ البتہ
اس سلسلہ میں یہاں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت پر کیریاں چلائیں
اور اجرت پر بیوپار کیا۔ اسلام نے پیشہ ور کو خدا کا دوست قرار دیا ہے۔ کہ اَلْكَاسِبُ حَبِيبُ اللّٰهِ
مسئلہ اجرت کی اہمیت :- تقسیم دولت کے مباحث میں اجرت کے مسئلہ کو خاص اہمیت
حاصل ہے کیونکہ اجرت کا تعلق خود انسان کی محنت سے ہے۔ اور اس کا اثر تمام معاشرت پر
پڑتا ہے۔ مشینوں کی ایجاد۔ بڑے بڑے کارخانوں کے قیام، اور پیدائش برہمچانہ کبیر کی وسعت
کے ساتھ ہی ساتھ اجرت کا مسئلہ روز بروز اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔
اجرت کی تعریف :- پروفیسر نیھام نے اجرت کی یہ تعریف کی ہے کہ :-

A WAGE MAY BE DEFINED AS A SUM OF MONEY PAID UNDER
CONTRACT BY AN EMPLOYER TO A WORKER IN EXCHANGE

SERVICES RENDERED. (اجرت کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ وہ مقدار زر ہے جو معاہدہ کے
تحت آجر مزدور کو اس کی خدمات کے معاوضہ میں ادا کرتا ہے۔)

زمانہ جاہلیت میں آجر و مزدور کے تعلقات :- آج عام طور پر جو یہ پکار رہے ہیں کہ سوا یہ دار اور آجر مزدوروں کو لوٹ رہے ہیں۔ تو یہ کچھ نئی چیز نہیں ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ بات موجود تھی اور فتوحات اسلامی کے وقت صحابہ کرام کی بھی اس پر نظر پڑی چنانچہ عمرو بن العاصؓ (سید سالار مصر) حضرت عمرؓ کو اپنے ایک خط میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”ایک مخلوق جس پر خدا کی مہربانی ہے اور جو شہد کی کھیتوں کی طرح دوسروں کے لئے محنت کرتی ہے۔ اور اپنی محنت اور کارٹھے پسینے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی۔“

الغرض جاہلیت میں بھی آجر و مزدور کا سوال موجود تھا۔ جاہلیت میں بھی بڑے پیمانہ پر خود عرب میں کاروبار ہوتے تھے چنانچہ ”عرب کے طبعی اور جغرافی حالات“ میں میں نے واضح کیا ہے کہ جاہلیت میں بھی وہاں کان کنی ہوتی تھی اور ہزار ڈیڑھ ہزار مزدور کام کرتے تھے نیز جیسا کہ میں نے ”عرب کے قدیم معاشی نظام“ میں واضح کیا ہے کہ قریش کے تجارتی کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتے تھے اور خود بدر کے کاروان میں دو ہزار اونٹ تھے۔ ابتداً اسلام سے بعض کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانہ پر شروع ہو گئے تھے۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑی بڑے جہازی کارخانے قائم ہو گئے تھے۔ اس معاملہ میں میں یہ سی جاڑوں اور ڈاکٹر گیس کا ہمنوا ہوں جو انگلستان میں مختلف کاروبار کے واقعات لکھنے کے بعد قلم طراز ہیں کہ :-

THESE EXAMPLES REFUTE THE INDIA, FORMERLY WIDELY

HELD, THAT THE LARGE FACTORY BUSINESS WAS UNKNOWN

BEFORE THE INDUSTRIAL REVOLUTION. (یہ مثالیں عام طور پھیلے ہوئے

اس قدیم خیال کی تردید کرتی ہیں کہ بڑے پیمانہ پر کارخانے کے کاروبار صنعتی انقلاب سے پہلے ناپید تھے۔

جاہلیت میں مزدوروں کی حالت نہایت خستہ تھی اور ان میں بالکل قلیل اجرت ملتی تھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن میں اجرت بردار یاں چرائیں اور آپ کو نہایت قلیل معادضہ یعنی فی بکری دو ایک قیراط ملتے تھے۔

آجہ اور مزدور کا تعلق قبل از اسلام ہے۔ ماسوا اس کے آجہ کا تعلق مزدور کے ساتھ نہایت سنگد لانا تھا۔ اس کے ثبوت میں، میں نے ”عرب کے قدیم معاشی نظام“ میں تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طرح ایک قرشی آجہ نے ایک معمولی وجہ کی بنا پر ایک باشی مزدور کو ایک ٹکڑے سے غریب شدید پہنچی جس سے غریب مزدور کی موت واقع ہوئی اور بعد میں آجہ کا قیدیہ کہ اکبر بی الدہ مزدور کو کتنی اجرت ملنی چاہئے؟۔ معاشرہ پر مزدوروں کی اجرت کا اثر بڑا

ہوتا ہے مزدور کو اجرت کم ملے تو نہ صرف مزدور اور اس کے خاندان کا معیار زندگی پست ہوگا بلکہ بحیثیت مجموعی اس کا اثر پوری قوم و ملت پر ہوگا۔ کیونکہ ہر ملک میں محنت کرنے والے طبقہ ہی کی اکثریت ہوتی ہے۔ خواہ وہ داغی کام کرنے والے ملازمین ہوں خواہ جسمانی محنت کرنے والے مزدور، مزدور کو کتنی اجرت ملنی چاہئے؟ یا بالفاظ دیگر اجرت کا تعین کیونکر ہوتا ہے؟ تو اس سے متعلق معاشین میں اختلاف رائے ہے۔ اور ابھی وہ کسی متعلقہ نتیجہ تک نہیں پہنچے ہیں۔ اس بارے میں اسلام نے جو حکم دیا ہے اس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

ہُمْ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ

میلٹن بریگز اور پرسی فوردان کی معاشی تاریخ
ENGLAND, CHAPTER PAGE 123. THIRD EDITION, 1934.

اَيُّكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللهُ اَخَاهُ تَحْتَ
يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَكُلُ وَلْيَلْبَسْهُ مِمَّا
يَلْبَسُ وَلَا يَكْفِهْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا
يَعْلِبُهُ فَاِنْ كَفَّهُ مَا يَعْلِبُهُ فَلْيَعْلِبْهُ
كَيْفَ يَشَاءُ
کیا ہے پس جس کے ماتحت خدا نے اس کے بھائی کو
کیا ہر تو چاہئے جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلا
جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے اور جو کام
اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کی اسے
تکلیف نہ دے۔ خدا اگر حیف بھی دے تو اس کی مدد بھی کرے۔

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی (صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) نے مجھ سے اس
حدیث کی جو تشریح فرمائی وہ یہ ہے کہ

(۱) مزدور اور مزدوری پر جو لوگوں سے کام لیتے ہیں۔ آنحضرت صلیم کا منشا یہ ہے کہ۔
وہ ان کو اپنا بھائی خیال کریں اور دونوں میں تعلقات کی نوعیت ایسی ہو جیسے کہ بھائی بھائی میں ہوتی ہے۔
(۲) کم از کم کھانے پینے پہنے کی حد تک دونوں کی معاشی سطح برابر ہو کہ جو خود کھائے وہ مزدور
کو کھلائے اور جو خود پہنے وہ مزدور کو پہنائے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اجرت کے معاملہ میں
اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے یعنی کم از کم اتنی اجرت تو بہر حال ہر مزدور کو ملنی چاہئے کہ کھانے اور
پہنے کی حد تک وہ اپنے آجر کے برابر ہو جائے۔

(۳) وقت اور کام دونوں کے حساب سے مزدور پر اتنا بوجھ نہ لاداجائے جو ان کو مغلوب کر کے
تھکا دے۔ وَلَا يَكْفِهْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَعْلِبُهُ (اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کی اسے تکلیف نہ دے)
ایسا فقرہ ہے جس سے موجودہ زمانہ میں وقت اور کام کی نوعیت کے مسئلہ کو طے کیا جاسکتا ہے۔

(۴) اگر کوئی کام ایسا پیش آجائے جس کی انجام دہی میں مزدوروں کو دشواری پیش

آ رہی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کام کو نہ کرایا جائے اور نہ یہ مطلب ہے کہ خواہ مزدور پر کچھ ہی گزر جائے لیکن بہر حال اس سے وہ کام لیا جائے بلکہ ایسی صورت میں یہ کرنا چاہئے کہ مزدوروں کی مزدوری کی اعانت مزید قوت سے کی جائے فلیعنه (اس کی مدد کرے) کا یہ مطلب نہیں کہ خود اس کام میں لگ جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ بہر حال مزید قوت سے مزدور کی اعانت کی جائے ہر شخص کو روزانہ کس مقدار میں کام کرنا چاہئے اور کتنے گھنٹے کام کرنا چاہئے؟ تو اس سے متعلق یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ ”رسول خدا صلعم سے یہ سوال کیا گیا کہ خدا کو کونسا عمل پسند ہے؟ فرمایا دوا می علی اگرچہ قلیل ہو اور فرمایا جس قدر تم کام بآسانی کر سکو اتنے کا التزام کر لیا کرو۔“

معاشرین یہ بیان کرتے ہیں اور عام مشاہدہ بھی ہے کہ کسی ملک میں اس کے کسی حصہ میں مزدوروں کی تعداد کی کاروبار کی مقدار میں کثرت ہو تو اجرتیں گر جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اس کا تو ایک حل یہ پیش کیا ہے کہ مزدوروں کی ملک میں آزادانہ نقل و حمل ہو اور اس میں کچھ رکاوٹ نہ ہو یعنی توطن خارجی کے ذریعہ اجرتوں کے معیار کو گرنے سے روکا گیا ہے اور مزدور کو اس بات کا پورا پورا حق دیا ہے کہ اس کو جہاں اجرت زیادہ ملے وہ وہاں چلا جائے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي
الْأَرْضِ مُرَافَعًا كَثِيرًا وَسَعَةً۔
قرآن ۲۵۔ النساء ۴

جو کوئی خدا کی راہ میں ہجرت کرے گا تو
زمین پر مرفع الحال اور کثرت و فراوانی
پاتا ہے۔

اس کی تفصیل تو ہم پیدائش دولت کے باب میں کر چکے ہیں۔

اگر ایک طرف ترک توطن کے ذریعہ اجرت کے معیار کو گرنے سے روکا گیا ہے تو دوسری طرف خود حکومت بے روزگار مزدوروں اور غریب طبقہ کے روزگار کی زکوٰۃ کے ادارہ کے ذریعہ

ذمہ داری لیتی ہے۔ مزدوروں کی مرفہ الحالی کے لئے سرولیم بیورج نے حال ہی میں جو تجاویز پیش کی ہیں ان کا ملک میں بہت چرچا ہے اور سے ایک بہت بڑا انقلاب سمجھا جا رہا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد انگلستان ہی پہلا ملک تھا جس نے مزدوروں کی بیمہ کی تجویز منظور کی تھی اور جس کی رو سے بیکاری کے چند ہینوں میں مزدوروں کو حکومت کی جانب سے کچھ مالی امداد دی جاتی تھی۔ جو انگلستان میں (DOLE) (سرکاری امداد جو بے روزگاروں کو ملتی ہے) کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے الفاظ میں گزشتہ جنگ عظیم سے پہلے بیکار مزدوروں کے لئے ان کی روزی مہیا کرنے کا حکومت کی جانب سے کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ بیورج اسکیم جس کا آج کل اس قدر چرچا سنا جا رہا ہے آج سے ۱۳۶ سال پہلے اسلامی نظام میں عملی طور پر رائج تھی حضرت عمرؓ نے تو باقاعدہ تجربات کئے تھے کہ ہر شخص کس قدر کھا سکتا ہے اور اس کے مطابق روزیہ مقرر کئے تھے اس کی تفصیل ہم آئندہ کریں گے "الغرض اسلامی نظام غریبوں کے لئے وافر روزی بہم پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہے اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر جائدار کی روزی کا مدار خدا سے رازق پر ہے۔ چنانچہ

خدا نے تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ

اپنے بچوں کو نفیس سے ڈر کر قتل نہ کر دیم ان کو اور تم کو روزی دیتے ہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ بَنُو إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ ۖ اِعْمَلُوا

بِزیرہ کہ

ان کو دنیاوی زندگی میں ہم نے ان کی روزی تقسیم کی۔

وَلَكُمْ فِيهَا نِسَاءٌ وَأَوْلَادٌ وَمِنْ ثَمَرِهَا رِزْقٌ ۚ إِنَّهَا بِرُءُوفٍ رَحِيمٍ ۝۱۰۱

الدُّنْيَا۔ قرآن پ

چنانچہ اسلامی معاشیات میں حکومت خداوند تعالیٰ کی جانب سے ادارہ زکوٰۃ یا منویٰ محصول (Growth Tax) کے ذریعہ اس ذمہ داری سے

عہدہ برآہوتی ہے لہ

اسلامی معاشرہ میں زکات کا کیا مصرف ہے اور اس کا کیا منشا ہے تو اس سے متعلق ہم سرکاری آمدنی اور اس کے مصارف میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ البتہ یہاں صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ زکاة مالداروں سے لی جاتی ہے اور ناداروں کو دیا جاتی ہے

تَوَخَّذْ مِنْ اَعْيُنِنَا نَحْنُ وَمُورِدْ فِي فَعْنِ نَحْنُ

مالداروں سے لی جائیگی اور ناداروں کو دیا جائیگی

الغرض یہ ارادہ زکاة، آجروں کی قوت مقابلہ کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ ان کے لئے غیر منفعت بخش ہوگا کہ کارخانے بند کر کے مزدوروں کو شکست دیں لازمی طور پر حکومت ان ٹیکس عائد کرے گی اگر وہ کارخانے بند کر کے مزدوروں کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ کیونکہ ملوکہ جائداد پر ٹیکس عائد ہوتا ہے اور اس طرح ان کی جائداد پر بھی ٹیکس عائد ہوگا اور وہ منقسم ہوتی جائے گی۔ اس لئے عملاً وہ مزدوروں کو اتنی اجرت دے دیں گے جتنی انھوں نے پیدا کی دولت میں مدد دی ہو۔

اسی طرح اسلام میں پیشہ کی آزادی ہے کہ اگر کسی پیشہ میں ضرورت سے زیادہ لوگ ہوں تو اس پیشہ کو چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنے کی کامل آزادی رکھتے ہیں۔

اجرت کے معیار کو ملن کرنے کے لئے اعلیٰ کارکردگی کا ہونا لازمی ہے جو اسلام نے معیار کارکردگی بڑھانے کے لئے جو تعلیم دی ہے اس کو ہم پیدائش دولت کے باب میں بیان کر چکے ہیں

M. HAMIDULLAH'S ISLAM. SOLUTION OF THE BASIC ECONOMIC PROBLEMS. SOL. ISLAMIC CULTURE, APRIL, 1936. VOL. X.

۱۵۔ ہماری کتاب زکات

M. HAMIDULLAH'S ISLAM. SOLUTION OF THE BASIC ECONOMIC PROBLEMS. ۱۵ ISLAMIC CULTURE, APRIL, 1936. VOL. X.

غرض ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا غریب مفلس اور مزدور طبقہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں کھانے کے لئے کھانا پہنچنے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے مکان میسر نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور اور خلفائے راشدین کے دور میں معیار زندگی بڑھتے بڑھتے دولت مندوں جیسا ہو گیا تھا چنانچہ حضرت ابوسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ جب صدقہ کا حکم دیتے تھے تو کوئی شخص ہم میں سے بازار جاتا اور بوجھ اٹھاتا اور اسے ایک مدغلہ وغیرہ (مزدوری میں) مل جاتا (اور اسی سے وہ صدقہ دیتا) اور آج ان میں سے بعض آدمیوں کو پاس ایک لاکھ درہم موجود ہیں۔ شیعہ (جو کہ راوی حدیث ہیں) کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ ابوسعودؓ نے یہ اپنا ہی حال بیان کیا۔ اس قسم کے واقعات سے حدیث اور اسلامی تاریخیں پر ہیں۔ یقیناً یہ مزدور طبقہ کے لئے ایک عہد زین تھا۔

آج کس قدر کم از کم اجرت دینا پسند کرے گا۔ تو اس سلسلہ میں ہم حجاج بن یوسف المتوفی ۹۵ھ کے دور کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

”الانبار کے دہقانوں نے سعد بن ابی وقاصؓ (فاتح ایران و عراق) سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے نہر کھدوا دیں اور یہی درخواست انھوں نے عظیم الفرس (کسری شاہ ایران) سے کی تھی سعدؓ نے سعد بن عمر بن حزام کو نہر کھدوانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کام کے لئے لوگوں کو جمع کیا۔ کھدوائی کا کام شروع ہوا حتیٰ کہ وہ ایک پہاڑ تک پہنچے جسے شق کرنا ان کے اسکان میں نہ تھا اس لئے کام بند کر دیا گیا۔

پھر جب حجاج بن یوسف عرق کا والی (گورنر) ہوا تو اس نے ہر طرف سے لوگوں کو جمع کیا اور اپنے منظم تعمیرات سے کہا کہ کھودنے والوں میں سے ہر شخص جتنا کتا ہے اس کی قیمت کا

اندازہ کرو۔ اگر اس کی خوراک اس کے روزانہ کے کام کے برابر ہو تو کام جاری رکھا جائے
سعد اس کام پر مال خرچ کرتا رہا حتیٰ کہ نہر کھد گئی ۱۷

اسلام میں آجر و مزدور کے تعلقات :- اس سلسلہ میں آجر اور مزدور کے درمیان
جو تعلقات ہونے چاہئیں۔ اس کا تذکرہ بھی ضرور معلوم ہوتا ہے قرآن مجید نے دو پیغمبروں کی
زندگیاں بطور نمونہ کے ایک کو آجر اور دوسرے کو مزدور کی شکل میں پیش کی ہے جس میں مزدور کی
صفات ”القوی الامین“ (طاقتور اور امانت دار) اور آجر کے صفات

وَمَا أَمْرُنَا أَنْ تَشْتَكَ عَلَيْنَا سَبْعَ نِيَّاتٍ
شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ قُرْآنِ الْاَقْصَىٰ
میں تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ بخدا تم مجھ کو
نیکو کار پالاؤ گے۔
بیان کئے گئے ہیں۔

نوگوا اسلامی ملک کے حدود کے اندر یا اسلامی معاشرہ میں آجر اور مزدور کے
جو تعلقات ہونے چاہئیں یہ ان کا پنجوڑ ہے۔ کہ آجر کا برتاؤ مزدور کے ساتھ بالکل ہمدردانہ ہو۔

اسلام نے آجر اور مزدور کو مساویت کا درس دیا ہے کہ
الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ -
مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہ کرے

بخاری کتاب النظم والقصاص نیز مسلم کتاب البر

المختصر اس بارے میں اسلامی تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ رسول اکرم صلعم نے تاکید فرمائی کہ
لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ
مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ -
تم میں سے کوئی ایسا منار نہ ہوگا جب تک کہ
اپنے مسلمان بھائی کے لئے دہی چاہے

جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ بخاری کتاب الایمان پانچواں نمبر ۱۲

بیروح ایسکم
 اور
 معاشی کفالت کا اسلامی نظام

ع۔ شنگھو شید
 غلام وسیر درت ام۔ ۱۰
 پروفیسر ریخ اسلام فارسی
 نظام کالج

نیوج اسکیم اور معاشی کفالت کا اسلامی نظام

انسانوں کی کسی جہتی میں چلنے والوں اگر ایک طرف ایسے لوگ دکھائی دیتے ہیں جو خوشحال
 ہیں عیش و آرام سے گزارتے ہیں۔ نعم روزگار سے آزار ہیں تو دوسری طرف ایسے مزدور ہیں
 جنکیس یتیم ہیں، دائم المریض ہیں جو کھانے پکڑے کو ترستے ہیں۔ ایسے تنگ دست بھی ہیں جنکی
 آمدنی ان کے اور ان کے بال بچوں کی بنیادی ضرورت کیلئے بھی کافی نہیں ہوتی۔ ان کے
 ساتھ ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ کام کرنے کو اور پسینہ بہانے کو تیار ہے لیکن اہل سرمایہ
 میں انکی محنت کا کوئی خریدار نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بے گھر وں کو گھر، بھوکوں کو کھانا، انگلوں کو کپڑا، بیماروں
 کو دوا اور بیروزگاروں کو مزدور گزار کون مہیا کرے۔ یہ خالص سرمایہ پرستی کی ذمہ داری
 کو تو اس سوال کے حل سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ ہاں چونکہ مذہب اخلاق کا اثر کچھ نہ
 کچھ بھی چلتا ہے اسلئے سرمایہ دار فہم کے نظام میں بھی بعض بعض بڑے سخی لوگ
 ہیں جو شخصی طور پر اس معاملہ میں درمندان کا کچھ نہ کچھ ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں اگرچہ
 دوسری طرف لوٹتے بھی رہتے ہیں۔

مشرق و ماہ مشرب ہر س برابر است ہا ما شراب خورد و بہ زان ہا منسا زد کرد
 سرمایہ داری اس کا باعث نہیں بلکہ حیرت یہ ہے کہ سرمایہ داری کے باوجود زیرِ غفلت
 کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر لیتے ہیں۔ انسانی جذبہ کے ان بے بس اور محروم اعضاء کی فلاح
 بنیادی ضروریات کی ضمانت اور معاشی احتیاجات کی کفالت لینا قوم اور حکومت کا

فرض ہے یا نہیں؟ یہی اصل زیر بحث مسئلہ ہے۔
 ریاست اور ریاست کی تاریخ کے ورق اٹسے جائیے۔ معلوم ہو جائیگا کہ اس سوال کا
 تشفی بخش جواب پانا ”جوئے شیر“ لانے سے کم نہیں میں تشفی بخش کا لفظ خاص طور پر
 ادا تھا استعمال کیا ہے کسی وقت ایسے چند آدمیوں کو حکومت کے کسی خیراتی مد سے کچھ دیا
 جا یا کسی خاص عاکم کا سال سنا دت کا ثبوت دینا اس مسئلہ کا تشفی بخش حل نہیں ہے
 اگرچہ رفاہ عام کے امور یعنی ”وپلک ورکس“ کے مفہوم میں روز بروز ترقی اور
 وسعت ہو رہی ہے لیکن کسی سلطنت میں یہ مفہوم اس درجہ پر نہیں پہنچا ہے کہ
 داد نام یا عام شترک ضروریات مثلاً (تیکمات، تعمیرات وغیرہ) کے علاوہ جس سے
 اندر اور غریب کیساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انفرادی احتیاجات اور مشکلات کو حل بھی
 حکومت کے منظم فرائض میں داخل ہو جائے۔ اس بعد میں تحدین کا عطف خاص رکوس
 شوشلزم کے باعث اس سے متشائے اس کوں کے معاشی انقلاب اقبال کے لفظ
 یہ رنگ عام پتیزن شتر کا کام کیا ہے ۵

نیز نیٹے برگ عالم نژد اور ست

موجودہ جنگ میں روس اور برطانیہ کا اتحاد شاید ایک ”خاص خیر“ ہے جو
 جنگ جلد کے شر پیدا ہوا ہے۔ بح خدا شترے بر انگیزد کہ چیز ماورائے اشد معاشی
 اصلاحات و مساوات کی تحریک یوں بھی زمانہ کا تقاضا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو اس
 اتحاد سے بھی کافی قوت پہنچی ہے کہ حکومت کو معاش وغیرہ کے انفرادی احتیاجات
 کا تکمیل پر بھی ذمہ دارانہ توجہ کرنی ضروری ہے۔ برطانیہ نے اس باب میں سبقت کی ہے
 برطانوی حکومت کے ایما پر عملی معاشیات کے ایک ممتاز ماہر سر ولیم پورج نے ایک

ایکیم بنائی ہے، جو میجر اسکیم کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اسے بین الاقوامی اہمیت کی ایکیم قرار دیا گیا ہے۔ امریکہ میں بھی اس نوع کی ایکیم زیر غور ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انگلستان کی قومی زندگی میں ایک تھیل ترین معاشی معیار قائم کیا جائیگا۔ کسی ہاشدہ کو اس معیار سے گرنے نہیں دیا جائیگا۔ شدید ترین ناداجبی معاشی مداخلت میں بہتر توازن پیدا کیا جائیگا۔ خانگی جائیداد کی قوت میں یکجہ تبدیلی میں آئیگی اور مفادات حاصلہ کی کچھ قوت گھٹ جائیگی۔

جو اس معیار سے گرتے ہوئے ان کو احتیاج سے آزادی بخشی جائیگی، مزدوروں کے جزیئے سیر کو ختم کیا جائیگا۔ قومی بیمہ کا ایک مرکزی سرکاری نظام قائم ہوگا جو اس معیار کے لحاظ سے مفروز محتاج اور محروم ہوں گے، ان کے بنیادی احتیاجات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومت لیگی۔ اسی کو معاشی کفالت یا سماجی تحفظ کہتے ہیں جن طبقات کو مستحق قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

بیمار۔ حوادث کے شکار۔ بیوہ، یرانا کارہ۔ نوڈھے بچے

اس ایکیم کو ایک وسیع بیمہ کے نظام پر چلایا جائے گا۔ حکومت اگر اس کی ذمہ داری تو اس کے سچ کا اندازہ چھپاسی کر وڑ پونڈ کیا گیا ہے ڈاکٹر آف انڈیا می ۱۹۳۶ء ان اخراجات کی پابجائے تین ابواب سے کی جائیگی۔

(۱) ایک خزانہ عامہ کی امداد۔ (۲) کارکنوں کی آمدنی سے بیمہ خد کی وصولی۔

(۳) کارخانہ داروں پر محصول۔

یہ امداد یہ مخدج کا بطور غنی لینے کے نہ کہ بطور غیرت سے ترآن نے کہا کہ صاحب سرمایہ داروں کے اموال میں سائل و محروم کا مقررہ غنی ہے۔ غنی اموالہم حق ہائیم

سروایم پورج اپریل تحقیقاتی کمیٹی کے مواد کو سامنے رکھ کر بیان کرتے ہیں کہ تقسیم دولت کے بہتر نظام کی یہ اہمیت ہے کہ اگر بالفرض بڑے بڑے لاپچی، بظانوی سرکاریہ داروں کو علیحدہ سمجھا رکھا جاتا اور وہ ممبروں ہی کی دولت میں کوئی منصفانہ تقسیم کا اصول ملحوظ ہوتا تو ابھی معاشی پستی اور معاشی نظام کی موجودہ صورت بہت کچھ بدل جاتی۔

اس سلسلہ کا اسلامی حل

آغاز اسلام میں رفقاء عامہ "کما وسیع ترین مفہوم" اسلامی تاریخ کے بنیادی عهد میں داخل ہو جائیے۔ یہاں صاف نظر آتا ہے کہ۔

اسلامی حکومت اور اسلامی نظام میں رفقاء عامہ "کما مفہوم نہایت ہمہ گیر اور وسیع" ہے اس میں ہر قسم کے متذبح، معذور اور مجرم افراد کی معاشی کفالت بھی شامل ہے۔ اور یہ مفہوم اور تصور اسلامی فتح و اقتدار کے ابتدائی سے پیدا ہو گیا تھا جو بڑی بڑی متحدہ حکومتوں میں اہتمامی مدارج میں جموٹا پیدا ہو رہا ہے۔

معاشی کفالت اسلامی فتح کا اولین موقع۔ اسلامی فتح اور اقتدار اولین اسلامی خزانہ کی اولین آمدنی دن فتح بدر ہے۔ یہ فتح تاریخ انسانی میں بہترین سعادوں کا فتح یا ہے۔ اور اسلامی حکومت اور غزوات کی اولین آسکانی "عنینت بدر" یعنی کفار کے بھاگے ہوئے پائیوں کا وہ سامان جو فاتح مسلمانوں کے ہاتھ "عنینت بدر" میں معاشی کفالت۔ عنینت بدر کی تقسیم کے حکام قرآن مجید کے حصہ کی تعیین میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے اعلان کیا گیا کہ یہ مال اللہ کی ملکیت اور رسول کی امانت سمجھا جائیگا۔ اس کی تشریح میں یہ حکم صادر ہوا

واعلموا انما غنیمت منشی، خان للہ خمسہ اسکو جان لو کہ تم نے جو کچھ غنیمت میں مل گیا
 وللہ رسول ولذی القدری والیتامی ہے تو اشد اور رسول اور قرا تباروں
 والمسکین وابن السبیل — یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہیں
 یا بخوان حصہ ہے ۔

اسلام نے اپنے خاص نظام سے معیار زندگی کو ترقی پذیر بنا دیا تھا اور مواعظ کو راہ
 ہٹا دیا تھا لیکن اسکی بھی مثال ملتی ہے کہ ضرورت کے وقت ایک کم از کم معیار مقرر کر دیا
 جیسے حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ تیس آدمیوں کو بھا کر کھانا کھلایا۔ پھر شام کو کبھی یہی خبر ہوا
 پھر عوامی کئے ہر مرد، عورت اور اونڈی کاروبار اس انداز سے سے مقرر کیا گیا ۔

(الحکام السلطانیہ باب ۱۲ از نامہ بادشاہ)

اس معاملہ کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے جب ہم اس پر غور کرتے ہیں۔ اسلام مس و
 بڑے نازک دور سے گزرا۔ ہاتھ ہر طرف سے دشمنوں کے زغہ میں گھرا ہوا تھا۔ اندرونی
 مخالفت تھی، یہودیوں کی سازش تھی اس عہد کی سب سے بڑی سیاسی اور فوجی قوت ایران
 اور روم کا مقابلہ تھا اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی فوجی تعلیم کی شدید ضرورت تھی
 جس ذمہ داری کو خوشحالی اور کامرانی کے عالم میں حکومتیں برداشت کرنے میں ہچکچاتی رہی
 ہیں۔ اسلام نے اس ذمہ داری کو ان نازک حالات میں اٹھالیا۔ کیونکہ صرف اس لئے کہ
 اس کی نظریں محتاجوں، غریبوں، معذوروں اور محروموں کا مسئلہ نہایت اہم اور بنیادی
 مسئلہ ہے۔ ایک قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ یہ دولت مجاہدین کو اپنی جان جو کھوں میں
 ڈالنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ مشکلات اور خطرات کی کمائی انہیں ہو سکتی لیکن
 ان کی ایسی مکتب آمدنی میں بھی غریبوں کا حصہ لگایا گیا۔ جب نازک دور میں اس ذمہ داری کا

خیال رکھا گیا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ فارغ البالی کا دائرہ وسیع تر ہونے پر اس شخصیت برقی جاتی۔ ایران، ہماذ، نطین اور مصر کی فرعون بنائے والی آمدنی کے بعد بھی خلافت اسلامی نے دوسرا پیرست، ہونے کی بجائے ”خدامت“ ہونے کا ثبوت دیا اور اس وقت بھی غریب کے ہمہ کسا، اصول کو فراموش نہیں کیا۔ زکوٰۃ کی صورت میں اس کو نافذ کیا۔

اسلامی اخوت کی لازمی شرط۔ اسلامی سوسائٹی کے نظام میں اپنے بے سہارا بھائیوں کی جبری اور رضا کارانہ امداد، اسلامی اخوت کی ایک لازمی شرط ہے اس کا کم از کم معیار زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔

فَإِنْ تَابَ وَآمَنَ وَأَتَىٰ الصَّلَاةَ
وَأَتَىٰ الزَّكَاةَ فَخِمْ أَيْدِيكُمْ فِي الْأَمْوَالِ
الَّتِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَلَا تَرْكَبُوا أَسْوَاقَ الَّذِينَ
كَفَرُوا سَوَاءً أُنْذِرُوا أَمْ لَا تُنْذِرُونَ
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

سوشل سکوری کے حق کا انکار۔ اسلام میں محروم اور مساکین کی معاشی اہمیت سے خارج کر دینا کفالت، اس قدر بڑا اور اہم حق ہے کہ اگر ایک مسلمان اسلام کے سارے ارکان اور ایمان کے سارے صفات اور شرائط پر ایمان رکھے لیکن اگر زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر ہو تو وہ اصول اسلام کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائیگا۔ اس کے اعمال جسطرح سمجھے جائیں گے

مذہب، حکومت اور سوسائٹی کا باغی۔ اسلامی حکومت کے نزدیک منکر زکوٰۃ، اصل اسلامی سوسائٹی کی بنیاد اور اسلامی حکومت کے اقتدار کے منہا صدمہ کا منکر ہے اس لئے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین اور کفار کی طرح جہاد و قتال فرمایا۔ صحابہ میں بغضول کا عقیدہ تھا۔

ما مانع الزکوٰۃ بسلامہ من لہ
 زکوٰۃ نہ ادا کرنے والا مسلمان ہی نہیں ہے
 جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اسکی نماز بھی نہیں ہوتی

(الخروج لابی یوسف ص ۵۵)

معاشی کفالت حکومت کا۔ سرپرست اور غریبوں اور مزدوروں کے ہمہ کی بہت
 فرض اور مقصد ہے۔ صرف خانگی یا جونیہ کے قائل نہیں ہیں۔
 بلکہ وہ ایک کئی اور مرکزی حکومتی نظام کے حامی ہیں۔ اسلام خانگی کوششوں کی اخلاقی
 اور نفسیاتی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ لیکن ساتھ ساتھ ایک ہمگیر نظام پر زور
 دیتا ہے اور معاشی کفالت کو حکومت کا مفقود اور فرض قرار دیتا ہے

الَّذِينَ اتَّكَفَوْا فِي الْأَرْضِ
 یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر زمین میں ان کو غلبہ حاصل ہو
 اتَّكَفَوْا صَلُّوا وَاَتُوا الزَّكَاةَ
 یہ نماز یعنی بندگی حق کا نظام قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ
 یعنی معاشی کفالت کا طریق

قرآن میں ہے کہ نماز اور زکوٰۃ بھی دین حق کے نظام کی دو بنیادی نشان ہیں جس کے
 پیچھے توجید و انصاف کی روح کار فرما ہو۔ اسکا کو دین تقیم کہتے ہیں۔

معاشی کفالت کیلئے آمدنی کے ابواب۔ اس قدر بڑی ذمہ داری کوئی
 حکومت اپنے سر پر تو اس کو اس کی تکمیل کیلئے آمدنی کا انتظام کرنا پڑتا ہے خرچ
 اور جزیہ کی آمدنی کا بڑا حصہ فوجی اور سولہ نظم و نسق کے اخراجات اور فہام عامہ
 کے مشترک امور کیلئے مخصوص تھا۔ اس میں بھی جب بچت ہو جاتی تو اسے مسلمانوں
 میں حالکا اور ضروریات کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جاتا۔ نظم و نسق کے اخراجات میں نہایت
 کفایت برتی جاتی۔ اس پہلے سے معاشی لوٹ اور عیش پرستی کے دروازے نہ کھولتے۔

دیکھیں تفصیل کیلئے اسلامی معاشیات، حکومت کی آمدنی، اور اس کے مصارف و اغراض
از مولانا سیدنا طرہن گیلانی۔ صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ، مجموعہ تحقیقات علمیہ طبعہ ششم
ادارہ اشاعت اردو کی جانب سے مولانا کی منتقل کردہ اسلامی معاشیات زیر طبع ہے
معاشی مساوات کا انتہائی نقطہ عہد صدیقی تک دولت سب پر مساوی تقسیم
تقسیم دولت بلحاظ احتیاج کیجاتی تھی حالانکہ محنت ہر ایک اپنے اپنے حال
اور کمال کے لائق کرتا۔ بقول صدیقی اکبرؒ

فھذا معاشی خالاسوۃ فیہا یہ تو دینیوی زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے اس
خیبر میں الاثمۃ میں برابر برابرتقسیم اس بہتر ہے کہ کسی کو کسی پر ترجیح دیا جائے
حضرت عمرؓ نے حالات کے اقتضا سے بیت المال سے اجرت کو محنت کے
معیار سے تقسیم فرمایا کہ انظم فرمایا۔ ہر حال سوسائٹی کے معیار اور حالات سے دو ٹو
طریقہ اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ مساوی تقسیم بہتر ہے۔ لازمی نہیں ایشیا پسندویہ کہ یہاں
خراج میں ہر ایک کا حق مال غنیمت کے علاوہ دوسرے ذریعہ خراج تھا۔ یہ
دولت سارے مسلمانوں میں تقسیم ہوتی ہے اس میں امیر و خواتین لولہ کی طرح خوب بکمال
نوٹ عہد صدیقی تک اسی آمدنی کو مساوی تقسیم کیا جاتا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے
پھر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اسکی تقسیم بلحاظ خدمات و حقوق فرمادی کہ آمدنی
ساتھ ساتھ عطایا کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ہر لڑکے کا حلیہ
پیدا ہونے ہی اسٹیٹ کی طرف سے منور ہو جاتا۔ درجہ کچھ ہو مگر خدا ہر فرد کو دیتا۔

سلطنت کا ہر آدمی ہر قریب و بعید و راقا و ہر مسکین کسان اور چرواہے
کا اس میں حق سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کثیر خراج آنے پر

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

ان کذت صادقاً لیقولن للرحی اگر تم سچے ہو تو اس چرواہے کو بھی اسٹال نصیب میں ہند المال وھو باین سے حصہ پہنچایا جائیگا جو میں میں ہوگا۔
و دمر فی وجھا۔ اور اس کا پسینہ بھی اس کے چہرہ ہی پر ہو۔
اصول کلمیہ یہ تھا۔ بقول عمرؓ۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو ما احدث قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی
لا الہ غی ھذا مال حق مبود نہیں ہے کہ ایسا کوئی نہیں ہے جس کا
(الخارج لابن یوسف) اس آمدنی میں حق نہ ہو۔

جب مال کی کثرت ہوئی تو پھر عمرؓ نے مساوی تقسیم کا میلان ظاہر فرمایا لیکن
افسوس کہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی وصال فرما گئے (فی یونوری الطوار سوا) الخراج
خلیفہ وقت کا حصہ بھی مساوی۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے بیٹوں
کی طرح اپنے آپ کو اسی مساوی حصہ کا حقدار خیال فرماتے۔

ما انا فیہا الا احدکم (الخروج) میں تم میں نہیں ہوں لیکن تم ہی میں کسی ایک جیسا
تقسیم دولت میں کبھی حضرات و حقوق کا سکاٹا جاری رہا۔ کبھی مساوی اسی طرح کبھی
اختیارات کا اصول بھی جاری تھا۔ اس سے خلیفہ وقت بھی مستثنیٰ ہوتا۔

قوة وقوت عیالہ و لاوکس ولاشطط صرف انکی خوراک اور ان کے بال بچوں کی
وکسو و تحم و کسو عیالہ للشاء والصفیاء خوراک نہ زیادہ نہ کم خلیفہ کا لباس
و داتبان الی جھادہ و حوا الجہد و صلاتہ ان کے بال بچوں کا لباس جائے اور گری
و حجة و عیمة (الاسلام و المحفزة العربیة) کیلئے۔ دو سواری کے جانور جھاد

اور عام ضرورتوں، نمازوں اور حج و عمرہ کیلئے (بس کرتا ہے)

معاشی کفالت کیلئے خزانہ کی مدد۔ مستقود میان کا یہ ہے کہ غنیمت کے علاوہ خود خراج کی آمدنی سے رفاہ عام اور حکومت کے فوجی اور سیول اخراجات کے علاوہ عام مسلمانوں کو انفرادی اختیار جاننے کیلئے بھی رقم ملتی تھی۔

معاشی کفالت کیلئے حکومت اپنے خزانہ عامہ کے محل کی آمدنی سے بھی دیکھتی ہے جیسا کہ یوحنا ایکیم میں خرچ کاٹنے حصہ سرکاری خزانہ سے ادا ہونا قرار پایا ہے اکثر سوشلسٹ یہ کہتے ہیں کہ صرف زکوٰۃ سے کیا ہو گا۔ وہ پورے نظام کے اثرات کو نظر میں نہیں رکھتے۔

خرید و محاصل کی گنجائش مثلاً فقہان نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر یہ ضرورت محاصل کا فی ہوں تو مسلمانوں کی ضروریات یا عام مصالحت کیلئے اسلامی حکومت حسب ابدید زائد ٹیکس اور محاصل بھی عاید کر سکتی ہے جسے اصطلاح میں "الزواجب" کے محاصل زائد کہتے ہیں، مسلمانوں پر ان محاصل کا ادا کرنا واجب ہے (ہدایہ ص ۳۲۲)

یہ بھی اسلام کا نظام معاش ایک مربوط نظام ہے۔ حرمت سود، زکوٰۃ وغیرہ اس کے خاص اجزاء ہیں۔ پھر مساعیات و ممکنات کا ایک وسیع میدان ہے جس کیسے یہ سب کچھ حقیقی ضرورت پر ہے نہ کہ اندھی تقلید پر۔

زکوٰۃ۔ آمدنی کا تیسرا خاص مد زکوٰۃ ہے۔ یہ صدقات و خیرات کی ایک لازمی اور تنظیمی شکل ہے۔ یہ اسلام کا امتیاز ہے۔ یہ ایک انقلابی قدم تھا۔

ایک امتیازی نقطہ یہ محصول ان باشندوں پر عائد کیا گیا جو صاحب نصاب ہوں یعنی جن کے پاس معمولی اور غیر معمولی ضروریات کی تکمیل کے بعد ایک خاص مہینہ

ترجمہ چ جائے۔ اصطلاح میں اس کو نصاب کہتے ہیں۔ بردولت کا نصاب سکی نوعیت اور معاشی اثرات کی مناسبت سے علحدہ علحدہ مقرر کیا گیا ہے جسکی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔

بیورج نے بلحاظ مصارف معاشی کفالت کے محال کا لحاظ رکھ کر لوگوں کی آمد پر لگادیا ہے۔ اگر اسلام میں آمدنی پر بھی محصول لگانا جائز ہے لیکن اسلام آمدنی کے ساتھ مصارف کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ اور زکوٰۃ کا محصول محفوظ سرمایہ و جائیداد پر ہر سو شلزم سے ایک مناسبت۔ یہ مطالبات ہر قسم کی ملکات اور جائداد دولت پر عاید نہیں ہوئے۔ صرف اس دولت پر جو بڑھ رہی ہو یا جس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو اور فرسودہ ہو نیکی صلاحیت صفر کے قریب ہو۔ اس کو اصطلاحاً مال نامی کہتے ہیں۔ جیسے زراعت، تجارت یا سونا چاندی وغیرہ۔ شو شلزم میں بھی جائداد کی اس اعتبار سے دو قسمیں کی گئی ہیں۔

ایک کو شخصی جائداد (Personal Property) کہتے ہیں جس کو ہم مال نیز نامی کہتے ہیں۔ وہاں ایسی جائداد کا آدمی مالک ہوتا ہے اور وارث بھی بنتا ہے۔ البتہ یہ چیزیں مزید پیدائش دولت کا ذریعہ نہیں بنائی جا سکتیں یعنی مال نامی نہیں بن سکتیں۔ جیسے رہنے کا گھر پڑھنے کی کتابیں، سواری وغیرہ۔ ایسی جائداد کو اسلام نے بھی زکوٰۃ کی ذمہ داری سے آزاد رکھا ہے۔

دوسری ایسی جائداد ہے جس سے مزید آمدنی پیدا کی جاتی ہے اسکو شو شلزم کی اصطلاح میں خانگی جائداد (Private Property) کہتے ہیں۔ اسلام میں اس مال نامی کہا جاتا ہے۔ شو شلزم اس کی اجازت افراد کو نہیں دیتا۔ اسلام

دیتا ہے لیکن غریبوں اور محتاجوں کے حق کے لئے زکوٰۃ کے محصول کی شرط لگا کر اس
پیدائش دولت بھی کما حقہ ترقی پذیر ہوتی ہے اور تقسیم دولت بھی متوازن رہتی ہے۔ بیش
صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی شرح میں جائداد دولت کی نوعیت اور اس کی پیدا
کی آسانیوں یا مستحکات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے

تخصیص عام طور پر یہ محصول مکینوں اور محتاجوں کے لئے مخصوص ہے خراج کی طرح
غریبوں اور امیروں کے مشترک حصہ نہیں ہے۔ اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ اغنیاء
سے لیا جائے اور فقراء کو دیا جائے۔

توخذ من اغنیاء ہم و ان کے اغنیاء سے لیا جائے اور فقیروں کو
تہاد علیٰ فقہاء الہم (بخاری و مسلم) دیا جائے۔

مقصد کیا ہے تاکہ دولت و ثروت صرف چند امیروں کے حلقہ میں چکر لگاتی نہ رہے
لکی (ادولتہ بلین الراغنیاء) تاکہ وہ نہ ہمارے نونگروں ہی کے گرو چکر لگاتی
نہ رہے۔

عام صدقات اس کے علاوہ عام صدقات کی آمدنی بھی خفیہ جنہیں نفل صدقات کہتے ہیں
جن کا مسلمانوں کو شوق دلایا گیا ہے جیسے کان محفل کے علاوہ اور محفل عائد کرنے کا
حق اسلامی حکومت کو حاصل ہے

قابل لحاظ نکتہ۔ ہرگز زکوٰۃ کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہمیشہ سوسائٹی میں ایک طبقہ نادار
محتاج ہے اور ایک غنی اوپر کے ہاتھ والا ہو۔ زکوٰۃ یا اس جیسے عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
بیت المال سے مانگنے والے دینے والے بن جلتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم
نے خاص طور پر زکوٰۃ زکوٰۃ دیا کرو۔ اس سے وہ زمانہ آئیگا کہ زکوٰۃ لیکر لوگ

پھر نیگے لیکن لینے والا نہ ملے گا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس کی بدولت معیار زندگی ایسا بڑھا کہ زکوٰۃ دینے والا اہل کرم مال زکوٰۃ لیکر سائل کو ڈھونڈتے تھے اور سائل نہ ملے۔ ایسا معیار بھی پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کو اس نظم کے باقی رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ یعنی غربت و افلاس اس حد تک گھٹ جاتی ہے۔ جیسے کہ عبدالعزیز میں ہوا کہ انھوں نے زکوٰۃ کو اشخاص پر چھوڑ دیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہونا ضروری ہو۔

تنظیمی زکوٰۃ کا ایک نسخہ۔ اگر شخصی طور پر لوگ نہ ملیں تو پھر فراہمی اشارات کی رو سے زکوٰۃ کی آمدنی تقسیمات اور طبابت کے ایسے شعبوں کیلئے وقف کیجا سکتی ہے جو مسکینوں اور غریبوں کیلئے وقف ہیں۔ جیسے غریب طلباء کے وظائف اور غریبوں کی امداد وغیرہ غریبوں کے علاج اور طبابت کا مسئلہ تو جو بوج اسکیم کا بھی جزو ہے البتہ تعلیم کا نہیں ہے۔ اسلام سب پر حاوی ہے۔

ایک ہم انقلابی قدم

مذہب کے نسخہ ہونے کے باعث زکوٰۃ، صدقات و خیرات کے سب سے زیادہ مستحق پیشوایان مذہب اور ان کی مقدس اولاد بھی جاتی تھی۔ کیتھولک کلیسا کی مصنفین اور برہمن نظام صدقات مثال کے لئے کافی ہیں۔ نظام اسلام کا ایک بڑا انقلاب انگیز قدم یہ ہے کہ رسول اسلام صلی علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اولاد نبی ہاشم کے حق میں ہمیشہ کے لئے صدقہ حرام و ناجائز قرار دیا اور ارشاد ہوا

انما اتخذا الصلۃ

ہم لوگوں کے لئے صدقہ کا مال جائز نہیں

معاشی کفالت کے مستحق طبقہ

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعلمین علیہا والموافقة خلقہم فی الزواج العارین وفی سبیل اللہ وابن البسیل (قرآن مجید)

(زکوٰۃ) یعنی الصدقات کا مقصد اس کے سوا نہیں کہ وہ فقراء اور مساکین کو دیا جائے اور ان لوگوں کو جو تحصیل صدقات میں کام کریں اور جن غلوپا تالیف مفقود ہو، نیز غلاموں کے آزاد کرانے یا اور نادان زدہ یا متعرض لوگوں کو اور لڑکی

راہ میں مسافروں پر (۵)

ان مستحق طبقہ کا نام اصطلاح فقہ میں مصارف زکوٰۃ ہے۔

فقراء میں ایسے سارے افراد شامل ہیں جو اتفاقی حالات یا حوادث کا شکار ہو کر معاشی ذرائع سے محروم ہو گئے ہوں اگرچہ صلاحیت رکھتے ہوں۔ مثلاً بیماری، تجارتی خسران، جنگ، جہاد۔ اسی لحاظ سے ہمارے ہمارے کے ساتھ قرآن میں فقراء کا مفاد استعمال ہوا ہے۔ یا موجودہ زمانہ میں حقیقی بیروزگار۔ (منہ استسکین ایسے سارے افراد پر حاوی ہے جن کی صلاحیتیں معاشی جدوجہد کے قابل نہ ہوتی ہوں یا کسی عیب سے ان پر عجز و سکون اور تعطل طاری ہو گیا ہو جیسے یتیم وغیرہ

حضرت عمر بن العاص نے فقراء و مساکین کی تشریح کے سوال پر فرمایا کہ اندھے، لنگڑے، پاچے اور یتیموں کے علاوہ کچھ منقطع ہیں۔ ہر وہ شخص جو ذرائع معاش سے محروم ہو گیا ہو اس میں شامل ہے۔ بوجہ حکیم میں جن طبقہ کو معاشی کفالت کا مستحق قرار دیا گیا ہے وہ سب ہی واقف ہوا جاتے ہیں یعنی بیان کا

ہونے والے بیوہ، بوترے، ناقابل کایہ سہار لیجے۔

اسلام کا امتیاز۔ ان کے طبقات کے علاوہ اسلام نے ایسے طبقات کی طرف توجہ کی ہے جن کی طرف ان کی توجہ منطف نہ ہوئی تھی۔

محکمہ معاشی کفالت اگرچہ بیورج نے معاشی کفالت کیلئے ایک مستقل وزارت کی سفارش کی ہے لیکن حکومت کی طرف ابھی اسے منظوری حاصل نہیں ہوئی۔

اسلام نے معاشی کفالت کو نہ صرف حکومت کا فرض قرار دیا بلکہ قرآن ہی میں ایک مستقل محکمہ اور تنظیم کا حکم ملا اور اس کی آمدنی میں اس کے عاملین کا حق بھی شریعتاً کیا امتیازی پہلو۔ مولفہ مکتوب سے مراد ایسی جماعت ہے جن کو نظام اسلام میں داخل ہونے کے سلسلہ میں مالی مشکلات و مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ ان کی مالی امداد کا نظم طریقہ کار اسلام جیسے اصلاحی اور انقلابی عالمگیر نظام کیلئے ناگزیر ہے اگر سداً اس کا لحاظ رکھتے تو اسلام کی ہمہ گیری کا ذریعہ یعنی تبلیغ اس قدر کمزور نہ ہوتا۔ ہر چیز کی اشاعت کا ہر نظام ہر مالی امداد کے مستحق ہیں۔ رسولہم کی تحریک و غیرہ کی مالی امداد وغیرہ پر رشک کو نیا لے مسلمان کیا اس جزو کی طرف توجہ کریں گے؟

پھر اس کے بعد (فی الزخاف) غلام طبقہ آتا ہے۔ جس کی آزادی کا فرمان اسلام نے بھی زکوٰۃ کا ایک خاص مصرف ہے۔ اسلام نے انسانی غلامی کو مٹا کر ضرورت کی حد تک اس کے حجاز کو محدود رکھا۔ غلام بنانا اسلام میں نہ فرض ہے نہ مستحب جنگی قیدیوں کو فوری طور پر قتل کر دینے سے ان کو غلام بنانا پتھر سمجھا گیا۔ عہد غلامی میں ان کے ساتھ سلوک کا معیار اسلام نے انقلاب کی حد تک بدل دیا۔ خصوصاً معاشی معاملات میں انہیں آزاد مارک مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔

ان کی آزادی کو ایک بڑی نیکی اور برائیوں کا کفارہ قرار دیا گیا۔ ان کے آزادی کے انفرادی طریقوں کے علاوہ اجتماعی محصول زکوٰۃ کا بھی ایک اہم باب خرچ قرار دیا گیا۔ محل جنگی قیدیوں کی مشکلات کے مسائل بھی اس کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

جنگی غلامی کا معاملہ مسلمانوں سے زیادہ حریف قوموں کے طرز عمل پر منحصر ہے۔ باہمی بھتر سے اگر چاہیں تو اس کی قطعی طور پر ٹھہرا دیا جاسکتا ہے اور مسلمان پہلے پیام ہوتے ہیں نخی احق بمکار و اخلاق ہم مکالم اخلاق کیلئے زیادہ آمادہ ہیں باطل توت سے جگت آزادی کی تحریکات میں اس مصرف کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں اس کو مدبرین ملت اور ہمتیاریت طے کر سکتے ہیں

مقروض۔ ایک اہم طبقہ (والغافلین) مقروض جنگی گروہوں پر قرض کا بوجھ ہے متعجب مقروض دنیا کا وہ گروہ ہے جسے بہت کم ہمدردی کا حق فرمایا حکومت کی طرف سے سمجھا گیا ہے

الٹا سلوک۔ اب تک جسنی ساری اور سرمایہ دار حکومتیں ہیں۔ انھوں نے غریب مقروضوں کے ساتھ بالکل الٹا سلوک روا رکھا ہے۔ ان کی حکومت انکی عدالت اپنی پول اور فوج کھاتہ اور انکی سوسائٹی اپنے سرمایہ دارانہ نظام و کالت کے ساتھ (جس کا کام مائٹوں کی طرف کرنا ہے) منظور قرضدار کی نہیں بلکہ ظالم سود و سود خورنے والے سرمایہ داروں اور سرمایہ کاروں کی مدد کرتی ہے، سود کی ڈگریوں کی تقسیم کر رہی ہے معاشی تباہی کا نا دور واقعہ۔ معاشی انصاف کی تاریخ کا یہ ایک نا دور واقعہ ہے کہ اسلام نے پہلی بار اس مسئلہ کو حکومت کا مسئلہ قرار دیا۔ سب سے پہلے قرض سے سود کو فسوخ کر نیک اعلان کیا۔ رسول اسلام نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے سود و معاوضے

سلف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کئی گنا ہوں جو پہلے سرزد ہو چکے تھے قرآن نے ماقلا
(جو کچھ پہلے کر لیا) قابل معافی قرار دیا۔ لیکن سود کا معاملہ ایسا نہیں ہوا کہ پہلے سے
جو سود وصول طلب ہو وہ وصول کر لیا جائے۔ (زید کہیے نہ آیا جائے بلکہ جو کچھ وصول
باقی ملتا کی قسم ممانہ کر دیا گیا۔ جو اسی قرضہ تھا اس کے بوجھ سے پہلے کیلئے اسکو
ایک جماعتی اور حکومتی مسئلہ قرار دیا گیا۔ اور یہ مصارف نہ کو اتھ کے اہواج خرچ کا ایک
رکن قرار دیا گیا۔

اسلامی مملکت میں اس اعلان سے ایک نئی معاشی زندگی کا شروع ہوئی۔ سود
بوجھ سے کسان و رعایا غریب مزدور اور غریب طبقات کی حالت بڑا بہتر ہو گئے
اور ان قرضوں کی ادائیگی میں حکومت نے تعاون کیا۔ یہ حرم شراب بھی زیادہ عام ہوا
ہمارے زرعی قرضے اور اس کا ہندوستان پر یا جدید آبادیاں سے ہمارے کسانوں سے
واحصل کے طور پر ایک زرعی قرضہ ہی کو سمجھئے۔ ماہرین معاشیات کو یاد کیا، ہمیں
لا بیل صورت نظر آتی ہے اسے حل کے بغیر تنظیم یا بعد ہو یا کوئی اور منتزہ معاشی
زندگی نئی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو خطبہ محمدؐ اور معاشی کا نفس جدید
۱۹۰۷ء از محمد مجاہد صاحب

اقتصادی حل اس کا واقعی اور انقلابی حل یہی ہے کہ سود کے بوجھ سے یک عالم
ہزادی کا اعلان کیا جائے اور حکومت امداد باہمی کے نظام کو طرز سود پر ترقی دے
بدراس کی کانگریسی حکومت کا عمل۔ صوبہ مدراس کی کانگریسی حکومت
نے بیجا جرات سے ایک خاص مدت سے دس سال سے آگے کے قرضوں پر
ایک خاص حصہ سود کو منسوخ کر دیا تھا۔ دراصل اسلام ماننے والے ایک خاص

عید تھی۔ میں نے مدد اس کے دیہات میں کسانوں پر اس کے اچھے اثرات کا
خود مشاہدہ کیا ہے۔ ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ غریب کسانوں نے اپنے قرضوں کا بوجھ
جلد جلد ایک حد تک ہلکا کر لیا۔

عمر نوحؑ۔ ہم اگر اس طرح کرنا چاہیں مگر امداد باہمی بھی ہے اور سود کا نظام بھی رہے
تو اصلاح کے لئے عمر نوح چاہیے۔ ہمارے نظام امداد باہمی کا تجربہ شاہد ہے کہ کسان
دونوں طرف مقروض ہوتا ہے۔ متضاد عناصر کار فرما رہتے ہیں

روحانی اہمیت۔ اسلام نے علاوہ اس جبری نظام کے مقروضوں کی مدد اور
بغیر سود کے قرض دینے کو بہت بڑی مذہبی نیکی قرار دیا ہے۔ حدائق اپنے مانعہ کو
قرض مانگنے والے کا ہاتھ قرار دیا **واقرضوا للہ قرضاً حسناً (اللہ کو قرض عطا کرو)**
حدائق کے وصال کا یہ ایک ذریعہ قرار پایا۔ رسول اسلام کے غریبوں کے قرض کی ادائیگی
کو اپنا شمار جیات قرار دیا تھا۔

فی سبیل اللہ کی اہمیت جنگی اخراجات کی کثرت سے بائاسی ہو جاتی ہے
اس سے مصارف جہاد خاص طور پر مراد ہیں۔ اگرچہ کلاس کا عام مفہوم بہت وسیع ہے
دنیا فی فلاح و بہبود کی مختلف شکلیں پر یہ ماحول ہے۔ حالات ہی اس کی وسعت
کو سمجھاتے رہتے ہیں

وابن اسیل میں ایسے مسافروں کی طرف اشارہ ہے جو وطن میں سب کچھ
نگھٹے ہوں لیکن مسافرت میں سماجی مشغلات و مصائب گرفتار ہو گئے ہوں۔

آج کل جنگ زدہ ممالک صغیر و بزرگت زدہ انسان بھی اس تعریف میں داخل
ہو سکتے ہیں۔ جیسے ترکستان کے تاجک، ہماجرین یا برما کے بھگے ہوئے لوگ

جن میں اکثر وہاں خوشحالی تھی لیکن اس عالم مسافرت میں محتاج ہو گئے یہ صورت
 انتہائی معیار پر اسلامی تاریخ میں انصار و ہاجرین کے ساتھ گئے اور پر ظہر ہوئی جس
 میں انصار نے اپنا آگوا مال ہاجرین کو دیدیا تھا

یہ آیت ان تفصیلات کا بھی خاتمہ کرتی ہے جن کی رو سے کسی غیر ملک یا قوم یا کسی
 مسافروں کی مدد۔ ہرج بھی بڑے بڑے متمدن ممالک میں نیکی نہیں سمجھی جاتی انہیں
 سحرین کی طرح ان کی حکومتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے یا جیسے ہندوستان کی تاریخ
 میں شاملین بنتی ہیں کہ مسلمان مسافروں کو غلام بنایا جاتا تھا کہ یا وہ بھوکے مر جاتے
 یا بھاگ جاتے (ملاحظہ تاریخ جدید آباد کر بلا شرف الیہ)

یہ جزو اسلامی تحریک کے عالمگیر اور ہمہ گیر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ہے
 معاشی کفالت کا اسلامی نظام جس میں حالات کے لحاظ سے توسیع کے بڑے امکانات
 پوشیدہ ہیں۔ بیورج اسکیم وغیرہ ایک جمہوری کا سودا ہے اور انتخابی تجربہ۔ یہ
 ان کی تاریخ کا ایک عصب ترین تجربہ سلی، اللہ علیہ وسلم کا شی مسلمان اور اسلامی حکومتیں
 اس کو محسوس کریں۔

غریبوں کے مفاد اور رسولِ مسلم

انہما

غلام دستگیر رشید امیر آغا عثمانیہ

غریبوں کے مفاد اور اسوۂ رسول صلیم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کا بڑا لانے والا

رب العالمین کی طرف سے محمد اللہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور زندگی کے ہر شعبہ میں ایک رحمت والے انقلاب کی بشارت تھی اور ایک سکایا پلٹ دینے والی صبح سعاد کا طلوع۔ قرآن پاک کی شہادت ہے کہ انسان کی تپا ہی، پستی، مگر اسی، افلاس اور تنگدستی کی ہر صورت آپ پر نہایت شاق گذرتی تھی۔ انسان کی ہر طرح بھلائی پر آپ نہایت حریص تھے جو انسان کو ایمان و احسان کے اس فریضہ میں جو آپ کے ساتھ شریک ہوئے آپ ان مومنین پر خاص رافت و رحمت فرماتے۔

آپ نے قرآن کی روشنی اور اپنے حسین اور کامل نمونہ سے اسلامی تحریک کو ہر قسم کے ذاتی، خاندانی، قومی، انسانی اور ملکی اغراض پرستی سے کام لے کر لوت رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ شدید جہاد کے بعد لوگوں کی نگاہ سزاویہ بدل دیا اس ان کی زندگی کے طرز بدل گئے۔ اخلاق کی دنیا بدل گئی۔ ذاتی عصمت کے محافظ بن گئے۔ شرابی، حرام شراب کے علمبردار ہو گئے۔ شدید سود خوار سود کو حرام کرنے، نظام زکوٰۃ قائم کرنے والے ہو گئے۔ نسل، رنگ، ذات، پات، خاندانوں اور قبیلوں اور ملکوں کے مفادات کے پرستاروں ان سب بول کو ڈھا دیا۔ یہی پرستی کے تقاضا تھے اور حدود کے پابند ہو گئے۔ طبقہ پرستی کا ایک بڑا خدا کا خاتمہ کیا گیا۔

آپ کی بے مثال انقلاب انگیز سیرت کے بیشمار پہلوؤں کو دیکھ کر بے اختیار زبان

دل ہے نازاں کتری صورت زیبا دیکھی آنکھ حیران کدلیک حسن کی دنیب دیکھی
 لیکن اس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ غریبوں، مفصلوں، محروموں، معذوروں، یتیموں، سبیل
 بھوکوں اور غلوں کی ناریک دنیا پر رحمت و احسان کا آفتاب تازہ طلوع ہوا غربت و
 انطاس، محتاجی اور گدائی کو دور کرنے والا ایک بہترین انقلابی نظام ہے جو میں آیا۔ ہمیشہ اس
 فکر کا نظام کے پیچھے آچکے ذاتی ایشیا کی روح بروقت کار فرما رہی۔

جوت سے پہلے ہی آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شریک کار و بار پھراچکے سنو نہایت
 کی حیثیت سے عرب کے امیر کبیر ہو گئے لیکن اس دولت کے کیا مشہر تھے آپ کی نورانی
 فطرت کے کیا میلانات تھے، اسکی شہادت پہلی وحی کے دن خود حضرت خدیجہ نے دی۔
 اور آپ کی نسلی کے اسباب گنا تھے ہوئے فرمایا۔

آنکھ فیصل الرحم	آپ صبر جمی کرنے والے
و تخیل اکل	بو جھ داروں کا بوجھ بھگتا کرنے والے
و تکسب المندوم	نا دار و اور بیروزگاریوں کو مزید روزگار فراہم کرنے والے
تقریبی الضیف	بہانوں کی خدمت کریں والے اور مصیبت زدوں
و تعین علی نوبل سخن	کی اعانت فرمائے واسے ہیں۔

اس کمال و دروندۃ قلب سلیم پر جب وحی کا نور نازل ہوا تو معاملہ خود علیؑ نوہ ہو گیا۔
 سو خواریوں، سرمایہ داروں کے خلاف اسلامی نظام کی طرف سے ایک چیلنج دیا گیا
 کہ اگر وہ اپنی مالی طاقت سے غریبوں کی غربت میں اضافہ کرتے ہیں گئے تو وہ غریبوں ہی
 سے نہیں بلکہ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ رسول اسلامؐ پیغام

ر پر پختی اور غریبوں کے مفادات کی شکست میں۔ خدا اور رسول غریبوں کی صف میں شامل ہو گئے
 مغرب مشرق میں اہل اشراف کے سرمایہ اور سادہ رج کے خلاف زندگی کے نئے دھار پیدا ہو گئے
 تاکہ آدم کی اولاد ہر کس زر کا شکار نہ بن جائے تجارت۔ کساد بازاری اور بھوکا پیچی رہے
 غریب مزدور بار بار کی بیروزگاری کے اچانک طوفانوں سے محفوظ رہیں۔ زکوٰۃ کو ایمان
 کے ارکان میں شامل کیا کہ حکومت اور سرمایہ دار سوسائٹی میں محروموں، معذوروں
 اور کمینوں کی ضروری زندگی کیلئے اپنے مال میں خیرات نہیں بلکہ غنی تسلیم کریں۔ اس کا منکر
 ایمان اور انسانیت پروری کا منکر اور مذہب قرار دیا گیا۔ پہلا وہ اصول ہے جسے جدید
 اصطلاح میں سماجی تحفظ، سماجی کفالت یا سوشل سیکیورٹی کہا جاتا ہے۔ ایسے مزید محال
 کا دروازہ کھلا رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ ایسا توازن پیدا ہو کہ زکوٰۃ
 لینے والے حتیٰ آئندہ باقی ہی نہ رہیں گے بتایا ہے کہ چند سال میں لوگ زکوٰۃ لیکر میرے
 تھے لینے والا نہ ملتا تھا صرف دولت میں توازن مچا کے اسباب احتیاج کا جائز بنی نفس پرستی
 یا ہوس انگیزی، حبش کوٹنی اور ہولیب کی اکثر صورتیں حرام نا پسندیدہ، ناجائز، مجبوری گئی
 غریبوں کی خدمت کیلئے کافی گنجائش بن گئی۔ ایک مستقل، حکم ناقابل تغیر نظام کے علاوہ غریبوں
 کی مرادیں برکھائے، رسول نے اپنے پاک منوں اور عملی مثالوں سے ہر قسم کے ائندہ کے بدترین
 مفادات کے اور انسانی ہی خواہش کا کمال دکھا دیا۔

محمد، اللہ سے ان کا کہ شہر کل ہو کہ زندگی اپنی غریبوں میں گزاری ساری
 تبریک پاک کے ماہرین کا بیان ہے کہ جو دوسرا آپ کی عظمت تھی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ
 اب جسے زیادہ سخی تھے۔

جس قدر ممکن ہو حاجتمند سائلوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک جاری رہتا صحیح بخاری شریف

باب جن اخلق اس حقیقت کا شاہد حال ہو کہ شکل کی غریب نوازی کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ
ساری عمر کسی کے سوال پر نہیں، اکا کلمہ زبان مبارک سے نہ نکلتا۔ کسرا کلمہ طیبہ میں اللہ کے
محتاجوں کو دے جانے کا مشورہ فرما مسرت طبعیت کی بشارت کا باعث ہوا۔
ہاتھ روکنے کا اشارہ بھی ابر رحمت کیلئے گوارا نہ ہوتا۔

ایک بار ایک سائل کرم خدمت فیضِ رحمت میں حاضر ہوا۔ وقت کی بات کہ اس وقت
مضور کے ہاں کچھ نہ تھا۔... انکار نہ فرمایا، سائل کو حکم فرمایا کہ ”تم میرے ساتھ آؤ حضرت
مرفاروق رضی اللہ عنہ بھی ہر کتاب دست تھے۔ ادھامتا نہ فرمایا کہ آپ کے پاس اگر کچھ موجود ہے
تو اسکی آپ پر کیا فائدہ دے گی۔ اس وقت ایک دوسرے عالمی بھی حاضر دربار تھے عرفی کی
”یا رسول اللہ آپ دے جائیں عرشِ واحد سے کسی خطرہ کا خیال نہ فرمائیں، وہ آپ کو
محتاج نہ کرے گا۔ میلانِ نبوت کی بات تھی۔ فرط خوشی بشارت سے آپ سکوڑے۔
امانت یا ملکیت دل اور ہاتھ اس قدر کیوں کھلے تھے اس لئے کہ حضور
اپنے آپ کو خدا کی بخشی ہوئی نعمت اور دولت کا تھانہ امین اور تاسم تعظیم کر لیا
نصو فرماتے عطا و کرم کا مالک صرف خدا کو جانتے۔ خود فرماتے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّ
خَازِنٌ وَّ اللہ یعطی (بخاری)

اگر کوئی تمہنجی کے ساتھ بھی اس حقیقت کا ذکر کرتا تو طبعِ عالمی اس کے ساتھ مجباً
ناراضی کے حسن سلوک سے کام لے لیا۔

ایک دفعہ آپ صیبا کرام کی غفلت میں تشریف فرما تھے، ایک سائل بدو آیا آپ کی چادر کا
گوشہ زور سے کھینچ کر کہنے لگا: مجھ! یہ مالِ نذر ہے، نذر ہے باپ کا ہے ایک بار شتر
دے، آپ نے اس کے اونٹ کو خواہ اور بھروسے لے دیا۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

دولت کا مقصد تکمیل احتیاج کا مصرف آپ کے نزدیک دولت کا

صحیح منظر اپنے یاد و سر ضرورت مندوں کی احتیاجات کی تکمیل تھا۔ مگر یہ مقصد پورا نہ ہوا اور وہ پیہ پیہ جمع رہا تا تو آپ کو بجلی سی محسوس ہوئی۔ ام المؤمنین ام سلمہ کا بیان ہے کہ ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس ہوئے تو چہرہ پر غم اور تبدیلی کے آثار نمایاں تھے۔ ام سلمہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ خیر ہے؟“ جواب میں ارشاد فرمایا ”وکل بوسات دنیا آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے“

ایک مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر رکھنا یعنی استنزال ایمان کے اعلیٰ مقامات سے کس قدر بعید ہے

ایک دن آپ کے سارے دار صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ اپنے سے گزر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ابوذر! اگر ادا کر کا پہاڑ بھی میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پتہ نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے۔ لیکن مال وہ دینار جس کو میں ادا کرے“ فرض کے لئے رکھ چھڑ دیں“

اس باب میں یہاں تک کہ معمولی مقدار میں کچھ نقد ہی ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دیجاتی گھوڑیں آرام نہ فرماتے۔

۲۔ ریس فذکنے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ عرض ادا کرنے کے بعد اطلاع فرمائی کہ کچھ بیج بھی رہا بادشاہ ہوئے جب تک کچھ باقی رہ گیا میں گھر میں نہیں جاسکتا۔ حضرت بلالؓ نے کہا کہ وہ کوئی سائل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رات مسجد ہی میں بسر فرمائی۔ دو سرون حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہو عرض کی ”اے اللہ کے رسول“

۲۵۰
 اللہ نے آپ کو سبکدوش کر دیا یعنی جو کچھ رہ گیا تھا وہ بھی تقسیم ہو گیا۔ آپ نے خدا کا حکم
 ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔

ایک بار نماز عصر کے بعد فوراً معمول کے خلاف اپنے کاتبانہ مبارک تشریف لے گئے پھر
 فوراً برآمد ہوئے۔ صحابہ نے حیرت سے صورتِ علی دریافت کی۔ فرمایا مجھے خیال آ گیا کہ
 کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ لو
 ہی گھر میں پڑا رہ جائے۔ اس لئے جا کر خزانہ کا حکم دے آیا۔

تکمیل حاجت کی اہمیت کبھی کبھی کی حاجت کی تکمیل عجلت اور سہقت
 کا محل مقام ہوتا تو نماز کو ملتوی فرماتے۔ ایک دفعہ عین اقامت نماز کے وقت ایک
 بُدو آیا۔ داماں بنوت متحام کو اصرار کرنے لگا ”میری ایک معمولی سی حاجت ہے مجھے ڈر
 ہے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے۔ آپ فوراً اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کی
 حاجت براری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔

دولتِ غریبوں کی بدولت۔ ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاص جسنے
 ارشاد فرمایا۔

”تم کو جو نصرت اور روزی میرا آتی ہے وہ انہیں غریبوں کی بدولت آتی ہے

(سیرت شریف جلد دوم ص ۲۴)

زیر پستی جنت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اسار بن زید کو فحاش طلب کر کے فرمایا
 ”میں نے درجستہ پوچھے ہو کہ کو کھیا کہ زیادہ تر غریب غفلت لوگ ہی ہیں اصل یہاں

امت کے غریبوں کی طرف سے قربانی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہل
عید الفصحی میں ایک قربانی اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کے غریبوں کی طرف دیتے۔
ایروں کی قربانیوں کی قبولیت میں تو شک ہو سکتا ہے لیکن رسول نے جن غریبوں کی
قربانی دی ہو اس کی قبولیت میں کیا شک؟

غریب مقروض۔ مہاشی زندگی کے مختلف مراح، حیات کے مختلف حوالے سے ہو سکتے ہیں
بہت کم آدمیوں کو اپنی اپنی ضرورت کی تکمیل کیلئے قرض بھی لینا پڑتا ہے۔ قرض کو دینا
بالعموم ایک مہاشی معاملہ اور مسئلہ سمجھتی تھی اسے نیکی کا کوئی بڑا کام اور خدمت غنی اور غنا
خلق کا ایک عظیم الشان سبب نہیں تصور کیا جاتا تھا۔ رسول اسلام کی بعثت، تعلیم و فرائض
نہایت اس باب میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوا۔ غریبوں کے مفادات کی کاپالٹ گئی۔

اول تو یہ کہ مقروض حسنہ، کو ایمان اور آخرت کے بہترین نتائج کا حامل بنایا گیا تھا
مقروض کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔ کہا گیا کہ اللہ کو قرض دو۔ "واضح
اللہ قرضہا حسنا۔ گویا غریب مقروض کے مفاد کو حلالی مفاد کا مترادف قرار دیا گیا
یہ تو اخلاقی اور الہیاتی اہمیت ہے۔ رنگہی مہاشی اہمیت تو قرض کے کاروبار کو سڑکی
شرط سے آزاد کیا گیا۔ اس کو قرضہ حسنہ کہتے ہیں۔ یعنی اس کو ایمان اور مجبور انسان کی
خدمت کا ایک حسن تصور کیا گیا۔

لوگوں کو شوق دلانے کے علاوہ قرض کا اہتمام بیت المال اور حکومت کا فرض
قرار دیا گیا۔

دنیا میں سرمایہ پرست سلطنتوں کی طاقت سرمایہ دار قرض دینے والوں کی پشت پنا
ہی
تی ہے۔ یعنی سلطنتوں کا سارا نظام عدالت اور پولیس اور فوج سود خوار سرمایہ کاروں کو

غریبوں کے خلاف ڈوگریاں دلاتا ہے۔

اسلام سود وغیرہ کو حرام کرنے کے علاوہ انہیں حکومت سماجی تحفظ یا معاشی کفالت (سوشل سیکرٹیٹی) کا حصہ دار اور حقدار قرار دیا۔ مصارفِ زکوٰۃ میں جو طبقے مستحق قرار دیئے گئے ان میں متروض بھی شامل ہیں۔

قرضہ کی رقم سے سود کی رقم کا بوجھ یک سوخت اٹھا دیا گیا۔ رب کے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے لوگوں کی طرف سے سود کی معافی کا اعلان جتوہ الوداع میں فرمایا۔

وَرَبَّائِهَا كَالْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ حَامِلَانَا
رَبَّارِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (صحیح مسلم) جب پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سنبال کر رہا ہوں۔

غریب متروضوں کے بوجھ ہلکا کرنے میں خود ذات رسالتؐ کو یہ اہتمام تھا کہ اپنے لوگوں کو عام حکم دے رکھا تھا کہ جو مسلمان مقروض ہو اور قرض چھوڑ جائے اس کی اطلاع مجھے دو میں اس کو ادا کروں گا۔ جو ترک چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے مجھے اس کوئی مطلب نہیں یہ غریب مقروض ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی پریشان حال اولاد پر کتنا بڑا احسان کہ انہیں قرض کے بوجھ سے سبکدوش کر دیا جائے اور تھوڑا بہت متروک رہے تو رحمت بڑی وہ بھی انکے حوالے کر دے کہ اپنی زندگی کو بہتر معیار اور اطمینان سے شروع کریں۔ بیوہ اور یتیم پریشان نہ ہوں

یتیم۔ یتیم انسانی سوسائٹی کا وہ عنصر ہے جو نہ صرف باپ کی سرپرستی سے محروم رہتا ہے بلکہ اس کا معاشی سہارا بھی اٹھ جاتا ہے۔ پھر جو قوم مجاہد ہو حتیٰ کو غالب کرنے اور

حق کے راستے کی شدید کاوٹوں کو دور کرنے کیلئے جانی پر کھیلنے کو ہر وقت تیار رہے۔
اسیں شہداء کی اولاد بکثرت یتیم ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم اور رسول پاک کے اسوہ حسنہ میں یتیموں پر شفقت اور نظم و نوازش کا بنیہ نظیر نور اور نظام موجود ہے۔ سورہ ماعول میں ہے کہ یتیم کو دھکے دینا اور سسکینا اور ظلم پر توجہ نہ کرنا اور نہ دلانا دین کو جھٹلانے لینے تکذیب بالین کی نشانی ہے۔ ایک معتبر روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیوں اور حضرت فاطمہؓ زہراؓ حضور رسالتؐ کی اپنی تنگی کا ذکر کیا اور غنیمت کی دو کمیزوں کی درخواست کی یہ حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔

آپ کی تعلیمات قرآن میں کئی دفعات یتیموں کے حقوق کے باب میں ہیں۔ خود آفریقہ یتیم ہیں۔ اسلام کا نظام اس سلسلہ میں نہایت ممتاز ہے۔ حدیث شریف میں جب جنت میں حضرت سرور کائنات داخل ہوں گے تو آپؐ پہلے کسی کے داخل ہونے کا انتظار محسوس ہوگی! حضورؐ رضوان سے ہنسنا فرمایا جائیگا۔ جواب ملیگا یہ ایک عورت جس نے یتیم بچہ کی خاطر ضبط نفس کیا تھا۔ حضورؐ نے ہمیشہ اپنے عمل اور ارشاد یتیموں کی پرورش و حفاظت کا سامان فرمایا۔

غریب طالبان علم کی خدمت جو علم اور حق کے طالب مرکز علم فیض پر جمع ہوں وہ مدد کے محتاج بھی ہوں تو یہ ایک بہت بڑی نیکی ہے کہ غریب و تنگ دستی کو طلبہ علم کی راہ میں رکاوٹ بننے نہ دیا جائے۔ اسی اصول کو اب دنیا میں محسوس کیا جا رہا ہے اور اس انتظام اور اہتمام کو تعلیمی دنیا میں تعلیم مساوی مواقع

کے نام سے موسوم کیا جاتا

اصحابِ صفہ صحنہ کی ایسی جماعت تھی جس نے ہر قسم کا ایثار کر کے اپنے آپ کو
غنی کی تسلیم اور تبلیغ کیلئے وقف کر دیا تھا۔ عام مسلمانوں پر ان کے خیرے اور ضرورتوں کی
ذمہ داری تھی۔ لیکن ان طالبانِ علم حق کی بہانِ فوازی خاص طور پر سرورِ کائنات
کو ملحوظ رہتی۔ طالب علم کیلئے وقف کرنے والوں کو اپنے شہادت سے برتر درجہ کی شہادت
دی تھی۔ اس لئے ان کی احتیاجات کو بار بار اپنی احتیاجات پر ترجیح دیتے۔

ایک دن جنابِ میر نے حضرت یزد فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ درخواست کی
کہ فلاں غزوہ میں جو کینز آئی ہیں، ان میں سے ایک کینز مجھے اپنے ارشاد
فرمایا۔ ابھی اصحابِ صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہوئے
میں اور طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ (سیرۃ النبی جلد دوم مولانا شبلی ص ۳۱۱)

حضرت اقصیٰ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے
شکمِ مبارک کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے، سبب دریافت کیا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے
فرمایا بھوک کی وجہ سے (صحیح مسلم)

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ صحابہؓ نے حضور پاکؐ میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور
پیٹ کھوکھو کر دکھایا کہ پیٹھ بندھے ہیں۔ آپ نے شکم کھولا تو ایک کی بجائے دو دو پتھر تھے
(بحوال صحیح مسلم)

بھوک و بیماری کو دور کرنا آپ کے دین میں ایسا اہم مقام ہے کہ صحیح حدیث میں کہے
قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو ہر قسم کی احتیاجات اور بندگی کے لوازمات پر کائنات
بھوک کو عین اپنی بھوک اور غریب بیماروں کی بیماری کو اپنی بیماری قرار دیکر سوال
کرے گا کہ میں بھوک کا تھما تم نے کھانا نہیں کھلایا۔ میں بیمار تھا تم نے تیمارداری نہیں کی

بندگان حق حیرت سے سوال کریں گے کہ: اے خدائے قدوس و سبحان! کیا وہبت
 کہ بھوک اور پیاسی سے کیا بسنت! ارشادِ ربانی ہو گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اور پیاسا
 فلاں بندہ پیاسا تھا، حتیٰ کہ تم نے خبر گیری نہیں کی۔ خدا جانے غریبوں کے مفادات تک
 بندہ نوازی سے اپنا مفاد فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ غریبوں اور مفلسوں کی کتنی
 ہی سے خدا ہی کامل ہو سکتی ہے ع

طریقت بجز خدمتِ خلقِ غیرت

غریبوں کی ہر قسم کی خدمت اور ان سے نزدیکی اور محبت کو اپنے قربِ حق کا
 باعث قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ کو ایک دن ارشاد ہوا۔ اے عائشہ غریبوں کی محبت
 رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو نزدیک کرے گا۔

خشاہد ریگستانِ عرب میں باغاتِ رب کے بہتر جائداد تھے جو صحرے کا
کمالِ شہادہ واقعہ ہے کہ غزنی نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ، مرتے وقت
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام و محبت کے ذریعہ وقف کر دیئے۔ حضور نے انکو
 خدا کی راہ میں وقف کر رکھا تھا ان کی ساری پیدوار ان کے سات نرات مکیوں
 اور غریبوں میں بانٹ دیئے جاتے تھے۔

بھوکوں کی بھوک دور کرنے اور غافروں کے پیٹ بھرنے میں آپ
 خود بھوک اور غافروں کی معیتیں برداشت فرماتے نہ صرف آپ بلکہ ازواجِ مطہرات
 بھی اس میں شریک تھیں۔

ہووا اھلہ لایجدون عشاءً آپ آپ کے ہل وچال منتقل کی کسی راہ بھوکے
 (جامع ترمذی میں ہے) رہتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیم دو دو ہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اکثر پانی اور کھجور پر گد زتی۔ حضرت عائشہؓ نہاتی ہیں کہ مدینہ کے قدم سے وصال تک آپؐ لپے کبھی دو دقت سیر ہو کر روتی نہیں آئی۔ فذک اور خیبر کے ذکر میں محدثین لکھتے ہیں کہ آپؐ ان کی آمدنی سے سال بھر کچھ خرچ لے لیا کرتے تھے لیکن اس میں سے بڑا حصہ اہل حاجت کا نذر ہو جاتا تھا اسی سلسلہ میں حضورؐ اکثر روزہ رکھ لیتے۔

ایک دن حضورؐ معمول سے کسی قدر دیر کر کے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے ان شریف فرما ہوئے وہ پاس کے نخلستان سے آحاد و مشکر حضرت ابو ایوبؓ کو دیکھ کر ہلکے سلام بجالائے۔ مر جا کر عرض کی کہ یہ حضورؐ کے آنے کا وقت نہیں آپؐ اپنے حالت بیان کی وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور بکری ذبح کی کباب تیار کرائے۔ کھانا سامنے حاضر کیا تو حضورؐ جلیم نے ایک روٹی پر مقور لاش گوشت رکھ کر فرمایا کہ غلط نہ کو بھجوا دو۔ کئی دن سے انہیں کھانا نصیب نہیں ہوا۔ پھر خود صحابہ کے ساتھ نوش فرمایا۔ متند قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھرائے اور فرمایا کہ ”خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعمتوں کے متعلق وہ یہی چیزیں ہیں

ننگوں کی تن پوشی کی فکر بھی اسی طرح حضورؐ کے حسن کرم کا ایک خاص رخ تھا۔ آپؐ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال فرمائے ہیں لیکن اصلی میلان طبیعت سادگی اور ایثار تھا۔ اکثر تن پوشی کے لئے ایک جوڑے پر قناعت فرماتے۔ اور باقی ننگوں کی تن پوشی کے لئے راہ اللہ عطا فرماتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (وَالْأُطْلُوحُ لَهَا ثَوْبٌ) کہ کبھی آپؐ کوئی

کپڑا ہتھ کر کے نہیں رکھا گیا۔

اس اثنا، اس کرم فرمائی اور غریب نوازی کا ہرگز مطلب یہ نہیں تھا کہ حقیقی معذوروں، مسکینوں، اور محتاجوں کے علاوہ معاشی جدوجہد کے اہل لوگ خیر خیرات، مالی اعادے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔

آپ کا ابر کرم ہر وقت برستا تھا لیکن کسی کا بنیر شد بد ضرورت کے سوال کرنا آپ کو سخت ناگوار تھا۔ ارشاد ہوتا: ”اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لا دے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ ایک مفروضہ سائل کو مدد کا وعدہ دینے کے بعد بطور تنبیہ یہ جوان ہدایت سے مستفید فرمایا کہ ”لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ ذریعہ بار ہو۔ وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے۔ دوسرے اس شخص کو جو کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہو گیا اور سارا مالی سرمایہ اس کے ہاتھ سے برباد ہو گیا ہو۔ اس کو بھی اسی غذا کا مانگنا مناسب ہے، جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے۔ تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو۔“

اسلام سے پہلے اکثر ملکوں اور قوموں میں مذہبی پیشوائی کی تاریخ میں میں مذہبی پیشواؤں نے نسلی فضیلت ایک اہم امتیازی قدم کا دعوے کر کے اپنے آپ کو خیرات اور صدقات کا مستحق ٹھہرایا تھا۔ غریبوں کا منہ مارنے اور عوام کی جہالت اور

زود اعتقادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، پیشواؤں کے نسلی جائیدادوں پر ہی کو
مذرونیاز دینے کو راہِ نجات بتاتے۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ

ان کثر الاموال الاحبار والسمهان مذہبی پیشوائی کے نسلی اجارہ دار
یساکون اموال الناس بالباطل کثیر مشائخ اور علمائے ہیں جو لوگوں
کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کو جڑ سے کاٹنے کے لئے اپنی مثال
و اولاد پر صدقات و خیرات ہی عزم کر دیئے۔

پسیدہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کی اس سرپا رحمت ذات نے
سائنس میں مزدوروں اور غلاموں کو فراموش نہیں کیا۔ اور مرض الموت میں
یہ وصیت فرمائی کہ مزدوروں، غلاموں کو ہر روز ستر بار معاف کر دیا کرو پسینہ
جنگ سے ہونے سے پہلے مزدوری دو۔ شکل کام ہونو خود بھی ساتھ دو، وصال
مذہب بھی اس کمال ایشیا کی بدولت کوئی ورثہ نہ چھوڑا۔ اس کو نبوت کی خصوصیت
نہ پایا۔

وصل اللہ علی نور کر و شد نور ہا پیدا

